تحریکِ آزادیٔ ہند کے موضوع پر مختلف علما و اکابرین کی تقاریر کا مجموعہ

المسمّٰی بہ

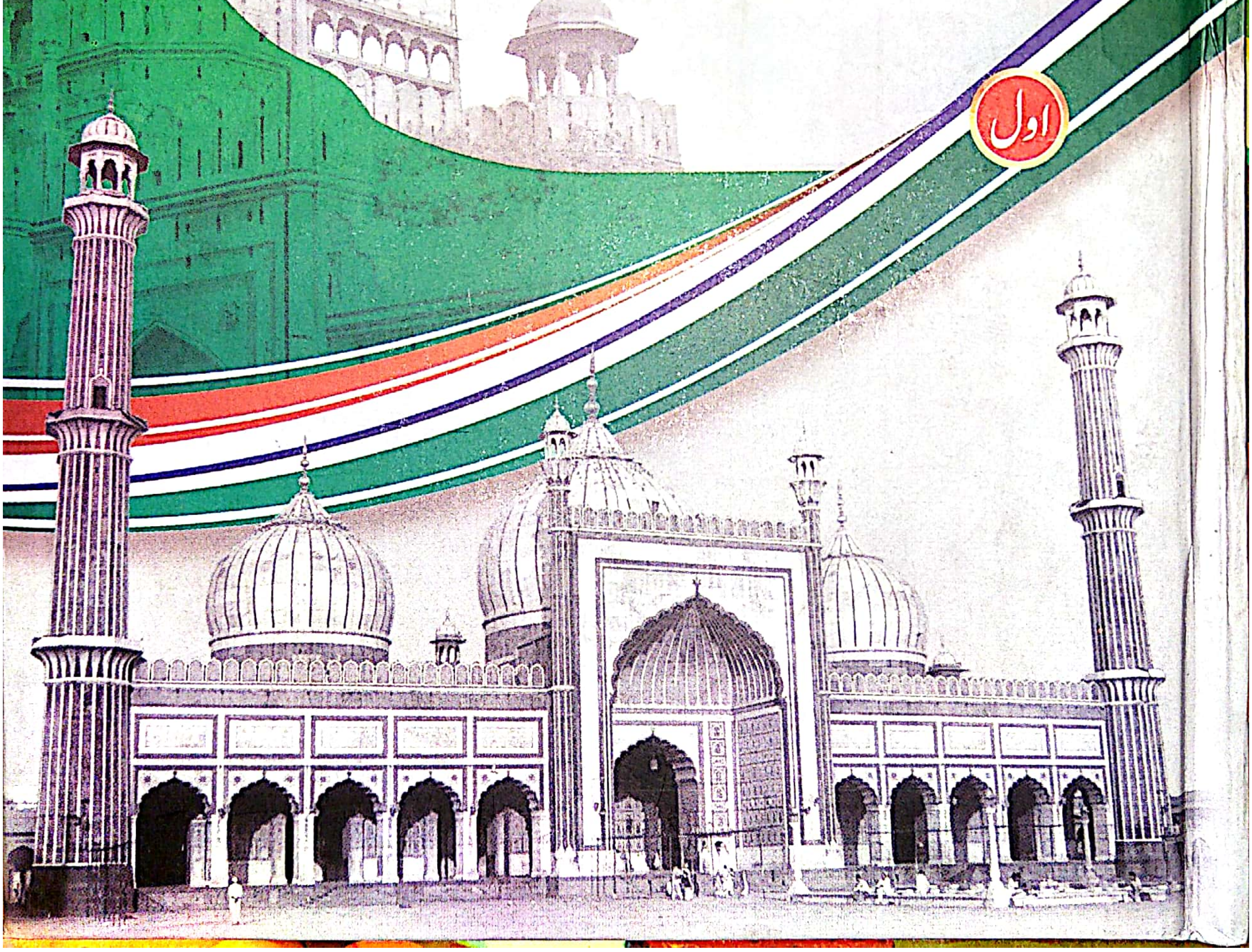
خطباتِ آزادیٔ وطن

مرتب

مولانا محمد ابراہیم بن محمد ادیا، مانگرولی گجراتی

خادم جامعہ ریاض الصالحین، مانگرول

اول



Scanned by CamScanner

الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد الى عبادة الله وحده ومن ضيق الدنيا ای سعتها ومن جور الاديان الى عدل الاسلام. (ربیع بن عامرؓ)

وقيل : حبّ الوطن من الايمان.

تحریک آزادی ہند کے موضوع پر مختلف علماء واکابرین کی تقاریر کا مجموعہ

المسمّٰی بہ

خطباتِ آزادی وطن

جلد اول

مرتب

مولانا محمد ابراہیم بن محمد اُدیا، مانگرولی، گجراتی

خادم جامعہ ریاض الصالحین مانگرول

(The Garden of Pious People)

ناشر

جامعہ ریاض الصالحین مانگرول

(THE GARDEN OF PIOUS PEOPLE)

بائی پاس روڈ، ٹیلی فون ٹاور کے سامنے، اُدیا باغ

ضلع: جونا گڈھ، گجرات، پن: ۳۶۲۲۲۵

ملنے کا پتہ

ریحان کتاب گھر مانگرول، اُدیا باغ

Mo. 9824202182

Scanned by CamScanner

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	:	خطبات آزادی وطن جلد اول
مرتب	:	مولانا محمد ابراہیم بن محمد اُدیا، مانگرولی، گجراتی استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم حسینیہ مانگرول، ضلع جوناگڈھ
کمپیوٹر کتابت	:	نصیرالدین موجپوری (خادم دارالعلوم بھروچ کنتھاریہ)
سیٹنگ	:	حسن احمد پالن پوری فاضل دارالعلوم دیوبند 09997658227
اشاعت	:	ربیع الاول ۱۴۳۶ھ مطابق جنوری ۲۰۱۵ء
باہتمام	:	قاری مجتبیٰ امین پالن پوری
ناشر	:	الامین کتابستان دیوبند
مطبوعہ	:	ایچ۔ ایس۔ آفسیٹ پرنٹرس، دریا گنج نئی دہلی

ملنے کے پتے

الامین کتابستان دیوبند
AL- AMEEN KITABISTAN
Madani Market
Deoband 247554
(U.P.) India
Ph01336221212M09412680528

جامعہ ریاض الصالحین مانگرول
بائی پاس روڈ، ٹیلی فون ٹاور کے سامنے،
ادیاباغ، ضلع: جوناگڈھ، گجرات
پن ۳۶۲۲۲۵

ریحان کتاب گھر
مانگرول، اُدیاباغ، ضلع: جوناگڈھ گجرات 09824202182

فہرست مضامین

Scanned by CamScanner

تقریظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

✆ 23311455
23317729
FAX. : 23316173

Jamiat-Ulama-i-Hind

1-BAHADUR SHAH ZAFAR MARG, NEW DELHI-110 002
E-mail : jamiat@vsnl.com

جمعیۃ علماء الہند

جانشین فدائے ملت حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی صاحب مدظلہ العالی

قائد جمعیۃ علمائے ہند و ممبر پارلیمنٹ آف انڈیا

محترم المقام مولانا محمد ابراہیم اُدیا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تاریخ ماضی کی تحریکات اور شخصیات کے کارنامے حال میں زندگی گزارنے والوں کے لئے کھڑکی، دروازے اور روشنی کا کام کرتے ہیں، جس سے دوسری طرف دیکھا جاسکتا ہے، بیتے زمانے میں داخل ہو کر وہاں سے اُجالا لے کر حال اور مستقبل میں سفر کیا جاسکتا ہے، جدید نسل یہ دیکھ سکتی ہے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں اور کون کون سی چیز کس جگہ ہے، آزادی کی راحت ومسرت کو وہ محسوس کرتے ہیں، جنہوں نے دیکھا ہے کہ غلامی میں انسانوں کا ضمیر کس طرح بدل جاتا ہے، تحریک آزادی کی تاریخ رقم کرکے ہمارے اکابر واسلاف نے یہی شعور واحساس بخشا ہے کہ آزادی ایک نعمت اور غلامی ایک لعنت ہے، اس بات کی خاص طور سے آج کے حالات میں بڑی ضرورت ہے کہ موجودہ اور آئندہ کی نسلوں کو واقف کرایا جائے کہ ہمارے اکابر اور بزرگوں نے کیسے کیسے کارنامے انجام دیئے ہیں اور ہمارا ماضی کس قدر شاندار رہا ہے، ایسا نئی نسل کو احساس کمتری اور بے خبری سے نکالنے اور بچانے کے لئے ضروری ہے اور اس وقت اور بھی ضروری

ہو جاتا ہے جبکہ آزاد ہندوستان کی تحریکات، آزادی کی تاریخ، ہمارے اکابر کی آزادی اور ملک وملت کو بنانے کی جدوجہد کو نظرانداز کرکے رقم کی جارہی ہے۔

جناب مولانا محمد ابراہیم اُدیانے یہ اچھا کیا کہ تحریک آزادی پر مختلف ماخذ سے منتخب کرکے تحریروں کا ایک گلدستہ، کتاب کی شکل میں پیش کیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یکجائی طور پر تحریک آزادی سے متعلق تحریروں کے مطالعے سے اچھے اثرات مرتب ہوں گے، کم فرصتی اور قلت وقت کے سبب جس یکسوئی کے ساتھ "خطبات آزادی وطن" کا مطالعہ نہیں کرسکا، تاہم سرسری مطالعے سے یہ محسوس ہوا کہ کتاب کو حوالے کی نشاندہی کے ساتھ مزید وقیع ومفید بنایا جاسکتا ہے، ایک مشورہ یہ بھی ہے کہ اگر ہر خطبہ کے ساتھ جس صفحے سے خطبے کا آغاز ہورہا ہے، ہر خطیب کا نام بھی دے دیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا کہ قاری بار بار فہرست دیکھنے کی زحمت سے بچ جائے گا۔

میں مرتب کتاب کو اس خواہش کے اظہار کے ساتھ مبارک باد دینا چاہوں گا کہ اکابر کے کارناموں کو مختلف زبانوں میں سامنے لانا چاہئے، اللہ رب العزت عزم میں بلندی اور ہمارے کاموں میں برکت عطا فرمائے، آمین۔

والسلام



محمود اسعد مدنی

خادم جمعیۃ علماء ہند

تقریظ

MUFTI AHMED DEVLAVI مفتی احمد دیولوی
JAMIAH ULOOMUL QURAAN, BYPASS ROAD, AT & PO. JAMBUSAR, DIST. BHARUCH (GUJARAT-INDIA)

حضرت مولانا مفتی احمد صاحب دیولوی مدظلہ العالی
بانی ومہتمم جامعہ علوم القرآن جمبوسر وصدر تحفظ مدارس گجرات

امت اسلامیہ اپنی چودہ سو سالہ تاریخ میں عروج وزوال کے مختلف مدارج ومراحل سے گزرتی رہی، اس میں ان کے عروج وزوال کا دور بڑا تابناک رہا، ایک طرف دنیاوی ترقی اوجِ کمال کو پہنچی تو دوسری طرف اعلیٰ انسانی اقدار وروایات کی مثالیں قائم ہوئیں، چنانچہ ایک طویل عرصہ تک ترقی وعروج ان کا مقدر بنی رہی لیکن جب سے اس نے اپنے دین سے انحراف کی راہ اختیار کی، دینیات سے بے توجہی وبے اعتنائی برتی تب سے پس ماندگی وادبار کی گہری کھائی میں گرتی چلی گئی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلامی تاریخ کا کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں ایسے صاحب بصیرت مردانِ کار پیدا نہ ہوئے ہوں، جنہوں نے پوری تندہی سے ناسازگار حالات کا مقابلہ کیا اور اپنی شبانہ روز کی پیہم کاروائیوں سے ناموافق حالات کی آندھیوں میں بھی چراغ حق کو جلائے رکھا، عالمِ اسلام کے مختلف علاقوں پر نظر ڈالی جائے تو یہ عنصر ہر جگہ کم وبیش دکھائی دیتا ہے۔

ہندوستان جنوبی ایشیا کا ایک وسیع ملک ہے، یہاں مسلمانوں نے کئی صدیوں تک بڑی شان سے حکومت کی، عروج وزوال کے نشیب وفراز سے بھی گزرے، سب سے بڑا زوال جو اپنی سنگینی اور ہمہ گیری میں خطرناک تھا، برطانوی استعمار کے زمانہ میں پیش آیا، اس وقت علماء نے ان زوال پذیر حالات کا ساتھ نہیں دیا بلکہ ان کا مقابلہ کیا اور دوسرے

Scanned by CamScanner

لوگوں کو بھی غلط رجحانات کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ دیا، انہوں نے دینی وملی میدانوں کے ساتھ ساتھ قومی اور وطنی میدانوں میں بھی بڑے مثالی کارنامے انجام دیئے، ہندوستان کو غیر ملکی سامراج سے آزاد کرانے میں باعزیمت علماءِ کرام کا بڑا کردار رہا ہے۔

ضرورت اس بات کی تھی کہ کم از کم مسلمانوں کی نسلیں اپنے ان عظیم اسلاف کی قربانیوں سے واقف ہوں اور ان کے جیالی کارناموں سے آگاہ ہوتا کہ ان کو ہ نما شخصیتوں کی زندگی سے اپنے مستقبل کو تعمیر کر سکے اور دعوت وعزیمت کے پر مشقت جادہ پر چلنے کی صحیح راہ نمائی حاصل کر سکے، اس بات کا احساس کرتے ہوئے مولانا محمد ابراہیم اُدیا صاحب (سابق استاذِ حدیث وفقہ: دار العلوم حسنیہ مانگرول، جونا گڈھ) نے بڑی محنت سے اکابر علماء کے آزادیٔ ہند کے کارناموں پر محیط خطبات کو مختلف مراجع سے حاصل کر کے ترتیب دیا ہے، ان خطبات کو بالاستیعاب دیکھنے کا موقع تو ملا نہیں لیکن یہ خطبات اکابر علماء کے ہیں اور اس سے پہلے الگ الگ رسالوں اور کتابوں میں چھپ کر اہلِ علم سے خراجِ تحسین بھی وصول کر چکے ہیں، نیز اس کے مقدمے کے مضامین دیکھنے سے بڑے مفید ہونے کا اندازہ ہوتا ہے، اس لئے امید ہے کہ یہ مجموعہ بھی اہلِ علم وفکر کے یہاں قدروں کی نگاہ سے دیکھا جائے گا، مؤلفِ محترم اس علمی کاوش پر بصد تبریک کے مستحق ہیں، امید ہے کہ نسلِ نو ان سے استفادہ کر کے اپنے مستقبل کو ماضی کی طرح تابندہ ودر خشندہ بنائے گی اور راہِ حق میں کام کرنے کے نئے حوصلے اور ولولے پیدا ہوں گے۔

اخیر اً دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کی ان مساعیٔ جمیلہ کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور دارین میں اجرِ جزیل عطاء فرمائے اور اس کتاب کو مفید سے مفید تر بنائے اور نئی پود کو اس سے مستفیض ہونے کی توفیق سے نوازے۔

فقط والسلام

(دستخط)

(حضرت مولانا مفتی) احمد دیولوی صاحب

خادم: جامعہ علوم القرآن، جمبوسر بھروچ، گجرات

تقریظ

Trust Regd No. E-399/JND
جامعہ اسلامیہ عربیہ کاشف العلوم ایجوکیشن ٹرسٹ
Bank A/c.No.SB 5316 Bank of India
JAMIA ISLAMIYAH ARBIYAH KASHIFUL-ULOOM EDU.TRUST
AT & PO.SIDOKAR-362255,TA.VERAVAL DIST.JUNAGADH (GUJARAT) INDIA
TEL.02876-282754, MO.9824022119
Website:http://www.kashifululoom.com. Email Address:kashifululoom@yahoo.net
જામેઅહ ઇસ્લામિયહ અરબિયહ કાશિફુલ ઉલૂમ એજ્યુ. ટ્રસ્ટ
મુ.પો.સીડોકર-૩૬૨૨૫૫,તા.વેરાવળ,જી.જુનાગઢ.(ગુજરાત) ઇન્ડિયા.

حضرت مولانا مفتی محمد حنیف صاحب مانگرولی
مدظلہ العالی
شیخ الحدیث جامعہ کاشف العلوم سیڈوکر

حضرت مولانا مفتی داؤد احمد صاحب رحمانی
مانگرولی مدظلہ العالی
خادم: جامعہ کاشف العلوم سیڈوکر

محترم المقام واجب الاحترام حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب زید مجدکم وعمت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام! جنگ آزادی کی ۲۰۰ر دوسو سالہ تاریخ ہے جس کی ابتداء سنہ ۱۷۵۶ء سے ہوئی، سنہ ۱۷۵۶ء سے سنہ ۱۸۵۷ء تک تن تنہا مسلم قوم نے یہ آزادی کی لڑائی لڑی ہے، جس میں ہمارے امراء، رؤساء اور شاہان مملکت نے قربانیاں دی، گردنیں کٹوائیں، جس میں ہمارے علماء صلحاء اور بزرگانِ دین اپنی مسندوں اور بوریوں کو چھوڑ کر کفن بردوش ہوگئے اور سرزمین ہند کو انگریز سے آزاد کرانے کے لئے اپنا خون بہا کر تاریخ کو ایک نیا موڑ دیا، ۲۰۰ر سالہ پُر مشقت صبر آزماں دور پورا ہوا، وطن ہندوستان آزاد ہوا، ملک کا ہر باشندہ آزاد کہلایا، ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے اس جمہوری ملک ہندوستان میں آزادی اور عزت کے ساتھ رہنے کا ہمیں پورا حق حاصل ہے، ملک کی آزادی کے ساتھ اس کی تعمیر وترقی اور دستور سازی میں ہم شریک ہیں اب اس ملک میں آزادی کے ساتھ زندگی گذارنے کا انسانی اخلاقی اور قانونی حق ہمیں حاصل ہے۔

لیکن افسوس کی بات ہے ۲۰۰ رسالہ زبردست قربانی کے باوجود ہم قوم مسلم بھی اپنی تاریخ کو بھول گئے ہیں، بلکہ ہماری قربانیاں بُھلا دی گئی ہے، مذکورہ کتاب ''خطبات آزادی وطن'' مؤقر علماء کرام کے مستند ۱۴ر بصیرت افروز خطبات کا مجموعہ ہے، جسے حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب زید مجدہم سابق استاذ حدیث وفقہ دار العلوم حسنیہ وخلیفہ ومجاز حضرت مولانا قمر الزماں الہ آبادی دامت برکاتہم نے بڑی محنت سے جمع فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ ملت اسلامیہ کو زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق بخشے اور حضرت مولانا کو پوری امت کی طرف سے جزائے خیر نصیب فرماوے، آمین۔

وصلی اللہ علی النبی الکریم.

والسلام

بقلم : محمد حنیف

محمد حنیف حسین غفرلہٗ	داؤد احمد رحمانی غفرلہٗ
خادم حدیث جامعہ کاشف العلوم سیڈوکر	خادم: جامعہ کاشف العلوم سیڈوکر

Scanned by CamScanner

پیش لفظ

زیرِ نظر کتاب: ''خطبات آزادی وطن'' دراصل تحریک آزادی وطن کے موضوع پر مختلف علماء واکابرین کے خطبات وتقاریر کا مجموعہ ہے جو بڑی محنت کر کے مختلف کتابوں، رسائل اور کیسٹوں سے حاصل کر کے یکجا کیا گیا ہے۔

ان تقاریر سے حقیقت میں لطف اندوز تو وہی شخص ہوسکتا ہے جو خطیب صاحب کی تقریر کے وقت موجود ہو اس لئے کہ مقرر کے اتار چڑاؤ جوش وخروش اور کلام کے نشیب وفراز سے سامع اور مخاطب کی طرح قاری کتاب کما حقہ محظوظ نہیں ہوسکتا۔

قارئین کرام سے گذارش ہے کہ جشن آزادی وغیرہ کے موقع پر جس مقام اور جس مجمع میں خطاب کرنا ہے ان مجموعۂ تقاریر میں سے اپنی تقریر کے انتخاب کے وقت خوب غور کر لے کہ آیا میرے سامعین ان باتوں کے متحمل اور موزوں ہے یا نہیں اس لئے کہ مرتّب شدہ مذکورہ تقاریر جس مجمع اور مقام میں کی گئی ہوسکتا ہے کہ وہ باتیں اُس وقت مناسب ہو اب نہ ہو یا ان کے سامعین کی حیثیت اور تھی اور ہمارے سامعین اس سطح کی ذہنیت کے نہیں ہے یا ملکی حالات پر حق گوئی اور صاف گوئی ماضی میں مناسب تھی زمانہ حال اس کی اجازت نہ دیتا ہو وغیرہ وغیرہ۔

البتہ خطاب سے قبل مختلف تقاریر میں سے اپنی پسند کی باتوں کا انتخاب کر کے ایک مستقل مواد تیار کرے تو بہت بہتر ہوگا۔

معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ قاری کو مطالعہ کتاب کے وقت تکرار مضامین وغیرہ سے اکتاہٹ پیدا ہوسکتی ہے تاہم مختلف الطبائع حضرات کے سامنے رنگ بے رنگی

Scanned by CamScanner

پھولوں کا گلدستہ پیش کر دیا ہے اپنی پسند کے جو چاہے چن لے یا کم از کم خوشبو ہی سے مستفید ہوں اس مجموعہ کو تقریظ کی غرض سے جب حضرت مولانا محمود صاحب مدنی مدظلہ العالی کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے اپنے تأثرات کا اظہار کرتے ہوئے مشورہ دیا کہ ''اگر ہر خطبہ کے ساتھ جس صفحے سے خطبے کا آغاز ہو رہا ہے ہر خطیب کا نام بھی دے دیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا'' الحمدللہ'' تعمیل ارشاد اسی طرز کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

(فجزاه الله احسن الجزاء)

اخیر میں مولانا مصطفیٰ صاحب ابن مفتی محمد امین صاحب کا خوب خوب شکر گزار ہوں کہ اس کتابچہ کی طباعت کی ذمہ داری اپنے مقبول مطبع ''الامین کتابستان دیوبند'' کے ذریعہ اٹھائی جو خوب صفائی، دلکش ٹائیٹل اور عمدہ کاغذات کے ذریعہ معتبر کتابوں کی نشر و اشاعت کا کام کرتا ہے۔ اللہ پاک مزید ترقیات سے نوازیں آمین۔

ساتھ ہی ان تمام حضرات کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں تعاون فرمایا خصوصًا مولانا عبدالقادر صاحب اُدیا ''خادم: جامعہ روضۃ الصالحات و جامعہ ریاض الصالحین مانگرول'' نے جانی و مالی تعاون فرما کر اس کتاب کی تکمیل میں مجھ احقر کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

سہولت کے لئے اس کتاب کو دو حصوں پر منقسم کر دیا گیا ہے حصہ اول میں چھوٹی چھوٹی تقریر یں شامل ہیں اور طویل خطبات کو حصہ دوم میں شامل کر لیا گیا ہے۔

اللہ پاک سے دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور ذریعہ نجات بنائے اور اللہ تعالیٰ اس ملک کو زمینی آزادی کی طرح ذہنی اور ضمیری آزادی سے مالامال فرمائے آمین۔ ایں دعاء از من و جملہ جہاں آمین باد

و صلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد و الہ و اصحابه و من تبعهم اجمعین برحمتك یاارحم الراحمین.

محمد ابراہیم بن محمد اُدیا

سببِ تالیف

الحمد للّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الّذین الصطفی، اماّ بعد!

اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم.

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم.

﴿قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ج إِنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ٥ قَالُوْا أُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلُ أَنْ تَأْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدُ مَا جِئْتَنَا قَالَ عَسٰی رَبُّكُمْ أَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ٥﴾

و قال تعالی: ﴿فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ﴾ وقیل حبّ الوطن من الایمان.

یہ بات بالکل سچ ہے کہ کسی قوم کو اگر تنزّ لی اور پستی میں ڈال کر تباہ کرنا ہو تو اس قوم کا رشتہ ان کے اسلاف اور ان کے ماضی سے کاٹ دیا جائے۔ پھر اس قوم کو برباد کرنے کے لئے نہ ان پر میزائیل داغنے کی ضرورت ہے نہ توپ چلانے کی وہ قوم خود بخود اپنی حقیقت شناخت اور اصلیت کھو بیٹھے گی اور اپاہج ہو کر رہ جائے گی۔

ایسا ہی کچھ برتاؤ آج اس ملک میں اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ پہلے یہ کام ملک دشمن انگریزوں نے کیا۔ پھر اسی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے برادرانِ وطن میں سے ایک مخصوص طبقہ کے ان لوگوں نے جنکا حکومت میں اثر و سوخ تھا ان کارناموں میں تشدد اور تعصب سے کام لیتے ہوئے زخم پر مزید نمک پاشی کی۔

Scanned by CamScanner

انہیں دونوں فسطائی طاقتوں کی ملی جلی سازشوں کے نتیجہ میں جھوٹ کو اتنا بولا گیا، اتنا دہرایا گیا اور اتنا مشہور کیا گیا کہ جھوٹ نے سچ کی جگہ لے لی، تاریخِ ہند کی حقیقتوں پر پردہ ڈال کر من گھڑت موضوعات کو اس کی جگہ کھڑا کر دیا گیا۔

آزادی ہند کی تاریخ پر جب ہم حقیقی عینک سے نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں یہی نظر آتا ہے کہ تاریخ ہند خصوصاً جنگ آزادی ہند کے سلسلے میں تاریخ کو نہ صرف مسخ کیا گیا ہے بلکہ محو کر دیا گیا حقیقت میں نہ صرف ترمیم و تبدیل کی گئی بلکہ حقیقت اور اصلیت کا استیصال کر دیا گیا۔

اس ملک میں قومِ مسلم کو کمزور بلکہ بے زور کرنے کے لئے منظم طریقے سے یہی کام کیا گیا ہے۔ اور ایسا کرنے والے ایک حد تک اپنے حربے میں کامیاب بھی ہو گئے ہیں، حقیقت سے بدلی ہوئی ہندوستان کی تاریخ جب ہماری بھولی بھالی قوم مسلم کے پاس پہونچی تو انہوں نے حقیقت کا روپ دے کر آگے چلتا کر دیا۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ ہندوستان کی سرکاری، نیم سرکاری اسکولوں کے نصاب میں پرانے زمانے میں تاریخِ ہند کے کچھ نہ کچھ مفید مضامین شائع ہوا کرتے تھے، ان کو نہ صرف یہ کہ یکسر خارج از نصاب کر دیا گیا بلکہ تاریخ کے سنہرے اوراق کی مکمل طور پر غلط تصویر کشی کی گئی۔ سلاطین مغلیہ خصوصاً عالم گیر کو ظالم متعصب منادر کا منہدم کرنے والا وغیرہ ثابت کیا گیا (معاذ اللہ) محمود غزنوی کو قوم پرست بے رحم پیش کیا گیا، سلطان ٹیپو کی شکل اور حلیہ تک کو مسخ کر دیا گیا۔

ان متعصب قسم کے ظالموں نے صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اسکولوں کے کورس میں پہلے ایسے سیدھے سادے مضامین شائع ہوا کرتے تھے جو انسانی اخلاق کے سدھار اور اقوام عالم میں ایکتا کے لئے مفید ہوں اور ماضی کی حقیقی تاریخ سے آگہی ہوتی۔ مگر افسوس کہ اس کی جگہ ان نصابوں میں ایسے زہریلے مضامین کی بھرمار کر دی گئی جس نے انسانوں کے مابین منافرت کا بیج بو دیا، انسانی اقدار و اخلاق کی دھجیاں

بکھیر دی، مذہبی تعصب میں مگن ہو کر کتابوں کے ورق ورق کو مندر، مٹھ، سادھو، سنت وغیرہ سے رنگین کر دیا، ماضی کی شاندار حقیقی تاریخ پر پردہ ڈال کر شیخ چلّی کے سپنا کی طرح پیش کیا گیا۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب پاکستانی ؒ نے اس خدشہ کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے کہ: ۱۸۵۷ء کا جہاد آزادی مسلمانوں کی طرف سے ہندوستان کو مغربی تسلط سے نکالنے کی آخری کوشش تھی اور اس تحریک نے انگریز حکمرانوں پر کم از کم یہ بات ضرور واضح کر دی تھی کہ مسلمان ایسی قوم ہے جو کسی بھی حالت میں غلامی پر قانع نہیں ہو سکتی، چنانچہ اس مرحلہ پر انگریز نے اپنی پالیسی میں تبدیلی کی اور وہی انگریز جس نے لاکھوں مسلمانوں کا خون بہا کر سینکڑوں کو تختہ دار پر کھنچوا کر ہندوستان میں اپنے پنجے جمائے تھے اب ہندوستانی عوام کا خیر خواہ بن کر ان کے سامنے آیا۔ مقصد یہ تھا کہ جو قوم زور اور زبردستی سے قابو میں نہیں آسکتی اس کے ذہن کو رفتہ رفتہ ایسا ملا دیا جائے کہ وہ ایک علاحدہ قوم کی حیثیت سے اپنے وجود کو فراموش کر بیٹھے، وہ اپنی دینی روایات تہذیبی اقدار اور تابناک ماضی سے دھیرے دھیرے بے خبر ہوتی چلی جائے، یہاں تک کہ ایک عرصہ کے بعد اسے یہ یاد ہی نہ رہے کہ

ع وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

اس مقصد کے لئے سب سے زیادہ موثر حربہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے نظام تعلیم میں کچھ ایسی انقلابی تبدیلیاں لائی جائیں جن کے ذریعہ ان کے ذہنوں پر مغرب کی ہمہ جہتی بالادستی کا سکہ بٹھایا جا سکے اور وہ اس بالادستی سے مرعوب ہو کر ذہن سے سوچنے کے قابل ہی نہ رہ سکے۔ چنانچہ لارڈ میکالے نے ہندوستانی باشندوں کے لئے ایک نئے تعلیمی نظام کی سفارش کی اور اس غرض کے لئے ایک طویل یادداشت مرتب کی جس میں اسلامی اور مشرقی قوم کا پوری بے شرمی کے ساتھ مذاق اڑایا۔ مسلمان علماء پر بے بنیاد الزامات لگائے اور آخر میں صاف صاف لکھا کہ: ”ہمیں اس وقت بس ایک ایسا

Scanned by CamScanner

طبقہ پیدا کرنے کی سعی کرنی چاہئے جو ہمارے اور ان کروڑوں انسانوں کے مابین ترجمانی کے فرائض انجام دے سکے جن پر ہم اس وقت حکمران ہیں ایک ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو" مگر ذوق، طرز فکر، اخلاق اور فہم وفراست کے نقطہ نظر سے انگریز ہو" (مجالس مفتی اعظمؒ صفحہ ۵۵۴)

اسی طرح اس حقیقت کو مولانا محمد علی جوھر نے گول میز کانفرس لندن میں اراکین پارلیمنٹ سے خطاب کرتے ہوئے آشکارا کیا:

آپ کا جس طرح یہ گناہ ہے کہ آپ نے ہندوستان کو اس کے مردانہ اوصاف سے محروم کر دیا اسی طرح آپ کا یہ بھی گناہ ہے کہ آپ نے ہندوستان کی غلط تاریخیں اسکولوں میں پڑھوائیں جس کی بنا پر اسکولوں کے بچوں کے ذہن میں ہندوستان کی تاریخ کا ایک غلط تصور پیدا ہوا۔ (ماخوذ از ایک فکر انگیز تقریر)

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ نے بھی اپنے ایک پیغام میں اس خطرے کو یوں ظاہر کیا:

پرائمری کے مرحلہ سے لے کر کالجوں اور یونیورسٹیوں کے تعلیمی مرحلہ تک نصاب تعلیم بالخصوص تاریخ کے مضامین اور اس کے نصاب کی اصلاح جو ملک کے دو بڑے فرقوں (مسلمانوں اور غیر مسلموں) کے دل ودماغ میں منافرت کے بیج بونے کا ذمہ دار ہے، چونکہ تعلیم وتلقین کا یہ سلسلہ بچپن کے ابتدائی دور سے شروع ہو جاتا ہے اور کتاب میں پڑھی ہوئی باتوں کا یقین (بالخصوص جب انکو واقعات، قصوں اور کہانیوں سے مستحکم کیا جائے اور استاد بھی اس کے پرجوش مبلغ وداعی ہوں) طالب علموں کے دلوں میں پیوست ہو جاتا ہے اور ہر لکھی اور چھپی ہوئی بات کو ادب واحترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو ان کا ذہن ودماغ اسی میں ڈھل جاتا ہے اور ان کی پوری زندگی اسی کے سائے میں گزرتی ہے، یہی زہر ہے جو آج ہمارے پورے معاشرہ میں پھیلا ہوا ہے، اور کسی وقت وہ ہانڈی

Scanned by CamScanner

کالبادہ اور جذباتی اشتعال بن کر فرقہ وارانہ فسادات اور عملی تصادم کی شکل اختیار کر لیتا ہے جب تک اس نصاب تعلیم کی (جس کی داغ بیل انگریزوں نے اپنے سامراجی مقاصد اور "Divide And Rule" (پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کے اصول کے ماتحت ڈالی تھی) اصلاح نہیں ہوگی، اس امن و آشتی، باہمی اعتماد اور دونوں فرقوں کے درمیان خوش گوار تعلقات کی امید نہیں کی جا سکتی۔

(تغیر حیات)

ہر قوم اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ آج کے ہمارے یہ بچے کل کے قوم و ملت کے قائد و رہبر اور ہمارا روشن مستقبل ہوتے ہیں لیکن اسلام دشمن طاقتوں نے مغرب نواز حکومت سے تال میل کر کے اپنی شاطرانہ و عیارانہ منظم منصوبہ بندی کے تحت ایک ایسا زہریلا نصاب مدون و مرتب کر لیا جو عیسائیت کی وکالت و ترجمانی کرتا ہو۔

ترقی پذیر زمانہ میں اسکولوں کے ان نصابوں کو ہماری قوم مسلم نے دیکھا تو (فیلو ا انہ مذعنین) کی طرح ان کو دل و جان سے قبول کرنے لگے اپنے معصوم بچوں کو ان عیسائیت نواز اسکولوں میں داخل کرنے پر فخر کرنے لگے بچے تو بچے ہی ہوتے ہیں فان الصبیان الواح قلوبھم اشد قبولا لما نقش علیہا بچپن میں بچوں کے دلوں میں جو باتیں ڈالی جاتی ہیں پتھر کی لکیر بن جاتی ہیں۔

اب آنکھ کھلتے ہی ہمارے بچوں کے سامنے ایسی بگڑی ہوئی تاریخ، زہریلا مواد اور مسخ شدہ نصاب پہونچا تو ان کو پڑھ کر ہمارے بچے خود ہمارے اسلاف سے بدظن ہو گئے، ہمارے بڑوں سے کٹ کر غیروں کے غلام بن کر چند ظاہری کھلونوں میں مست ہو گئے حتی کہ ان غلط تحریروں اور تقریروں کو پڑھ کر عقائد کی بنیادوں میں زلزلے پیدا ہو گئے ہمارے بچے ہمارے ہی دشمن ہو گئے توحید مشکوک ہو کر رہ گئی اور عقیدۂ آخرت کو الوداع کر بیٹھے۔ العیاذ باللہ۔

جنگ آزادی ہند کے سلسلے میں ہماری تاریخ، ہمارے اسلاف کے کارنامے سے

داغ مضبوط و مستحکم تھے لیکن دشمنوں کی ترمیمات کی وجہ سے ہمارے بچے غیروں کے محتاج بن کر ان کے نصابوں کے غلام بن گئے۔

جب جب بھی یومِ جمہوریہ یا یومِ آزادی کا دن آتا ہے تو ہمارے بچے اس دن کی یاد میں تقریر اور لیکچر کرنے کے لئے ورق گردانی کرتے ہیں اور جنگِ آزادی ہند کا پس منظر پیش کرنا چاہتے ہیں لیکن افسوس کہ ہمارے دو چار مشہور مجاہدین پر ہی ان کا قلم بند اور زبان گونگی ہو جاتی ہے دوسری طرف سرِ فہرست بڑے بڑے القاب سے گاندھی، بوس نہرو و ٹیگور وغیرہ کے ناموں کو فخریہ پیش کیا جاتا ہے یہ طرز عمل اگر سرکاری محکموں، سرکاری اسکولوں میں ہوتا تو تعجب نہ تھا لیکن غضب تو یہ ہے کہ ہمارے اسلامی مدارس میں بھی اسی طرح طوطی کا بول بولا جاتا ہے، اور انہیں کے گیت گائے جاتے ہیں ہم اس باب میں سب سے بڑے مالدار ہو کر بھی فقیروں کی صفوں میں نظر آتے ہیں۔

تاریخ کا یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ جس کو سچ کا مقام دے دیا گیا اور ہمارے اسلاف کی حقیقی قربانیوں کو بالکل فراموش کر دیا گیا یہ طرز ہمارے مجاہدینِ آزادی پر سراسر ظلم اور بے انصافی ہے جس کو تاریخ کبھی معاف نہیں کریگی۔

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

اس لئے عالمِ اسلام خصوصاً ہندوستانی مسلمانوں کے مستقبل کو دیکھتے ہوئے اور دشمنوں کے ناپاک منصوبوں پر نظر کرتے ہوئے اس بات کی اشد ضرورت محسوس کی گئی کہ جنگِ آزادی ہند کی حقیقی سنہری تاریخ کو تفصیلی طور پر پیش کیا جائے مجاہدینِ آزادی کی گم نام شخصیتوں کو منظرِ عام پر لایا جائے اور تاریخ کے منتشر اوراق کو یکجا طور پر جمع کیا جائے۔

اس غرض سے جب میں ورق گردانی کرنے لگا تو دل پارہ پارہ ہو گیا کہ آزادیٔ وطن کے لئے سب کچھ قربان کرنے والوں کو اس طرح فراموش کر دیا گیا کہ ان کے کارنامے تو درکنار ان کے نام تک عنقی معلوم ہونے لگے جب یومِ جمہوریہ کی کسی

Scanned by CamScanner

تقریب میں گاندھی، نہرو اور پٹیل کے نام اور کام کو گنوایا جاتا اور حقیقی مجاہدین کے ناموں کو فراموش کردیا جاتا تو ایسے جلسوں سے بھاگ نکلنے کا جی کرتا۔

دوسری طرف ہمارے مدارس کے طلبہ میں علمی انحطاط کے ساتھ ساتھ مطالعہ کا قحط پڑا ہوا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے مجاہدینِ آزادی تو کیا ماضی قریب کے اسلاف واکابر اور ۱۹۴۷ء کے مجاہدین کے نام تک سے واقفیت نہیں ہے آج کے ہمارے ویشن اور فیشن میں پھنسیں طلباء کو مطوّلات کی طرف رجوع کرنے کا وقت کہاں ملتا؟

اس وجہ سے یہ طے کرلیا کہ اس بارے میں ضرور اب ایک مضبوط مواد مدوّن کیا جائے جو مبنی برحقائق ہو، جس سے ہمارے مدارس اور اسکولوں کے طلبہ واسٹوڈنس کے سامنے حقیقت کا انکشاف ہواور عموماً قوم مسلم بھی مستفید ہو۔

جب اس کام کو شروع کیا تو اللہ اکبر کیا دیکھتا ہوں کہ جشنِ آزادی میں جن کے ناموں کا ذکر کا نا بھی گوارہ نہ کیا جاتا تھا ان میں آسمانِ ہدایت کے بے شمار ماہ ونجوم چمکتے دمکتے نظر آنے لگے۔

جنگِ آزادی کے دریا میں لاکھوں لعل وگوہر کا خزانہ نکل پڑا اور گلستانِ ہند کی بہاروں میں لاتعداد رنگ بے رنگی پھل اور پھول مہکنے لگے۔

☆ ان مجاہدینِ آزادی کی فہرست میں وہ مردِ مجاہد بھی نظر آیا جنہوں نے سب سے پہلے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا جس کو لوگ شاہ عبد العزیزؒ سے یاد کرتے ہیں۔

☆ وہ ٹیپو سلطان بھی نظر آیا جس نے انگریز کے سامنے سر کٹنے کو سر جھکنے پر ترجیح دیتے ہوئے کہا تھا (سو سالہ گیڈر کی زندگی جینے سے ایک سال کی شیر کی زندگی بہتر ہے)

☆ ان میں وہ شیخ الہندؒ بھی دیکھائی دیے جن کے متعلّق انگریز جرنل نے کہا تھا کہ (اگر ان کو جلا بھی دیا جائے تو ان کے ذرّے ذرّے سے انگریزوں سے

دشمنی کی بو ٹپکے گی)

☆ ان میں وہ شیخ الاسلامؒ بھی سامنے آئے جنہوں نے کراچی کے مقدمۂ عام میں کفن بردوش توپوں کو بلبل اور گولیوں کو گل سے تشبیہ دیتے ہوئے کہا لئے

پھرتی ہے بلبل چونچ میں گل شہید ناز کی تربت کہاں ہے

کھلونا سمجھ کر نہ برباد کرنا کہ ہم بھی کسی کے بنائے ہوئے ہیں

☆ ان میں وہ حسرت موہانی بھی تھے جنہوں نے سب سے پہلے مکمل آزادی کا اعلان جمعیت کے اسٹیج سے کردیا تھا۔

☆ ان میں وہ مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ بھی ہیں جنہوں نے گاندھی جی کو (مہاتما) کا خطاب دلوایا۔

☆ ان میں وہ محمد علی جوہر بھی ہیں جنہوں نے انگریزی حکومت کے سامنے آزادی کا پروانہ مانگتے ہوئے کہا: ''مجھے آزادی دے دو ورنہ مجھے اپنی قبر کے لئے دو گز زمین دینی ہوگی میں ایسے غلام ملک میں واپس جانا پسند نہیں کرتا''

☆ ان میں وہ بہادر شاہ ظفر بھی تھے جنکے سامنے ان کے دو بیٹوں کے سر ناشتہ میں پیش کیا گیا۔

☆ ان مجاہدینِ آزادی میں وہ حفظ الرحمٰن سیوہاروی بھی ہے کہ جن کی زبان وقلم انگریزوں پر ایٹم بم سے بھاری تھی۔

☆ ان میں وہ ابوالکلام آزاد بھی تھے جن کی جامع مسجد دہلی کی مشہور تقریر نے سامعین کو مسحور کردیا اور انگریز کے جلتے ہوئے چولہے میں ایندھن بڑھا دیا۔

☆ اور ان میں مولانا محمود بارڈولی سورتی کا وہ تاریخی خطاب بھی تھا جس میں تحریک آزادی کے کچھ گمشدہ گوشوں کا انکشاف کیا گیا۔

الغرض شمعِ آزادی کے پروانوں کی ایک طویل فہرست اور داستاں ہیں جن کے مطالعہ کے لئے اہل علم کی ہمتیں بھی پست ہوگئی ہیں۔

Scanned by CamScanner

ان کے لئے آج کے اختصار پسند لوگوں کے پاس نہ اتنا وقت ہے نہ ہر ایک کے پاس اتنے مراجع میسّر ہیں اس لئے ان چیزوں سے استفادہ کو آسان کرنے کے لئے ماضی قریب اور ماضی بعید کے ان علماء واکابر کے خطبات اور تقاریر کو جمع کرنا شروع کردیا جو ہزاروں صفحات میں پھیلے پڑے تھے۔

الحمدللہ مختلف کتابوں اور رسائل کی مدد سے ۴۰؍ کے قریب مختلف تقاریر کا مجموعہ تیار ہوگیا۔

ان تقریروں میں محمد علی جوھر کی شعلہ بیانی بھی ہے تو علی میاں ندوی کی آزادیٔ ہند میں ادبی خدمات بھی۔

ان تقریروں میں مولانا عبداللہ مغیثی کا عظمتِ ہندوستان پر بصیرت افروز بیان بھی ہے تو حکیم الاسلام کی حکمت بھری آزادی کی کہانی بھی۔

ان میں مولانا سلمان صاحب ندوی کی آزادیٔ ہند حقیقت یا سراب کا لاجواب مضمون بھی ہے تو مولانا اسعد مدنی کا حقیقت پر مبنی خطاب بھی۔

الغرض ان مختلف تقریروں کو جمع کر کے امّت کے نونہال نئی نسل کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں اللہ پاک ان اکابر کی قبروں کو نور سے منور فرمائے جو دارِ فانی سے سفر کر چکے ہیں۔ اور جن علماء ومشائخ سے تا حال ہم استفادہ کر رہے ہیں ان کی عمروں میں اللہ تعالیٰ برکت نصیب فرمائے اور مزید خدمات کی توفیق عطاء فرمائے۔ میں صمیم قلب سے ان تمام حضرات کا ممنون ومشکور ہوں۔

اللہ پاک ان تمام کو اپنی شان کے مطابق دارین میں بہترین صلہ نصیب فرمائے آمین

فقط والسلام

العبد الضعیف

(مولانا) محمد ابراہیم بن محمد ادیا مانگرولی

خادم جامعہ ریاض الصالحین مانگرول ضلع جوناگڈھ گجرات

Scanned by CamScanner

عہد نامہ

- بھارت میرا وطن ہے۔
- تمام بھارتی میرے بھائی بہن ہیں۔
- میں اپنے وطن سے محبت کرتا ہوں، اور اس کے آباد و مختلف الانواع وراثت پہ مجھے فخر ہے۔
- میں ہمیشہ اس کے شایان شان بننے کی کوشش کروں گا۔
- میں اپنے والدین، اساتذہ اور بزرگوں کی تعظیم کروں گا اور ہر شخص کے ساتھ ادب سے پیش آؤں گا۔
- میں اپنے وطن اور اہل وطن کو میری عقیدت پیش کرتا ہوں کہ ان کی فلاح اور بہبود میں ہی میری خوشی ہے۔

Scanned by CamScanner

حب الوطنی کے سلسلے میں اکابرین کے

اقوالِ زرّیں

(۱)

اسی لئے میں نے آج سے بارہ سال پہلے "الہلال" کے ذریعہ مسلمانوں کو یاد دلایا تھا کہ آزادی کی راہ میں قربانی و جانفروشی ان کا قدیم اسلامی ورثہ ہے۔ ان کا اسلامی فرض یہ ہے کہ ہندوستان کی تمام تر جماعتوں کو اس راہ میں اپنے پیچھے چھوڑ دیں۔ میری صدائیں بیکار نہ گئیں، مسلمانوں نے اب آخری فیصلہ کرلیا ہے کہ : اپنے ہندو، سکھ، عسائی، پارسی بھائیوں کے ساتھ مل کر اپنے ملک کو غلامی سے نجات دلائیں گے۔

مسلسل بارہ سال سے اپنی قوم و ملک کی آزادی و حق طلبی کی تعلیم دے رہا ہوں۔ میری ۱۸ برس کی عمر تھی، جب میں نے اس راہ میں تقریر و تحریر شروع کی میں نے زندگی کا بہترین حصہ یعنی عہد شباب اسی مقصد کے عشق میں قربان کردیا۔ میں اس کی خاطر چار سال نظر بند رہا۔ مگر نظر بندی میں بھی میری ہر صبح و شام اس کی تعلیم و تبلیغ میں صرف ہوئی، "رانچی" کے در و دیوار اس کی شہادت دے سکتے ہیں، جہاں میں نے نظر بندی کا زمانہ بسر کیا (یہ تو میری زندگی کا دائمی مقصد ہے میں صرف اسی کام کے لئے جی سکتا ہوں)

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ

(۲)

مسلمان اگر آزادی کے لئے آسمان کے تارے بھی توڑ لائیں اور ان کے ایک

جانب چاندی سونے کا ڈھیر ہو اور دوسری جانب فوجوں کی قطاریں کھڑی ہو جائیں پھر بھی وہ کامیاب نہیں ہو سکتے، جب تک وہ خود اپنے اندر ایک مضبوط اور سچی تبدیلی نہ پیدا کریں گے۔ اور ان تمام گناہوں اور جرموں کے ارتکاب سے باز نہ آجائیں گے جن کی وجہ سے یہ تمام مصیبتیں ان کو گھیرے ہوئے ہیں۔ (ابوالکلام آزادؒ)

(۳)

یاد رکھئے کہ ہندوؤں کے لئے ملک کی آزادی کے لئے جد جہد کرنا داخل حب الوطنی ہے، مگر آپ کے لئے ایک فرض دینی اور داخل جہاد فی سبیل اللہ ہے آپ کو اللہ نے اپنی راہ میں مجاہد بنایا ہے اور جہاد کے معنی میں ہر وہ کوشش داخل ہے، جو حق اور صداقت اور انسانی بند استبداد و غلامی کے توڑنے کے لئے کی جائے، آج جو لوگ ملک کی فلاح اور آزادی کے لئے اپنی قوتوں کو صرف کرر ہے ہیں، یقین کیجئے کہ وہ بھی مجاہد ہیں اور ایک ایسے جہاد میں مصروف ہیں جس کے لئے دراصل سب سے پہلے آپ کو اٹھنا تھا۔ پس اٹھ کھڑے ہو کہ خدا تم کو اٹھانا چاہتا ہے، اور اس کی یہی مرضی ہے کہ مسلمان جہاں کہیں ہوں بیدار ہوں اور اپنے فراموش کردہ فرض جہاد کو زندہ کریں۔ ہندوستان میں تم نے کچھ نہیں کیا، حالانکہ اب تمہارا خدا چاہتا ہے کہ یہاں بھی وہ سب کچھ کرو جو تم کو ہر جگہ کرنا ہے۔ (ابوالکلام آزادؒ)

(۴)

ہندو راشٹر وادی ہندوستان کو ہندو دیش کہتے ہیں، تو تاریخ کے ایک ادنی طالب علم کے ناطے میں ان سے پوچھتا ہوں کہ ہندوستان ہندو راشٹر کب اور کیسے تھا؟

ہندو تو مرنے کے بعد اپنے عقیدہ کے مطابق جلا دیئے جاتے ہیں اور ان کی راکھ مقدس گنگا اور جمنا میں بہا دی جاتی ہے جو سمندر میں پہنچا دیتی ہے۔

اب کہاں رہ گئے ہندو؟ لیکن مسلمان کے یہاں دفن کا طریقہ ہے اور اس لئے وہ موت کے بعد بھی اسی ملک میں رہتے ہیں۔ (گویہ مادر وطن یہ کہتی ہے آمیرے سپوت

میری گود میں سو جا)

مسٹر راجندر سچر (از تعمیر حیات)

Chief justice Delhi High court

(۵)

جہاں تک خدا تعالیٰ کے احکامات کا تعلق ہے:

میں اول مسلمان ہوں ● بعد میں مسلمان ہوں

آخر میں مسلمان ہوں ● اور کچھ نہیں صرف مسلمان ہوں

لیکن جہاں ہندوستان کا مسئلہ آتا ہے جب اسکی آزادی کا سوال آتا ہے جب اس کی فلاح و بہبود کی بحث آئے گی تو میں:

پہلے ہندوستانی ہوں ● بعد میں ہندوستانی ہوں

آخر میں ہندوستانی ہوں ● اور کچھ نہیں صرف ہندوستانی ہوں

مولانا محمد علی جوہرؒ

(ماخوذ از ایک فکر انگیز تقریر)

(۶)

میں دنیا کے کسی بھی گوشہ میں جاتا ہوں مجھے قلبی سکون میسر نہیں ہوتا اور جب اپنے ملک بھارت لوٹتا ہوں تو لمبے لمبے سانس لیتا ہوں، یہاں کی خوشبو سونگھتا ہوں اس لئے کے یہاں ہر مذہب کے رنگ بے رنگی انسانوں کا گلدستہ بستا ہے، میری ایک آنکھ اگر اسلام ہے تو میری دوسری آنکھ ہندوستان ہے۔ (مولانا محمود اسعد مدنی)

(۷)

ہم صاف اعلان کرتے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ بھی اعلان کرے کہ ہم ایسے جانوروں کی زندگی گذارنے پر ہرگز راضی نہیں جن کو صرف راتب اور تحفظ (Security) چاہئے کہ ان کو کوئی مارے نہیں ہم ہزار بار ایسی زندگی گزارنے اور

ایسی حیثیت قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں ہم اس سرزمین پر اپنی اذانوں اور نمازوں کے ساتھ رہیں گے بلکہ ہم تراویح، اشراق وتہجد تک چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہونگے ہم ایک ایک سنت کو سینہ سے لگا کر رہیں گے ہم رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو سامنے رکھ کر کسی ایک نقش بلکہ کسی نقطہ سے بھی دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔

مسئلہ ایک مدرسہ یا کسی جامعہ کا نہیں نہ کسی مکتب خیال نہ کچھ منصوبوں اور عمارتوں کی تکمیل کا ہے مسئلہ علوم ایمانی کے باقی رکھنے اور اسلامی شخصیت کے تحفظ کا ہے آپ دوسروں کے پیچھے چلنے کے لئے ہرگز نہیں پیدا کئے گئے اور نہ خدا نے آپ کو اس ملک میں اس لئے بھیجا ہے کہ آپ دوسروں کے غاشیہ بردار ہوں اور آپ لوگوں کے چشم وابروں کو پہچاننے کی کوشش کرے کہ ملک کس رخ پر جارہا ہے ہم کسی قومی دھارے سے واقف نہیں ہم تو صرف اسلامیت کے دھارے کو جانتے ہیں ہم تو دنیا کی قیادت و امانت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

آج ملک خودکشی کے لئے قسم کھا چکا ہے وہ آگ کے خندق میں گرنے کے لئے تیار ہے وہ بداخلاقی اور انسانیت کشی کے دلدل میں ڈوب رہا ہے آپ ہی ہیں، جو ہندوستان کیا پورے ایشیا میں کسی ملک کو بچا سکتے ہیں، آپ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات کہیئے آپ کو کوئی ضرورت نہیں کہ آپ نیلام کی منڈی میں اتر آئے اور اپنا سودا کرانے لگے کہ بولی بولی جائے آپ متاع نایاب ہے اللہ کے سوا آپ کی خریداری کا کوئی حوصلہ نہیں کرسکتا، اس لئے میں ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں (کاش میں آپ کے دلوں اور دماغوں پر بھی چوٹ لگا سکتا) کہ اس ملک کو تنہا آپ بچا سکتے ہیں، اس لئے کہ آپ کے پاس عقیدۂ توحید، اور انسانی مساوات کا اصول ہے، آپ کے پاس اجتماعی عدل کا مکمل نظام موجود ہے، آپ ہی ہیں جو ہر چیز سے بالاتر ہیں، آپ ہی ہیں، جن کے پاس ایمان بالآخرۃ ہے اور جو ﴿العاقبة للمتقين﴾ پر یقین رکھتے ہیں، آپ ان لوگوں میں سے نہیں جن کی نظر طاقت اور قوت پر رہا کرتی ہے، اور جن کی نگاہ میں

Scanned by CamScanner

منال ومتاع اور اکثریت ہی سب کچھ ہے، اور نہ آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے، جو انتخابات میں کامیابی اور پارلیمنٹ تک پہنچ جانے کو سب سے بڑی معراج سمجھتے ہیں۔

(کاروان زندگی ۳۰۸/۲) مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

(۸)

ہماری یہ بھی ذمہ داری ہے کہ ہم اس ملک کو بچائیں، ہمارے ہوتے ہوئے یہ ملک ڈوبے نہیں، ہم اگر کسی کشتی پر سوار ہیں تو اس کشتی کو نہیں ڈوبنا چاہئے، یہ ہماری اور آپ سب کی ذمہ داری ہے اور قیامت میں ہم سے اس کا سوال ہوگا۔

حضرات! آخر میں میں صفائی سے کہتا ہوں کہ ملک سو گیا ہے، مرا نہیں ہے، سویا ہوا شخص سو بار جگایا جاسکتا ہے، مرا ہوا ایک بار بھی زندہ نہیں کیا جاسکتا دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ ممالک معاشرے تہذیبیں اور ماحول ہزاروں بار سوئے ہزاروں بار جاگے، سونا عیب نہیں، سونا زندگی کی ضرورت اور علامت ہے لیکن سونے کی ایک حد ہوتی ہے۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

(۹)

ہمارے اس ملک کو اس بات کا فخر ہے کہ یہاں وہ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے باہر کی دنیا کو بھی امن ومحبت کا پیغام دیا اس ملک کے خمیر میں محبت ہے، پریم ہے آپ اس ملک کی تاریخ پڑھتے ہیں اس ملک کی تاریخ خالی مہابھارت نہیں ہے، رامائن نہیں ہے، اس ملک کی تاریخ میں محبت کی وہ داستانیں آپس کے بھائی چارہ اور ایثار وقربانی کا جذبہ چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

(۱۰)

ہمارا دین اسلام، ہمارا وطن ہندوستان

ملک (ہندوستان) کے باشندے کی حیثیت سے ہمیں یہاں آزادی اور عزت

Scanned by CamScanner

کے ساتھ رہنے کا پورا حق ہے، یہ اس ملک کی جمہوریت اور دستور و آئین کا بھی فیصلہ ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم اپنی خصوصیات، قانون شریعت، احکام دین، اپنے عقائد و شعائر، اپنی زبان و تہذیب اور اپنی ان چیزوں کو چھوڑ کر جو ہم کو عزیز ہیں، اس ملک میں رہیں، اس طرح رہنے سے یہ وطن نہیں بلکہ ایک جیل خانہ اور قفس بن جاتا ہے، جس میں گویا پوری قوم کو زندگی کی عزتوں اور لذتوں سے محروم رکھ کر سزا دی جاتی ہے، ہمارا خمیر ضرور اس ملک سے تیار ہوا ہے اور یہ خاک ہم کو بہت عزیز ہے، لیکن ہماری تہذیب ابراہیمی ہے اور مسلمان جس ملک میں رہے گا اس کی وطنیت خواہ کچھ ہو اس کی تہذیب ابراہیمی ہوگی، ہم یہاں زندہ اور باعزت انسانوں کی طرح رہنا چاہتے ہیں، ہم اس ملک میں آزاد ہیں، اس کی تعمیر و ترقی اور دستور سازی میں شریک ہیں، اس لئے اس کا کوئی سوال نہیں کہ ہم دوسرے درجہ کے شہریوں کی طرح زندگی بسر کریں، اپنے ملک میں آزادی کے ساتھ زندگی گزارنا ہر شخص کا فطری، انسانی، اخلاقی اور قانونی حق ہے اور اس حق کو جب بھی چھیننے کی کوشش کی گئی تو اس کے ہمیشہ سنگین نتائج نکلے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

جمہوریت کا مفہوم

یوم جمہوریہ (۲۶/جنوری)

خطیب: مفتی جمیل احمد نذیری صاحب

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ، اَمَّا بَعْدُ!

دھڑک رہا ہے میرے دل میں کائنات کا دل
اس اک چراغ سے روشن ہیں بیشمار چراغ

بزرگو اور دوستو!

آج یوم جمہوریہ ہے، جمہوریت کا جشن سارے ملک میں منایا جارہا ہے لطف یہ ہے کہ لوگ جمہوریت کا مطلب سمجھیں اور پھر جشنِ جمہوریت منائیں، یہ بات مان لی گئی ہے کہ سیاسی نظام کی بہترین شکل جمہوریت ہی ہوسکتی ہے کیونکہ جمہوریت اس نظام کا نام ہے جو عوام کی مرضی سے عوام کے ذریعہ، عوام کے فائدے کے لئے تشکیل پائے اور جو جمہوریت کی خواہشات کی نمائندہ ہو، ہم جب کبھی جمہوریت کا تصور کرتے ہیں تو اس سے ایک خاص مفہوم دماغ میں پیدا ہوتا ہے اور ہم اجمالی طور پر یقین کر لیتے ہیں کہ یہ نظام دنیا کے تمام نظاموں پر فائق ہے لیکن جہاں تک جمہوریت کے عملی مظاہرہ کا تعلق ہے اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ اس کا مفہوم دنیا کے چند دوسرے نظاموں کی نفی سے پیدا ہوتا ہے اور نفی کے اس مجموعہ کا نام ہم نے جمہوریت یا ڈیماکریسی (Democrasy) رکھ لیا ہے، جمہوریت کا تصور آتے ہی آپ کس چیز کا

اثبات اور کس چیز کی نفی کرتے ہیں؟ لفظ جمہوریت سے اثباتی مفہوم بہت معمولی سا پیدا ہوتا ہے اور جو طاقتور مفہوم پیدا ہوگا وہ اصل کے اعتبار سے منفی ہوگا۔

مثلاً جب آپ جمہوریت کا لفظ بولیں گے تو یہ خیال آئے گا کہ یہ نظام ڈکٹیٹر شپ نہیں ہے، فسطائی نہیں ہے، فیوڈل ازم (نظام جاگیرداری) نہیں ہے، کلیت پسند نہیں ہے، ان حقائق کی نفی کے بعد جو مفہوم پیدا ہوگا وہ ایک ایسے خیال کو تشکیل دے گا جسے اگر کسی لفظ سے ظاہر کیا جائے تو وہ جمہوریت ہی ہوسکتا ہے، سوال یہ ہے کہ لوگ نظامِ جمہوریت کو کیوں پسند کرتے ہیں؟ اس لئے کہ یہ لفظ زندگی کی ان شرائط کا حامل سمجھا جاتا ہے جو انسان کی اجتماعی خوشحالی کی ضمانت دیتے ہیں، اگر ایک شخص کہتا ہے کہ فلاں ملک کے نظام حکومت میں سب لوگ خوش ہیں، ظاہر ہے کہ وہ لوگ اسی وقت خوش ہوں گے جب انہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی، ان کی ضروریات پوری ہوں گی، ان کے حقوق کا اتلاف نہ ہوگا، انہیں ترقی کے تمام وسائل مہیا ہوں گے، انہیں ایک دوسرے سے کوئی گلہ نہ ہوگا، اب خوشحالی کے ان مختلف پہلوؤں کو ظاہر کرنے کے لئے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ وہاں جمہوری نظام ہے کیونکہ لفظ ''جمہوریت'' ان تمام اوصاف کا جامع ہے جنہیں ہم مختلف الفاظ اور فقروں اور جملوں میں ادا کرتے ہیں، اس بات سے معلوم ہوا کہ لفظ جمہوریت مقصود بالذات نہیں، بلکہ اس کا وہ مفہوم مقصود ہے جو خوشحالی کے مختلف اوصاف پر پھیلا ہوا ہے۔

انسانی فطرت کے قریب وہ نظام ہے جو اس کے فطری تقاضوں کا کھلا کھلا جواب دے، یہ فطری تقاضے، انصاف، مساوات، امن اور خوشحالی پر مشتمل ہیں اگر ہم چاہیں تو تمام تقاضوں کو ایک لفظ ''خوشحالی'' میں سمو سکتے ہیں کیونکہ انصاف مساوات اور امن کے بغیر خوشحالی کا حصول ناممکن ہے، خوشحالی ہی ایک ایسا سرچشمہ ہے جس سے تمام دوسری سوتیں اُبلتی ہیں، خوشحالی اصل ہے اور دوسرے اوصاف اس کے معاون ہیں۔

بلاشبہ ہندوستان میں جمہوری نظام کا تجربہ ہو رہا ہے لیکن خوشحالی کا دور دور نشان

نہیں، جمہوریت پر ایک طویل عرصہ گزرنے کے بعد بھی نہ غریبی اور پس ماندگی دور ہوئی ہے نہ قومی یک جہتی کو فروغ ہوا ہے۔

یہاں جارحانہ نیشلزم بھی ہے، صوبائیت بھی ہے، قبائلیت بھی ہے، نسل پرستی بھی ہے، ذات پات بھی ہے، فرقہ پرستی کی لعنت بھی اور ساتھ ہی غربت و جہالت بھی، یعنی جمہوریت تو ہے مگر خوشحالی کے بغیر، خوشحالی کب آئے گی؟ خوشحالی آئے گی یا کبھی نہ آئے گی؟ یہ الگ موضوع ہے تاہم کوشش ہونی چاہئے کہ یہاں صحیح معنوں میں جمہوریت قائم ہو اور خوشحالی کا ستارۂ صبح تابناکی کے ساتھ طلوع ہو۔

جمہوری نظام میں امیر، غریب، چھوٹے، بڑے کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا یہاں سب کے حقوق یکساں سب کے اختیارات برابر اور سب کی ذمہ داریاں ایک جیسی ہوتی ہیں، سب کو اپنے مذہب پر چلنے کی مکمل آزادی ہوتی ہے، تحریر و تقریر کی آزادی، حصولِ تعلیم کی سہولیات، شعبۂ زندگی میں سب کے ساتھ یکساں سلوک اور برتاؤ ہوتا ہے، سب کو ترقی کے مواقع ملتے ہیں۔

یہی سب جمہوریت کے اعلیٰ مقاصد ہیں، اگر ہم ان مقاصد کے حصول میں کوتاہی کریں گے تو ہماری ساکھ گر جائے گی اور دنیا سے ہمیں بجا طور پر یہ طعنہ سننا پڑے گا کہ ہم جمہوریت کی حفاظت نہ کر سکے۔

اس لئے ہندوستان کے ہر شخص کا فرض ہو جاتا ہے کہ ہمارے بڑوں نے ہمیں جس قیمتی ورثہ سے مالا مال کیا ہے اور جو جمہوری نظام ہماری امانت میں دیا ہے اس کی قدر کریں، اس کی حفاظت اور اس کے فروغ کے لئے برابر کوشاں رہیں تاکہ آنے والی نسلوں سے کم از کم یہ تو کہہ سکیں۔

مانا کہ اِس زمیں کو نہ گلزار کر سکے
کچھ خار کم تو کر گئے گزرے جدھر سے

وما علینا الا البلاغ

۲۶ رجنوری

خطیب: مولانا سید ازہر شاہ قیصر

ماہ و سال کی گردشیں ہی انقلاب زمانہ کا نام ہے، دن ہفتوں میں، ہفتے مہینوں میں، مہینے سالوں اور سال صدیوں اور قرنوں میں بدلتے اور ایک زندگی اور ایک تمدن کو بالکل ختم کر کے دوسری دنیا، دوسری تہذیب اور دوسرا عالم پیدا کرتے ہیں، ماہ و سال کی گردش قوم اور فرد کے مزاج کو بھی بدلتی ہے ان کے اوصاف میں بھی تغیر پیدا کرتی ہے، جو قومیں کل اپنی بہادری اور شجاعت میں مشہور تھیں آج بزدلی اور دوں ہمتی کا شکار ہیں، جو افراد کل گمنام تھے آج ان کی زندگی بام عروج پر ہے، جن زمینوں پر کوڑے کرکٹ کے غلیظ انبار لگے ہوئے تھے آج وہاں بڑی بڑی عمارتیں آسمان سے در ملائے کھڑی ہیں، انقلابِ زمانہ اگر اسی حقیقت کا نام ہے کہ وہ انسان کے ظاہر و باطن کو بدلتی ہے، کبھی اسے زندگی کی بلندیوں اور اونچائیوں تک لیجاتی ہے تو کبھی وہ اسے قعر مذلت میں دھکیل کر اور ایک قہقہہ لگا کر آگے بڑھ جاتی ہے تو مجھے بتایا جائے کہ ۲۶ رجنوری ۴۷ء کو جن حالات میں ہم نے آزادی کا خیر مقدم کیا تھا کیا آج اس دن کے حالات کو بدلنا نہیں چاہئے تھا، ۴۷ء میں ہم نو آموز تھے ابھی ابھی قفس سے چھوٹنے کی وجہ سے ہمارے بال و پر کمزور اور قوت پرواز برائے نام تھی، ہندو مسلمانوں میں کچھ غلط فہمیاں تھیں، ان غلط فہمیوں نے دونوں کے تعلقات و معاملات میں دراڑیں ڈالدی تھیں، ادھر پاکستان میں قتل و غارت گری کا ہنگامہ تھا، ادھر ہندوستان کی فضائیں دلدوز چیخوں، آہوں، سسکیوں سے لبریز تھیں، لیکن کیا آج ۶۰ رسال گذر جانے پر بھی ہم زندگی کے

Scanned by CamScanner

تقاضوں کو نہیں سمجھے؟ ہم نے ۱۲؍کروڑ افراد کی عددی طاقت رکھنے والی قوم کی ضروریات اور طبعی حقوق کا اندازہ نہیں کیا، انصاف اور امن کے لئے ہمارے دل نہیں کھلے، خام سیاست اور لاحاصل نظریات کے فریب نے ہمارا ساتھ نہیں چھوڑا، ہمیں اپنے ملک، اس کی شاداب وحسین فضاؤں، اس کی سونا اگلنے والی زمین، مینھ برسانے والے آسمان، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں دینے والے درختوں اور جنگلوں، سرد وشیریں پانی سے لبریز دریاؤں اور اونچے اونچے پہاڑوں کی قیمت معلوم نہیں ہوئی۔

بچہ بے عقل ہوتا ہے، لڑکپن میں اس کے ہاتھ پاؤں کھلتے ہیں، جوانی میں اس کا علم وعقل پختہ ہوتا اور بڑھاپے میں تجربات کے لعل وجواہر سے اس کے جیب وداماں بھرے ہوتے ہیں، تو کیا سنہ ۴۷ء کا ہندوستان آج بھی بچہ، نادان، کم عقل ہے؟ اب کون سی منزل ہوگی جہاں ہمارے ملک کو عقل آئے گی، کون سا وقت ہوگا جب ہمارا شعور جاگے گا اور کون سی گھڑی ہوگی جب انسان انسان کو پہنچانے گا، آدمی کو احترامِ آدمیت کی تمیز ملے گی، جب ہندو مسلمان کو اور مسلمان ہندو کو آدمی سمجھے گا، خدا کی مخلوق سمجھے گا اور اس کی انسانی ضروریات کے راستے میں روڑے نہیں اٹکائے گا، کہنے والے بہت کچھ کہہ چکے آواز دینے والوں نے آوازیں دیتے دیتے اپنے گلے زخمی کر لئے اب تو سننے اور عمل کرنے کا وقت ہے اور وہ وقت نہ آنے دو جب عمل کرنے کا وقت گذر جائے گا اور بے عملی کی سزائیں شامتِ اعمال بن کر تمہاری سطوت وشوکت کو پامال اور سرخمیدہ بنادیں گی۔

۲۶؍جنوری کی تقریبات کو نہ بھولو کہ جس محنت ومشقت کے ساتھ ہم نے آزادی حاصل کی تھی، آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے ہمیں اس سے بہت زائد محنت وجان کاہی کی ضرورت ہے۔

۱۵راگست

خطیب: مولانا سید ازہر شاہ قیصر

آج ہمارے ملک کی آزادی کی بیسویں سالگرہ ہے، ہندوستانیوں میں سے بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو اسے نہ جانتے ہوں کہ ہم نے مسلسل ایک سو سال کی شدید محنت، جان وتن کی قربانیوں اور مال و دولت کے بے دریغ صرف کے بعد آزادی حاصل کی، ہماری قومی جدوجہد کا یہ قافلہ دار ورسن، قید و بند اور جان فروشی وجانبازی کے ہر مرحلہ سے گذرا۔

اس میں شیخ الہندؒ کی وہ تحریک بھی تھی جو پورے عالم اسلام میں پھیلی ہوئی تھی اور جو ہندوستان کی آزادی کے لئے مسلمانوں کی بے مثال قربانیوں کا نمونہ پیش کرتی ہے، اس میں قصہ خوانی، بازار پشاور اور جلیانوالہ باغ امرتسر کے خونچکاں معرکے بھی تھے اور اشفاق اللہ خاں، رام پرشاد بسمل، بھگت سنگھ اور راج گرد کی زندگیوں اور جوانیوں کی بھینٹ بھی تھی، اس میں محمد علی اور شوکت علی کے فلک پیما نعرے بھی تھے اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حفظ الرحمٰن اور مسٹر آصف علی کی صاعقہ باز تقریریں بھی۔

اس میں سبھاش چندر بوس کی آزاد ہند فوج کی امپھال کی پہاڑیوں تک یلغار بھی تھی اور گاندھی جی کی ستیہ گرہ مرن برت، ہندو مسلم اتحاد اور سوشل اصلاح وترقی کی تحریکات بھی، اس میں دیوبند کی بے لوث حریت پسندی بھی تھی اور علی گڑھ کے جوان کی گردش بھی۔

تاریخ کے اس بہاؤ میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی بھی تھے اور پنڈت مدن موہن

مالویہ بھی، ایک طرف فرقہ واریت کا مجسم نقطۂ نظر ویرساورکر بھی تھا اور دوسری طرف آزاد ہندوستان کے معمار مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، رفیع احمد قدوائی، ڈاکٹر کچلو، ڈاکٹر محمود، تصدق احمد، احمد خاں شیروانی، مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید بھی۔

اسی جدوجہد آزادی میں ہم پر ایک وقت ایسا آیا کہ ملک کے گوشہ گوشہ میں ہندو مسلمان شانہ بشانہ مصروف عمل تھے، ہندوؤں کی زبان پر اللہ اکبر کا نعرہ تھا اور مسلمان وندے ماترم کی جے پکارتے تھے، سیاسی اسٹیج سے لے کر گھروں تک میں ہندو مسلم اتحاد کا سماں بندھا ہوا تھا، پھر وہ وقت بھی ہم نے دیکھا کہ ہندو مسلمان دو کیمپوں میں تقسیم ہو گئے اور دونوں ایک دوسرے کے مقابل آ گئے۔

میں وقتی حالات کے سامنے سر اطاعت خم نہ کرنے اور ہندوستان کی ۵۰ ر سال کی زندگی کے ایک غیر جانبدار مشاہد کی حیثیت سے صفائی کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ اس ہندو مسلم منافرت کی ابتدا اور تخم ریزی برادرانِ وطن کی تنگ دلی نے کی اور انہی کی تنگ دلی آج تک فرقہ واریت کے اسی اژدہے کو پال رہی ہے۔

مسلمانوں پر فرقہ واریت کا الزام غلط ہے اکثریت نے کبھی اقلیت کے جان و مال اور عزت و آبرو کی کوئی قیمت نہیں سمجھی اور اسی نتیجہ میں ایک ملک کے دو، پھر دو ملکوں کے تین بنے اور خبر نہیں کیا کچھ ہوا، کیا کچھ ہو رہا ہے اور آئندہ کیا کچھ ہوگا ؟

یہ تو ہماری جدوجہد آزادی کے چند نقوش وخطوط ہیں اصل میں پندرہ اگست کی قومی تقریب پر ہمیں پچھلے ۶۰ ر برس کا ایک بہت مختصر سا جائزہ لینا ہے کہ اس عرصہ میں ملّی نقطۂ نظر سے ہم نے کیا کھویا کیا پایا۔

مجھے یقین ہے کہ ایک باخبر انسان اگر ذہن وقلم کو مذہبی اور قومی تعصب سے پاک کر کے ہماری ۶۰ ر سالہ زندگی کے متعلق اپنی یادداشت تازہ کرے گا تو وہ سوچے گا کہ مسلمانوں نے اس مدت میں اپنی شاندار یونیورسٹی عثمانیہ، یونیورسٹی حیدرآباد کو کھویا، دار الترجمہ حیدرآباد کا لاکھوں روپے کا علمی سرمایہ جس میں مختلف فنون پر مختلف زبانوں کے

قیمتی تراجم اور وضع اصطلاحات کا ذخیرہ تھا، اسے کوڑیوں کے مول بکتے دیکھا، آج علم و فن کا یہ سارا ذخیرہ زمین کی گہرائیوں میں دفن ہو چکا ہے۔

مسلم پرسنل لاء کی گاڑی کے دونوں پہیئے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں، حکومت کی نیت مسلم پرسنل لاء کے حق میں بخیر نہیں، وہ اس پردہ میں کہ "جب تک مسلمان ہی اس میں تبدیلی کا مطالبہ نہیں کریں گے حکومت اس میں ردو بدل کے لئے قدم نہیں اُٹھائے گی" ان عناصر کو تقویت پہونچانا چاہتی ہے جو تبدیلی کے حامی ہیں۔

مسلم یونیورسٹی علی گڈھ ختم ہو چکی ہے اس کے تاریخی اور قومی کردار کے ہاتھ پاؤں توڑ دیئے گئے ہیں، وہاں ایک چپراسی سے لے کر وائس چانسلر تک حکومت کا براہ راست ملازم ہے، طلبہ پر خوف و ہراس طاری ہے، ہر طالب علم حیران و سراسیمہ ہے، یونیورسٹی بند کر کے طلبہ کی تعلیم کا ایک قیمتی سال ضائع کر دیا گیا ہے۔

پولیس، فوج، عدالت، بینک، ریلوے، ٹرانسپورٹ، ڈاکخانہ تمام سرکاری محکمہ جات اور لوکل باڈیز میں مسلمانوں پر ملازمتوں کے دروازے بند ہیں، جن صوبوں میں ان کا تناسب آبادی دس بارہ فیصد تک ہے وہاں بھی ایک ہزار سرکاری ملازمین میں ایک بھی مسلمان نہیں۔

مسلمانوں پر عمومی طور پر بے روزگاری مسلط ہے، ان پر تعلیم کے دروازے بند ہیں، اعلیٰ تعلیم تک ان کی رسائی نہیں اگر کچھ مسلمان نوجوان پڑھ لیتے ہیں تو انہیں ملازمت نہیں ملتی، ہر جگہ مسلمانوں کے کاروبار چوپٹ ہیں، ہمیشہ سے برادرانِ وطن نے مسلمانوں کا تہذیبی اور سماجی مقاطعہ کیا ہے اور اب بھی کرتے ہیں، ہم اکثریتی طبقہ سے تعلق رکھنے والے ایک دوکاندار سے ہزاروں کا مال خریدتے ہیں لیکن کسی مسلمان دوکاندار کے یہاں آپ کسی غیر مسلم گاہک کی آواز بھی نہیں سن سکتے، مسلمان دوکانداروں کے سامنے سے اکثریت کا کوئی فرد گذرتا بھی نہیں۔

ایک شگفتہ، سلیس، ترقی پسند زبان (اردو) کا کریا کرم بھی کر دیا گیا ہے، ہر دفتر سے

اسے دیش نکالا ملا ہوا ہے، اگر کسی دفتر میں آپ اردو میں درخواست دیں گے تو وہ درخواست بڑی نفرت کے ساتھ ردّی کی ٹوکری میں پھینک دی جائے گی، اردو کہیں نہیں نہ سرکاری دفتر میں نہ اسکول اور کالج میں نہ ریلوے اسٹیشن اور ہوائی اڈہ پر۔

اردو کے سیکڑوں ادیب آج نیم فاقہ کشی کی زندگی گذار رہے ہیں، تقسیم سے پہلے جن اردو اہلِ قلم کی تحریروں نے پورے ملک میں آگ لگادی تھی آج مالی مشکلات سے ان کی کمر جھکی ہوئی، آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی ہیں، اور وہ ٹھہر ٹھہر کر سنبھل سنبھل کر بازاروں اور گلی کوچوں میں پھرتے ہیں، سوچتے ہیں کہ ہم نے ساری عمر اردو میں قلم گھسا اب اس خدمت کی بدولت دو روٹیوں کے محتاج ہیں، اگر موچی بنکر جوتے گانٹھنے کا کام کر لیتے تو روٹی تو مل جاتی، حکومت کے خزانہ شاہی سے ۳۵ ر ہزار افراد کو چار چار سو اور پانچ پانچ سو روپے ماہانہ کی پنشن مل سکتی ہے مگر تیس اور چالیس برس تک اردو کے ذریعہ ملک کی اور فکروفن کی خدمت انجام دینے کا صلہ بے روزگاری، نیم فاقہ کشی، قرض، اُدھار، پھٹے ہوئے کپڑے اور گھسے گھسائے جوتے ہی ہو سکتے ہیں۔

غرض کہ ۶۰ ر سال میں ہم نے یہ سب کچھ کھویا، اور اگر آپ پوچھیں گے کہ ہم نے اس عرصہ میں کیا پایا، تو قریبی انعامات میں سے صرف دو چیزوں کا حوالہ دے سکوں گا، ایک راجیہ سبھا کی ایک سیٹ اور دوسرے سینٹر میں دو ڈھائی مسلمان وزیر۔

۲۶؍جنوری، یومِ جمہوریہ

خطیب: مولانا محمد کاظم ندوی صاحب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّابَعْدُ!

معزز حاضرین اور سامعین کرام!

آج کی گفتگو کا موضوع ہے "۲۶؍جنوری، یوم جمہوریہ" اس عنوان کے تحت کچھ مفید اور کارآمد باتیں عرض کرنے کے لئے آپ حضرات کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، امید کہ آپ حضرات میری باتیں غور سے سنیں گے، اور علم و ادب کے اس ادنیٰ خوشہ چیں کی بھرپور ہمت افزائی کریں گے۔

حضرات! ۱۵؍اگست سنہ ۱۹۴۷ء سے قبل تک ہمارا ملک ہندوستان تقریباً ایک سو سال تک انگریزوں کے قبضہ میں رہا، یہی فرنگی اس ملک کے سیاہ و سفید کے مالک و حاکم تھے، ہر چیز پر ان کی ملکیت اور ان کی حکومت تھی، ان کے دسترس سے کوئی چیز باہر نہ تھی، ہر طرف ان کی عظمت و سطوت، رعب و دبدبہ اور ہیبت و شوکت کا طوطی بول رہا تھا، ہندوستان کے باشندے اپنی گردن میں غلامی کا طوق ڈالے ذلت و نکبت کی زندگی بسر کر رہے تھے، اور ان فرنگیوں کی جانب سے ہونے والے مظالم سے دوچار تھے، مگر بقول کسے "ہر عروج را زوالے" ایک وقت وہ بھی آیا جس میں ہندوستان کے باشندوں کے کچھ افراد میں آزادی کا شعور پیدا ہوا، اور جذبۂ حریّت بیدار ہوا، اور ان کے ضمیر نے اُن کو جھنجھوڑا کہ تم کب تک غلامی اور ماتحتی کی زندگی بسر کرو گے، ان فرنگیوں کی زیادتیوں

اور ان کے مظالم کو کب تک برداشت کرتے رہو گے، اُٹھو، اور اُٹھ کر ہندوستان کی آزادی کی خاطر آواز بلند کرو، تحریکیں چلاؤ، اور ان فرنگیوں سے اس مسئلہ پر بات چیت کرو، کہ ہمارے ملک کو آزاد کرو، ہمیں آزادی کا پروانہ دو، یہ ہمارا عظیم ملک ہے، ہم ہی دراصل اس کے مالک تھے، اور آج بھی ہیں، تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ برطانیہ سے اتنی دور دوسروں کے ملک پر حکومت کرو، صاحب حق کو اس کا حق واپس کرو، جبراً دوسروں کے ملک پر حکومت کرنا اور وہاں کے باشندوں کو ستانا اور پریشان کرنا ظلم ہے، تم ہمارے ملک کو آزاد کر کے اپنے ملک واپس جاؤ، ہم خود یہاں حکومت کریں گے، اور یہاں کے سیاہ وسفید پر ہم اپنی پالیسی کے مطابق احکام نافذ کریں گے، ہم خود آزاد ہند کی آزاد فضا میں سانسیں لے کر زندگی کے ایام بتائیں گے، ہم خود اپنے ملک کی پاسبانی اور حفاظت کی خاطر نئے قوانین بنائیں گے اور ان قوانین کی روشنی میں اپنی حکومت کی گاڑی کو آگے بڑھائیں گے، ہمیں دوسروں کے وضع کردہ قوانین سے کوئی سروکار نہیں، اور نہ کسی بھی پالیسی سے کوئی مطلب ہے۔

حضرات! اس قسم کے سوالات اور مسائل ہندوستانی باشندوں کے کچھ سر برآوردہ افراد کے دلوں میں پیدا ہوئے، اور ان کے دماغ ان ہی گتھیوں کو سلجھانے کی خاطر برابر سوچتے رہے، اور ان افراد کے دلوں میں یہ احساس پرورش پاتا رہا کہ چاہے جس قیمت پر بھی ہو ہمیں اپنے عظیم ملک ہندوستان کو آزاد کرانا ہے اور انگریزوں کے تسلط سے ہمیں آزادی حاصل کرنی ہے، ہندوستانی باشندوں کے ان سر برآوردہ افراد میں مسلمان بھی تھے اور ہمارے برادرِ وطن بھی، جوان بھی تھے اور بوڑھے بھی، چنانچہ ہندوستان کے ان جیالے افراد نے مل کر آزادیٔ ہند کی تحریک شروع کی، خفیہ طور پر بھی، اور اعلانیہ طور سے بھی، اس تحریک کی اطلاع جب ان فرنگیوں کے کانوں تک پہنچی، تو وہ بہت زیادہ چوکنے ہوئے، کرسی اور اقتدار ایسی چیز ہے جس سے کوئی بھی فرد آسانی سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں ہوتا، اور یہاں معاملہ فرنگیوں کا تھا، جن کی گھٹی اور فطرت میں حکمرانی اور

جہاں بانی داخل تھی جن کے بدن کے ہر ہر رگ و ریشہ میں قیادت و سیادت کا خون دوڑ رہا تھا، جن کی ہندوستان پر حکومت کو سو سال پورے ہو رہے تھے، جن کو یہاں کی حکومت اور قیادت سے خصوصی دلچسپی تھی، ہندوستان کے باشندوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے میں انہیں خوب مزہ آتا تھا، ایسی صورت حال میں تحریک آزادی کو وہ کیسے برداشت کرتے؟ اور وہ کیسے گوارہ کرتے کہ ہمارے خلاف سازش ہو، ہماری حکومت ختم ہو، ہماری قیادت و سیادت اور قبضہ واقتدار سے ہندوستان نکل جائے؟ چنانچہ اس پس منظر میں تحریک آزادی کے علمبرداروں کو جیل کی سلاخوں میں بند کرنا شروع کیا، کسی کو کالا پانی بھیجنے کی سزا دی، اور کتنوں کو پھانسی کے پھندے پر لٹکا کر دم لیا، مگر ہندوستانی باشندوں کے دلوں میں جذبۂ حریت بیدار ہو چکا تھا، اب وہ کسی طرح دبنے کو تیار نہ تھے، آزادئ ہند کے مجاہدین بھی اپنی جگہ قربانیاں دینے کو تیار تھے، قربانیاں دیتے رہے، خون پسینہ بہاتے رہے، کانفرنسیں کرتے اور تحریکیں چلاتے رہے، اور ہندوستانی باشندوں کے دلوں کو اپنی گرما گرم تقریروں سے گرماتے رہے، اور ان کو اس بات پر ابھارتے رہے کہ سب ایک ساتھ مل کر ہندوستان کی آزادی کی تحریک کو فعال بناؤ، اور اس عظیم ملک کو فرنگیوں کی غلامی سے آزاد کراؤ، اور ہندوستان کی آزاد فضا میں آزادی کے ساتھ سانس لو، غلامی اور ماتحتی کی بیڑیوں کو اپنے ہاتھ پیر سے توڑ کر پھینک دو۔

جنگ آزادی کے سورماؤں اور سرفروشوں نے انجام سے بے خبر ہو کر تحریک آزادی کی صدائے دل نواز کو ہندوستان کے کونے کونے میں پہنچانے میں جان و دل سے لگ گئے، اس مسئلہ پر جانباز اور سرفروش مجاہدوں نے انگریزوں سے گفتگو بھی کی، اور براہ راست ان سے آزادی ہند کا پروانہ بھی طلب کیا، برطانیہ میں ہونے والی گول میز کانفرنس میں مولانا محمد علی جوہر نے انگریزوں کے سربرآوردہ افراد اور حکومتی سطح کے اعلیٰ عہدہ داروں سے خطاب کرتے ہوئے یہ بھی کہا تھا، کہ ”مجھے آزادئ ہند کا پروانہ دو، ورنہ میں غلام ملک دوبارہ واپس نہیں جاؤں گا، ملک ہند تو بعد میں آزاد ہوا، مگر اس مرد مجاہد کی

Scanned by CamScanner

دل سے نکلی ہوئی بات رائگاں نہیں گئی، اور وہیں کسی عارضہ کے سبب ان کی موت واقع ہوگئی، اور بیت المقدس کے جوار میں ان کو لے جا کر دفن کیا گیا۔

حضرات! بہر حال ہندوستانی سرفروشوں کی جدوجہد کامیاب ہوئی تحریک آزادی کو کامیابی ملی اور ہمارا ملک ۱۵ راگست سنہ ۱۹۴۷ء کو انگریزوں کے تسلط اور قبضے سے آزاد ہوا، ہم نے آزادی کا ترنگا پرچم لہرایا، اور خوشی کے گیت گائے۔

حضرات! ہمارا ملک تو فرنگیوں کے تسلط اور اقتدار سے آزاد ہو گیا مگر اس وقت ہم ایسی پوزیشن میں نہیں تھے کہ فوراً ہی اپنے ملک کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں سنبھال لیتے، کیونکہ اس وقت ہمارے پاس نہ قوت تھی نہ طاقت، نہ کوئی قانون تھا اور نہ کوئی دستور، لہٰذا طے یہی پایا کہ جب تک ہمارا کوئی دستور تیار نہیں ہو جاتا ہم اپنے ملک کے نظام کو چلانے کے لئے کچھ دفعات نہیں بنا لیتے، اس وقت تک انگریزوں ہی کے ایک حاکم کی سربراہی میں ہمارے ملک کا نظام جیسے تیسے چلتا رہے، لہٰذا اسی طرح کام چلتا رہا، ادھر دفعات اور دستور ہند کی تدوین کا کام بھی ہوتا رہا، دوڈھائی سال کی انتھک کوششوں کے بعد ہمارے ملک کا دستور اساسی تیار ہوا، جس کو لوگ دستور ہند کے نام سے جانتے ہیں، اور ۲۶ رجنوری سنہ ۱۹۵۰ء کو اس دستور کو نافذ کر کے ملک میں جمہوریت کا اعلان کر دیا گیا، اب مکمل طور پر ملک کی باگ ڈور ہندوستانی لیڈروں اور رہنماؤں نے اپنے ہاتھ میں لے کر اس کام چلاؤ انگریز حاکم کو ہمیشہ ہمیش کے لئے برطانیہ رخصت کر دیا۔

حضرات! ہمارے ملک ہندوستان کے سب سے پہلے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد ہوئے اور سب سے پہلے وزیر اعظم آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو بنائے گئے۔

۲۶ رجنوری سنہ ۱۹۵۰ء یوم جمہوریہ ہے، یہ اس وجہ سے کہ اس تاریخ میں جمہوریت کا ہمارے ملک میں اعلان اور نفاذ ہوا، جس میں دستور کی رُو سے ملک کے تمام باشندوں کو اس بات کی مکمل ضمانت مرحمت کی گئی کہ چاہے وہ کسی بھی مذہب ومسلک کے ہوں، ان کو اپنے مذہب ومسلک اور دین دھرم کے ماننے، اس کے پرچار کرنے اور

اس کی تبلیغ و اشاعت کرنے، اپنے مساجد و مقابر اور کلیسا و منادر کی حفاظت کرنے کا انہیں مکمل اختیار ہوگا، کوئی کسی کے مذہب و مسلک میں دخیل نہ ہوگا، چاہے وہ مسجد کا معاملہ ہو یا مندر کا، کلیسا کا مسئلہ ہو یا مقابر کا، گرودوارہ کی بات ہو یا جنم بھوم کی، جس جگہ جس کی ملکیت ہوگی، وہ برقرار رہے گی، جو جس کا مالک ہوگا وہ چیز اسی کی ملکیت قرار دی جائے گی، ہر شخص کو ذاتی طور پر مکمل آزادی حاصل ہوگی، کیونکہ غلامی اور ماتحتی کا دور ختم ہوگیا، ظلم و زیادتی کی مسموم فضا صاف ہوگئی، اس تاریخ سے دستور اساسی کی رُو سے ہندوستان ایک سیکولر اور جمہوری ملک قرار دیا گیا، اور اسی انداز سے یہاں کی حکمرانی ہونے لگی، ہر شخص اپنی جگہ آزاد، یہاں کی ہر چیز آزاد، زمین آزاد، زمین کی ساری چیزیں آزاد، جنگل آزاد، جنگل کے سارے جانور آزاد، پہاڑ آزاد، پہاڑ کی ساری اشیاء آزاد، دریا آزاد، دریا کی ساری چیزیں آزاد، غرض ملک ہند کا ذرّہ ذرّہ آزاد ہوگیا، اور سیکولر و جمہوری ملک کی فضاء میں ہر چیز نے اپنے اوپر جمہوریت کا لیبل لگالیا۔

حضرات! سیکولر ملک کے دستور اساسی نے انسانوں کو ہر طرح کی آزادی عطا کی، حدود میں رہتے ہوئے مذہب و مسلک کی تبلیغ و اشاعت اور عبادت گاہوں کے تحفظ کا پروانہ عطا کیا، مگر آج ہمارے اسی ملک میں ہم جمہوریت کا جنازہ نکال رہے ہیں ہمارے برادر وطن کے کچھ جیالے افراد ایسے ہیں جو اسلاف کی قربانیوں اور تحریک آزادی ہند کے سرفروش مجاہدوں کی انتھک کوششوں اور ان کے ایثار و ہمدردیوں سے آنکھیں موند کر اور ایک جمہوری ملک میں رہتے ہوئے، ہندو اسٹیٹ اور ہندو ملک کا خواب دیکھ رہے ہیں اور جمہوریت کا جنازہ کندھے پر اُٹھائے اس کو دفن کردینے کی تیاری میں لگے ہیں اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین نفرت و عداوت کی زبردست خلیج پیدا کررہے ہیں۔

کاش کہ ہمارے عظیم ملک کے ان فرقہ پرست اور جمہوریت کا گلا گھونٹنے والوں کو ہوش آتا، اور وہ جمہوریت کی قدر کرتے اور اس کو فروغ دینے اور دستور ہند کی روشنی میں

Scanned by CamScanner

اپنی زندگی کو آگے بڑھانے کی فکر کرتے، تاکہ ہمارا یہ عظیم ملک زینہ بزینہ ترقی کی راہ پر ہر وقت گامزن نظر آتا۔

خدا کرے کہ جمہوری قدریں ہندوستانی باشندوں کے دلوں میں پیدا ہوں، تاکہ ان قدروں کی ضیا پاشیوں سے ہمارے ملک کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے، اور ملک کے سارے مذاہب کے لوگ مل جل کر زندگی کے ایام خوشی و مسرت کے ساتھ گذار سکیں۔

آزاد ہندوستان زندہ باد

آزاد قومیت زندہ باد

آزاد قدریں زندہ باد

اور

جمہوریت زندہ باد

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

جنگ آزادی
اور
مسلمانوں کی قربانی

حضرت مولانا اسلم صاحب

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله وصلى الله عليه وعلى اله واصحابه اجمعين، برحمتك يا ارحم الراحمين، امابعد !

قال النبی صلی الله عليه وسلم حب الوطن من الایمان.(الحدیث)

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا
غربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں
سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا
پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا
وہ پاسباں ہمارا وہ سنتری ہمارا

یوم جمہوریہ منانے کا مقصد محاسبہ کرنا ہے:

حضرات سامعینِ کرام اور عزیز طلبہ! سالہائے گذشتہ کی طرح ایک بار پھر یوم

جمہوریہ ہمارے سامنے جلوہ نما ہے، اور ہم اس کی خوشیاں اور سالگرہ منانے میں مگن ہیں۔

دوستو! ہم اللہ کی ذات سے یہ امید رکھتے ہیں کہ جس طرح یہ دن پچاس سال سے اپنی رنگینیوں اور رعنائیوں کے ساتھ آرہا ہے قیامت تک اسی طرح آتا رہے گا، یوم جمہوریہ آتا ہے، بچے اسکولوں اور مدرسوں میں ترانے گنگناتے ہیں، بڑے جھنڈے لہراتے ہیں، جوشیلی تقریریں کرتے ہیں، ہر چھوٹا بڑا لیڈر یوم جمہوریہ میں کم از کم ایک بیان تو دینا ہی چاہتا ہے، میڈیا بھی جنگِ آزادی کے حالات، واقعات بیان کرنے اور ممتاز مجاہدین آزادی کی سیرت قید و بند سنانے میں اپنا پورا زور صرف کر دیتی ہے، لیکن یہ دن جو پیغام لے کر آتا ہے اس پر توجہ کم لوگوں کی ہوتی ہے، کم اخبار اور رسائل ہیں جو محاسبہ کرتے ہیں، کم مقررین ہیں جو گذرے ہوئے حالات کو موجودہ حالات سے ملا کر نتیجہ نکالتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے نوجوان، نئی نسل، ہمارے اسکولی بچے یہ تو جانتے ہیں کہ جوہر لال نہرو کون تھے، مہاتما گاندھی کون تھے، سبھاش چندر بوس کون تھے، ابوالکلام آزاد کون تھے، اور انہوں نے کیا کیا؟ ابھی آپ اگر اس پروگرام میں بیٹھے کسی ذہین طالب علم کو پکڑ کر پوچھیں کہ بیٹے بتاؤ مہاتما گاندھی، موتی لال نہرو اور سبھاش چندر بوس کون تھے، یقیناً وہ یہی جواب دیتا کہ وہ مجاہدین آزادی تھے اور انہوں نے ہندوستان آزاد کرایا، اس کے علاوہ کسی اور نوجون سے سوال کریں وہ بھی تقریباً یہی جواب دے گا۔

معزز حاضرین! میں پوچھنا چاہتا ہوں اپنے غافل ساتھیوں سے کہ کیا جنگِ آزادی دو بھائیوں کے بٹوارے کی لڑائی تھی جس مین موتی لال نہرو اور مہاتما گاندھی جی نے آکر صلح کرادی تھی، کہ ہوگئی آزادی، یا وہ کشتی میں سوار تھے وہ ڈوبنے کو تھی تو وہ کود گئے اور ہوگئی آزادی، نہیں اور ہرگز نہیں، جنگِ آزادی پر پوری دو صدیاں گزری ہیں اور اس میں ہزاروں لوگوں نے اپنی جان کی قربانیاں دے کر ہندوستان کو آزاد کرایا ہے۔

جنگِ آزادی کی ۲۰۰/دوسو سالہ تاریخ کا سرسری جائزہ:

میرے دوستو! یہ دن ہمیں سوچنے سمجھنے اور کوئی لائحۂ عمل تیار کرنے کا پیغام دیتا ہے، یہ دن ہمیں اپنے اسلاف اور بزرگوں کی قربانیوں کو یاد کرکے ان سے سبق سیکھ کر زندگی گذارنے کا حکم دیتا ہے، میں عرض کروں کہ جنگِ آزادی کی دوسو سالہ تاریخ ہے، اس تاریخ کی ابتداء اس وقت ہوگئی جب سنہ ۱۷۵۶ء میں نواب سراج الدولہ جیسے جری بہادر بادشاہ کا دورِ حکومت آیا اور تاریخ کا یہ روشن باب اس وقت مکمل ہوگیا جب وہ مشہور ومعروف تاریخ دوہرائی گئی جس میں خون کی ندیاں بہہ گئیں، گاجر مولی کی طرح محبین وطن کو کاٹ کر رکھ دیا گیا، بقول غالب:

گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے ❁ زہرہ ہوتا ہے آب انساں کا
چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے ❁ گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا

آج جسے غدر سنہ ۱۸۵۷ء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے پھر دوسرا دور اس وقت مکمل ہوا جب انگریزوں کی غلامی کی زنجیریں قانونی طور پر ہماری گردنوں سے نکالی گئیں اور وہ وقت ہے سنہ ۱۹۴۷ء۔

میرے عزیزو! اگر ہم ان ہر دو تاریخوں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا سنہ ۱۷۵۶ء سے سنہ ۱۸۵۷ء تک تن تنہا مسلم قوم نے یہ آزادی کی لڑائی لڑی ہے، جس میں ہمارے امراء رؤسا اور شاہانِ مملکت نے گردنیں کٹوائیں، جس میں ہمارے علماء صلحاء اور بزرگانِ دین اپنی خانقاہوں، مسندوں اور بوریوں کو چھوڑ کر کفن بردوش ہوگئے اور سرزمین ہند کو انگریز سے آزاد کرانے کے لئے اپنا خون بہا کر تاریخ کو ایک نیا موڑ دیا۔

محبّ وطن ٹیپو سلطان ایک عظیم مجاہدِ آزادی:

یہ ایک صدی کی تاریخ مسلمانوں کی بے نظیر اور بے لوث قربانیوں سے بھری پڑی

Scanned by CamScanner

ہے جسے کبھی بھلایا نہیں جا سکتا، خصوصاً اس حساس بلند ہمت، بالغ نظر اور دور اندیش بہادر بادشاہ کو جسے ٹیپو سلطان کہا جاتا ہے جب اس نے دیکھا کہ انگریز، ہمیں آپس میں لڑا کر آندھی طوفان کی طرح سرزمین ہند کو روندتے ہوئے قبضہ کرتے چلے جا رہے ہیں تو اس نے سوچا اگر کوئی منظم طاقت ان کے مقابلہ پر نہ آسکی اور اگر ان کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو نہ روکا گیا تو وہ دن قریب ہے کہ جب پورا ملک ان کی جھولی میں ہوگا، چنانچہ ٹیپو سلطان نے منظم طور پر انگریزوں سے معرکہ آرائی شروع کردی۔

انگریزوں کو بھی یہ احساس ہو چلا تھا کہ ٹیپو ہی ایک ایسی چٹان ہے جسے راستہ سے ہٹایا جانا ضروری ہے، اگر سلطان زندہ رہے گا تو ہم اپنے ناپاک ارادوں میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے، چنانچہ سلطان نے کسی بھی حال میں انگریز کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکے، اپنی شجاعت و بسالت، دلیری و بہادری کے بل بوتے پر لڑتا رہا، اس کا یہ قول مشہور ہے کہ گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے:
محبین وطن کو کاٹ کر رکھ دیا گیا، بقول غالب:

شیر اچھا ہے جسے مہلت ایک روزہ ملی ❁ یا وہ گیدڑ جسے بخشا گیا صد سالہ خلود

آخر کار اپنوں کی غداری اور جنوبی ہند کے امراء کی انگریز کی چاپلوسی کی وجہ سے یہ مجاہد بادشاہ سنہ ۱۷۹۹ء کو سرنگا پٹنم کے معرکہ میں شہید ہو کر کاروانِ حریت کو نقوشِ راہ دے گیا، اس کی نعش پر کھڑے ہو کر جنرل ہارس نے کہا تھا ’’آج سے ہندوستان ہمارا ہے‘‘

شاہ عبد العزیزؒ نے جہاد کا فتوی دیا:

سامعینِ کرام! اس کے بعد اب کوئی طاقت ایسی نہیں رہ گئی تھی جو انگریزوں کا مقابلہ کر سکتی، مغل بادشاہ صرف لال قلعے کے حکمراں رہ گئے تھے، یہ نعرہ بلند کیا جانے لگا حکومتِ شاہ عالم از دہلی تا پالم۔

اور ملک پادشاہ سلامت کا حکم کبھی بہادر کا، پھر ملک میں بے چینی پھیلنی شروع

Scanned by CamScanner

ہوگئی، استخلاصِ وطن کی دوڑ دھوپ تیز تر ہوئی، سنہ ۱۸۵۷ء عظیم بغاوت سے بہت پہلے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بڑے بیٹے شاہ عبدالعزیزؒ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا مشہور فتویٰ دے دیا، اور ظلم وستم کے کسی بھی تازیانہ کے سامنے سر نہ جھکا کر برابر جہاد کا اعلان کرتے رہے۔

علماء کی ایک بڑی جماعت وطن پر قربان ہوگئی:

سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید نے مجاہدین کی تحریک کا آغاز دہلی کی مسجد اکبر آبادی سے کیا، اس مقدس جماعت نے انگریزوں سے زبردست لڑائی کا منصوبہ بنایا تھا مگر سنہ ۱۸۳۱ء میں یہ تحریک بالاکوٹ کے میدان میں دفن ہوگئی، لیکن حقیقت ہے کہ یہ تحریک ہی آئندہ مجاہدینِ آزادی کی تحریکات وتنظیموں اور سرگرمیوں کا سنگِ بنیاد بن گئی، سنہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کا انگریز نے مسلمانوں سے سخت انتقام لیا، ان کے محلے کے محلے اجاڑ دیئے، مساجد کو ویران کردیا، ناحق گولیاں چلائیں، دہلی کا چاندنی چوک ہی نہیں بلکہ ہر چوراہے پر سولیاں نصب کردی گئیں، دہلی اور دہلی کے باہر درختوں پر پھانسی کے پھندے لٹکا دیئے گئے اور مسلمانوں کو پکڑ کر انگریز ہاتھی پر بٹھاتے، پھندے گلے میں ڈالتے اور ہاتھی آگے بڑھا دیتے، پھر کیا تھا نعش جھول جاتی، آنکھیں ابل پڑتیں، تڑپ تڑپ کر دوہری ہوجاتی، کتنا دلدوز منظر تھا کہ مسلمانوں کو بورے میں بھر کر توپ کے منھ میں باندھ دیا اور توپ داغ دی جاتی، پھر جسم کاغذ کے پرزوں کی طرح اڑ جاتے، بہادر شاہ ظفر پر بغاوت کے جرم میں مقدمہ چلایا گیا اور مجرم قرار دیکر ان کو جلا وطن کردیا گیا، تاریخ نے وہ منظر بھی دیکھا کہ ان کے چہیتے صاحبزادوں مرزا مغل، مرزا خضر سلطان، مرزا ابوبکر، مرزا عبداللہ کو قتل کر کے طشتری میں رکھ کر ان کے سامنے پیش کیا گیا تو بادشاہ نے حیرت انگیز صبر وضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ”الحمد للہ تیمور کی اولاد ایسے ہی سرخ رو ہوکر باپ کے سامنے آیا کرتی ہے“ اس عظیم مجاہد کو اپنے ہی وطن میں

Scanned by CamScanner

دفن کے لئے جگہ بھی نہ مل سکی۔

کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لئے ❁ دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

مسلم قوم کی انگریز قوم سے نفرت کی حد:

دوستو! یہ مسلم قوم ہی ہے جس نے سب سے پہلے آزادی کا بگل بجایا، جس نے مختلف تحریکوں کو جنم دیا، جس کے مجاہدین نے ہند و بیرون ہند میں آزادی کے لئے ناقابلِ فراموش دوڑ دھوپ کی، اور انگریز ہم ہی سے آزادی کے نعرہ کا زیادہ بدلہ لیتے رہے، کیونکہ ملک مسلمانوں سے چھینا گیا تھا، اور پھر وطن سے محبت اس کے ایمان کا ایک حصہ ہے، اس لئے اس کی جدو جہد لازمی اور ضروری تھی، یہی وہ قوم تھی جس نے ان سے نفرت کی اس کی تہذیب پر لعنت بھیجی ان کے ملبوسات کو پاؤں تلے روند ڈالا، ہمارے بزرگوں کی اسی نفرت ومخالفت کا نتیجہ تھا کہ ملک آزاد ہوا، حضرت شیخ الہند سے اگر کوئی انگریز ہاتھ ملا لیتا تو اس وقت تک کوئی چیز نہ چھوتے جب تک ہاتھ دھل کر صاف نہ کرلیں، انگریز خود کہتا تھا کہ اگر اس محمود الحسن کو جلا دیا جائے اور جلا کر اس کی راکھ کو سونگھا جائے تو بھی اس کی راکھ سے انگریزی سامراج کے خلاف ہی بو آئے گی، انہیں شیخ الہند کو مالٹا کے زنداں خانوں میں وہ دردناک سزائیں دی گئیں کہ ان کے بیان سے بدن لرزتا ہے، آنکھیں روتی ہیں، شیخ الہند کے انتقال کے بعد غسل کے لئے جب انہیں تخت پر لٹایا گیا تو دیکھنے والے حیرت زدہ تھے کہ شیخ الہند کی کمر پر گوشت نام کی کوئی چیز نہیں صرف ہڈیاں ہیں، حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ سے معلوم کیا گیا کہ یہ کیا واقعہ ہے؟ مولانا مدنی ؒ کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور فرمانے لگے میرے شیخ نے مجھے منع فرمایا تھا کہ اس کا کسی سے ذکر نہ کرنا، اے لوگو! مالٹا کے جیل خانے میں آزادی کے نعرے کے جرم میں انگریز میرے شیخ کی کمر مبارک کو لوہے کی گرم گرم سلاخوں سے داغتا تھا، یہاں تک کہ گوشت نام کی کوئی چیز باقی نہ رہ گئی تھی۔

Scanned by CamScanner

وطن پر قربانی کا بے مثال کارنامہ:

حضرت مولانا یحییٰ علی، مولانا جعفر علی تھانیسری اور مولانا محمد شفیع لاہوری کو انگریز عدالت نے پھانسی کا حکم سنایا اور جج نے کہا کہ کل تم کو پھانسی کی سزا دی جائے گی اور کل تمہاری جائیداد بھی ضبط کی جائے گی اور تمہاری لاش تمہارے وارثین کو نہیں دی جائے گی بلکہ نہایت ذلت کے ساتھ گورستانِ جیل میں گاڑ دی جائے گی میں تم کو پھانسی پر لٹکتا دیکھ کر بہت خوش ہوؤں گا، لیکن..........

سامعینِ کرام! آپ کو حیرت ہوگی کہ یہ تینوں مسلمان یہ سزا سن کر مسکرا دیئے ان کے چہرے کھل اُٹھے، مسرت ان کے چہرے پر رقص کرنے لگی، انگریز حیران تھا کہ یہ کمبخت نہ تو پریشان ہیں نہ مضطرب، انگریز مجسٹریٹ نے اپنی بات دہرائی، کہ شاید یہ سمجھ نہ پائے ہوں مگر ان کی خوشی میں کوئی کمی نہ تھی اور فرمایا کہ تمہیں شہادت کی لذت کی کیا خبر، حوریں ہمارے لئے فرشِ راہ ہیں، اور بہشت بریں ہماری منتظر ہے:

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن ❁ نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

انگریزوں کے پایۂ تخت میں ایک عالم کا نعرۂ آزادی:

حضرت مولانا محمد علی جوہرؔ، مولانا شوکت علی نے آزادی کی خاطر دردناک سزاؤں کو برداشت کیا، انہوں نے انگریز کے پایۂ تخت لندن میں جا کر کہا تھا کہ میں ہندوستان اس صورت میں واپس جاؤں گا کہ میرے ہاتھ میں آزادی کا پروانہ ہوگا، میں غلام ملک میں واپس نہیں جا سکتا، اگر تم ہمیں آزادی کا پروانہ نہ دو گے تو اس سرزمین پر دفن کے لئے تو دو گز جگہ دینی ہی ہوگی، کئی بار انہیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈالا گیا، ایک مرتبہ وہ جیل میں تھے، ان کی بیٹی آمنہ بیمار اور لاغر کمزور ہوگئی مگر یہ کمزوریاں ان کے راستے میں حائل نہ ہوسکیں انہوں نے ایک پیغام بھیجا جو ان کی ایمانی طاقت کا مظہر

Scanned by CamScanner

تھا، اعتماد و توکل کا شاہکار تھا:

میں ہوں مجبور پر اللہ تو مجبور نہیں
تجھ سے میں دور سہی وہ تو مگر دور نہیں
تو تو مردوں کو جلا سکتا ہے قرآں میں کہا
تُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ مذکور نہیں؟

مسلم عورتوں میں آزادی کا جوشِ جنوں:

اور سنہ ۱۹۲۰ء میں خلافت کے وفد کے قائد بن کر انگلستان بھی گئے اس سے پہلے بھی انہوں نے ہی نہیں بلکہ ان کی بوڑھی ماں نے بھی ماحول کو گرمایا: یہ اشعار اسی وقت سے زبان زد تھے :

بولی اماں محمد علی کی جان بیٹا خلافت پہ دے دو
ساتھ ہیں تیرے شوکت علی بھی جان بیٹا خلافت پہ دے دو
ہوتے اگر میرے سات بیٹے کرتی ان کو بھی خلافت پہ صدقے
ہے یہی دین احمد کے رستے جان بیٹا خلافت پہ دے دو

مولانا حسرت علی موہانی جیل کی سختیاں برداشت کرتے انہیں ہر روز ایک من گیہوں پیسنے پڑتے اور طرح طرح کی تعذیب کی ان پر مشق کی جاتی وہیں انہوں نے فرمایا تھا:

ہے مشقِ سخن جاری اور چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

بہار جواب ہند میں آئی ہوئی ہے:

حضرات! آزادی کی اس طویل ترین تاریخ میں ہماری عورتوں کو بھی بے حرمت کیا

Scanned by CamScanner

گیا اور ہمارے بچوں کو بھی ذبح کیا گیا، ہمارے کاروبار بھی تباہ کئے گئے اور املاک پر ڈاکہ زنی کی گئی، ہمیں کالے پانی کی اذیتیں بھی برداشت کرنی پڑیں اور مالٹا کے زنداں خانوں میں بھی ہمارے صبر وضبط کا امتحان لیا گیا پانی پت وشاملی کے میدانوں میں بھی ہمارا خون جذب ہوا ہے اور احمد نگر کے قید خانوں کو بھی ہم ہی نے اپنے عزم وحوصلوں کا نظارہ کرایا ہے، جلیاں والا باغ کے خونی منظر سے بھی ہم گذرے ہیں، لاہور کی شاہی مسجد بھی ہماری قربانیوں کی شاہد ہے اور ہندوستان کے جس چپہ پر بھی آپ دیکھیں گے، جس اینٹ کو اُٹھائیں گے وہاں ہمارے خون کی مہک، ہمارے بزرگوں کے گرم گرم راتوں کے آنسوؤں کی نمی اور ہمارے جوانوں کے ولولے اور عزائم وحوصلے ملیں گے۔

بہار اب جو ہند میں آئی ہوئی ہے ❁ یہ سب پود انہیں کی لگائی ہوئی ہے

حضرات سامعین کرام! میں بہت تفصیل میں جانا نہیں چاہتا کیونکہ کافی دیر سے آپ بہت سے دانشوروں کی تقاریر سماعت فرما رہے ہیں، اب مزید گنجائش نہیں، بس صرف اتنا کہہ دینا چاہتا ہوں، آزادی کی لڑائی دو چار یا دس بیس لوگوں کی قربانیوں کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ آج ملک کو اس مقام تک لانے کے لئے بے شمار لوگوں نے اپنی جان سے ہاتھ دھوئے ہیں، جن کا ہم نام تک نہیں جانتے، ان کے گلی کوچوں اور مکانوں سے ہم واقف نہیں، ایسے ایسے لوگ جن کے قدموں کے نیچے لوگ اپنی آنکھیں بچھاتے تھے، جن کے پسینے پر اپنا خون بہانے کے لئے تیار رہتے تھے، جن کی ایک آواز پر اپنی جان نچھاور کر دیتے تھے، وہ اپنے ملک کو آزاد کرانے کے لئے میدان میں آئے تو اس وقت تک نہ لوٹے جب تک ان کی ایک سانس بھی باقی رہی۔

چند ذلیل لوگوں نے پورے ملک کو

نفرت کی آگ میں جھونک دیا ہے

مگر آج میرے عزیز یہ آزادی جو ہمیں وراثت میں ملی اس کی ہمیں قدر نہیں، اب

۵۵ رسال پہلے جو انگریز قوم ہم ہندوستانیوں کے ساتھ کرتی تھی آج اس سے کہیں بڑھ کر ہم خود اپنے اور اپنوں کے ساتھ کرتے ہیں، آج جب ہندوستان آزاد ہوگیا، ہمارا ملک ہمارا ہوگیا، خون کی ندیاں بہا کر اپنی عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم بنا کر جب ہم نے غلامی کی سرحد کو پار کرلیا اور آزادی کے ماحول میں سانس لینے لگے تو اب ہماری مثال اس مگر مچھ کی سی ہوگئی جو خود ہی اپنے بچوں کو جنم دیتی ہے اور خود ہی انہیں کھا جاتی ہے، شاید ہمارے برادرانِ وطن میں سے کچھ لوگوں کو آزادی کا کچھ غلط ہی مطلب سمجھ میں آگیا، افسوس! وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اب جتنا چاہو نفرت کا ماحول پیدا کرو کیونکہ ملک آزاد ہے، اب جتنے چاہو فسادات کرادو، کیونکہ ملک آزاد ہے، اب اکثریت والے اقلیت والوں پر جتنا چاہیں ظلم کریں، کیونکہ ملک آزاد ہے، اب جس طرح چاہو لوگوں کو ٹاڈا میں ڈال دو جیل میں سلاخوں کے پیچھے سڑادو، کیونکہ ملک تو آزاد ہے۔

ملک ایک بار پھر قربانی مانگ رہا ہے:

دوستو! میں آج اس تاریخی دن میں جسے یومِ جمہوریہ کہتے ہیں، تمام ہندوستانیوں کو اس خطرہ سے آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ ایک بار پھر آپ کو اپنے قلم سے اپنی زبان سے، اپنی ذہانت وذکاوت سے، اپنی ہوشیاری وتدبر سے اپنی جان اور مال سے نفرت و عداوت، فسادات اور ظلم وزیادتی کے خلاف اپنی آواز کو بلند کرتے رہنا پڑے گا اور اس وقت تک یہ لڑائی جاری رکھنی پڑے گی جب تک اس ناسور سے ہندوستان کی سرزمین پاک نہ ہوجائے۔

ورنہ یاد رکھو وہ دن دور نہیں جب آپسی اختلافات، تعصب اور نفرت وعداوت ہمارے ملک کو توڑ دیگی اور پھر ہم پہلے کی طرح غلام بن جائیں گے۔

یہ مادرِ وطن ہے تو ہر شخص اس کا فرزند ہے:

یہاں آج جو بھی رہتا ہے وہ برابر کا حصہ دار ہے، ہر فرقہ نے آزادی کی لڑائی

Scanned by CamScanner

لڑی اور ملک کو آزاد کرایا ہے اور خصوصاً مسلمانوں نے انگریزی سامراج کے خلاف جنگ لڑی وہ ایک پیش رو کی حیثیت رکھتی ہے، مسلمانوں نے ہی جنگ آزاد کا بگل بجایا اور آخر تک اس طنطنہ وطمطراق کے ساتھ لڑتے رہے یہاں تک کہ ملک آزاد ہو گیا۔

میری تقریر کا ثبوت تاریخ کی گواہی:

یہ میں نہیں کہتا، بلکہ تاریخ کے وہ اوراق بولتے ہیں جو اب سے برسوں پہلے لکھے گئے تھے اور لکھنے والے بھی وہ تھے جنہوں نے صعوبتیں برداشت کیں، جو زخمی ہوئے، اپنے آباء واجداد کو سولیوں پر لٹکتے دیکھا، جنہوں نے اپنے اسلاف کو گولیوں سے بھنتے دیکھا، جنہیں کالے پانی بھیجا گیا، جن کی زمینیں ضبط کر لی گئیں، جنہوں نے انگریزی حکومت کے ایوانوں کو تہ وبالا کر دیا، اس لئے آج اس اسٹیج سے:

ٹیپو سلطان کا ایک حامی
شاہ عبدالعزیزؒ کا ایک وفادار
مفتی کفایت اللہؒ کا ایک متبع
مفتی محمود الحسنؒ کا ایک علم بردار
گاندھی ونہرو کا ایک سفیر
سبھاش چندر بوس کا ایک سپاہی

یہ کہہ دینا چاہتا ہے کہ یہ ملک آزاد ہے، اسے آزاد رہنے دو، تمام اقوام کا مل جل کر رہنا ہندوستان کی سالمیت کا ثبوت ہے، اگر اقوام میں سے کوئی ایک قوم بھی کسی دوسرے کو پچھاڑ دینے کی کوشش کرے گی تو پھر یہ ملک سالم نہیں رہ سکتا بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، اور جو بھی ایسا کرے گا وہی غدار ہے، اس سے پورے ملک کو نبرد آزما ہونا چاہئے۔

Scanned by CamScanner

ایک پیغام:

میں یہ پیغام سنا کر اپنی بات ختم کر رہا ہوں، آیئے ہم عہد کریں کہ دوسرا یومِ جمہوریہ اس حال میں آئے کہ ہم پوری طرح آزاد ہوں، اور ہمارا ملک لحہ بہ لحہ ترقی کر رہا ہو، ہم اپنے بزرگوں کی قربانیوں کا لحاظ کر کے اپنے ملک کی روایات واقتدار کو برقرار رکھ کر فخر کے ساتھ کہہ رہے ہوں کہ ہمیں فخر ہیں کہ ہم ہندوستانی ہیں۔

خدا ہم سب کو اتفاق و اتحاد کے ساتھ رہنے اور اس ملک کی بقا و ترقی کے لئے صدق دل سے خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

Scanned by CamScanner

آزادی کے پچاس سال اور مسلمان

مولانا ابوالفیض بدر الہدیٰ قاسمی دربھنگوی

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه وسلم و على اله واصحابه اجمعين، امابعد !

اڑائے کچھ ورق لالہ نے کچھ بلبل نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری

قائدین ملت اور نوجوان جیالو! آج کے اس تاریخی جشن آزادی کے موقعہ پر آپ حضرات نے جس عنوان پر مجھے تقریر کرنے کی ہدایت کی ہے حق بات تو یہ ہے کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں نہ میری زبان اس لائق ہے، اور نہ میرا مطالعہ اتنا وسیع ہے کہ ہندوستان کی آزادی سے لے کر اب تک کی تاریخ کو بیان کروں، تاہم آج کے اس قومی یادگار کے دن میں جب کہ ہندوستان کے گوشے گوشے میں مختلف تنظیموں، اداروں، اسکولوں اور کالجوں میں غیر معمولی دھوم دھام سے آزادی کا پچاسواں جشن منایا جا رہا ہے، غلام ہندوستان کی داستاں اور آزادی کی کہانی سنائی جا رہی ہے، مجاہدین آزادی کو خراج تحسین پیش کیا جا رہا ہے، ایسے وقت میں ہمیں بھی ایک طرف اپنے اسلاف کی قربانیاں یاد آتی ہیں تو دعاء مغفرت کے لئے ہاتھ خود بخود اُٹھ جاتے ہیں،

Scanned by CamScanner

دوسری طرف جمہوریہ ہندوستان کے مسلمانوں کے دردناک واقعات اور ظلم وستم کی روداد سامنے آتی ہے تو خون کے آنسو نکل پڑتے ہیں اور دل سے ایسی آہ نکلتی ہے کہ اگر ہمارے اسلاف ؒ واکابرؒ کو اس کا تصور بھی ہوتا تو خدا کی قسم! وہ لوگ کبھی اس ملک کو انگریزوں کی غلامی سے چھڑانے اور ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے اتنی بڑی قربانیاں نہ دیتے اگر انہیں یہ معلوم ہوتا کہ اس ہندوستان میں مسلمانوں پر ایسا دن بھی آئے گا جب مسلمان آزادی کی جگہ انگریزوں کی غلامی کو پسند کریں گے تو وہ کبھی شمشیر برہنہ لے کر میدان جہاد میں نہ نکلتے۔

- انہیں کیا معلوم تھا کہ جس ہندوستان کی آزادی کے لئے بالاکوٹ کی پہاڑی پر سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے جان دی ہے۔
- انہیں کیا معلوم تھا کہ جس ہندوستان کی آزادی کے لئے شاملی کے میدان میں علماء دیوبند توپوں کا نشانہ بنے ہیں۔
- انہیں کیا معلوم تھا کہ جس ہندوستان کی آزادی کے لئے شیخ الہندؒ اور شیخ الاسلامؒ کالا پانی گئے تھے۔
- انہیں کیا معلوم تھا کہ جس ہندوستان کی آزادی کے لئے شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ پر سوٹ وارنٹ ہوا ہے۔
- انہیں کیا معلوم تھا کہ جس ہندوستان کی آزادی کے لئے صرف ۱۸۵۷ء میں اکیاون ہزار علماء شہید ہوئے ہیں۔
- انہیں کیا معلوم تھا کہ جس ہندوستان کی آزادی کے لئے دہلی کی چاندنی چوک سے خیبر تک درختوں پر علماء کی گردنیں لٹکائی گئی ہے۔
- انہیں کیا معلوم تھا کہ جس ہندوستان کی آزادی کے لئے علماء کو برہنہ کرکے آگ کے انگاروں پر ڈالا گیا ہے۔

اُس ہندوستان میں مسلمانوں پر ظلم وستم کا پہاڑ ٹوٹے گا، انہیں حقوق سے محروم کیا

Scanned by CamScanner

جائے گا۔

ملتِ اسلامیہ کے غیور فرزندو! اس ملک کو آزاد ہوئے پچاس سال ہو گئے ،لیکن اس پچاس سالہ دورِ آزادی میں ،اربابِ حکومت نے مسلمانوں کے ساتھ کس طرح غیر مساویانہ رویہ اختیار کیا ہے؟ اور ظلم واستبداد کے کون کون سے ہتھیار استعمال کئے ہیں؟ اس کی درد بھری داستان ہے، سینکڑوں فسادات کی تاریخ میرے سامنے ہے جسے یاد کر کے کلیجہ منہ کو آتا ہے ،زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں، پاؤں تلے سے زمین کھسک جاتی ہے، کہ ہائے ! یہ کیسی آزادی ہے کہ مسلمانوں کا جان و مال محفوظ نہیں ہے، ہماری عزت وآبرو پر شبخوں مارے جا رہے ہیں، ہمارے حقوق کو پامال کیا جا رہا ہے، ہماری آبادیوں کو ویران کیا جا رہا ہے، ہماری مساجد و مکاتب کو مسمار کیا جا رہا ہے، ہماری خانقاہ و مدارس پر بنیاد پرستی کا الزام لگایا جا رہا ہے، شعائر اسلام کے جنازے نکالے جا رہے ہیں، قربانی پر پابندی لگائی جارہی ہے، قبرستان پر غاصبانہ قبضہ کیا جا رہا ہے، لاؤڈ سپیکر پر اذان کے خلاف مقدمہ بازی ہو رہی ہے، خدائی قانون اور قرآنی دستور اور مسلم پرسنل لاء میں ترمیم کی کوشش کی جارہی ہے، یہ کیسی جمہوریت ہے؟ یہ کیسی آزادی ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں مداخلت کی جارہی ہے ؟ اگر آزادی اسی کا نام ہے تو ایسی آزادی کے ہم طلبگار نہیں ہیں ایسی آزادی پر تو ہم کل بھی لات مارتے تھے اور آج بھی لات مارتے ہیں۔

← ہمیں مذہبی آزادی چاہئے۔
← ہمیں قرآن کی آزادی چاہئے۔
← ہمیں جان و مال کی حفاظت چاہئے۔
← ہمیں عزت وآبرو کی حفاظت چاہئے۔
← ہمیں عبادت گاہوں کی حفاظت چاہئے۔
← ہمیں شعائر اسلام کی حفاظت چاہئے۔

نوجوان دوستو! کیا یہ جمہوریت کا خون نہیں ہے؟ سیکولرزم کا مذاق نہیں ہے؟

Scanned by CamScanner

دستور آزادی کی خلاف ورزی نہیں ہے کہ جمہوری ملک میں کسی کے مذہبی معاملات میں مداخلت کی جائے؟ آج آزاد ہندوستان میں یہی ہو رہا ہے ہم سے مذہبی آزادی چھینی جارہی ہے، مسلم پرسنل لاء میں ترمیم کی کوشش کی جارہی ہے، ہم حکومت کے ایوانوں تک یہ آواز پہنچا دینا چاہتے ہیں اور ارباب اقتدار کو آگاہ کر دیتے ہیں کہ مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں مگر مسلم پرسنل لاء میں ذرہ برابر مداخلت برداشت نہیں کر سکتے، ہم اپنی جانوں کی بھینٹ چڑھا دیں گے مگر اٹل خدائی قانون اور لازوال قرآنی دستور مسلم پرسنل لاء میں ترمیم نہیں ہونے دیں گے، زمین پھٹ سکتی ہے آسمان ٹوٹ سکتا ہے، سورج بے نور ہو سکتا ہے مگر دستور قرآن مسلم پرسنل لاء بدل نہیں سکتا:

ہے قول محمدؐ قول خدا فرمان نہ بدلا جائے گا
بدلے گا زمانہ لاکھ مگر قرآن نہ بدلا جائے گا

نوجوان جیالو! یہ ناقابل انکار واقعہ ہے کہ ہندوستان کو آزادی سے مسلمانوں ہی نے سرفراز کیا ہے، مسلمانوں ہی کی قربانیوں کا صلہ ہے کہ آج ہمارا ملک آزاد ہے اور آزادی کی گولڈن جبلی منائی جارہی ہے لیکن اس کے باوجود ہم سے وطن دوستی کا سوال کیا جارہا ہے، ہم بتلا دینا چاہتے ہیں کہ ہم ہی اس ملک کے وفادار ہیں، اس دیش کے چپہ چپہ پر ہمارا حق ہے، اس ملک کے ذرہ ذرہ پر ہمارا حق ہے، ہم نے اس دھرتی کی آزادی کے لئے لڑائی لڑی ہے اور ہم ہی نے آباد کیا ہے:

جب گلستان کو خوں کی ضرورت پڑی ❁ سب سے پہلے ہماری ہی گردن کٹی
پھر بھی کہتے ہیں ہم سے اب اہل چمن ❁ یہ چمن ہمارا ہے تمہارا نہیں

دوستو! آج ہماری تاریخ کو مٹانے کی کوشش کی جارہی ہے، جنگ آزادی کی تاریخ سے مسلمانوں کے ناموں کو نکالا جارہا ہے، ہمارے کارناموں کو بھلایا جارہا ہے اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ہم سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ تم نے ہندوستان کو کیا دیا؟ اے محبان وطن! جاؤ!

Scanned by CamScanner

ہمالیہ کی بلندی سے پوچھو!
گنگا کی گہرائی سے پوچھو!
سرزمین ہند کی شادابی سے پوچھو!
ہندوستان کے صحراؤں سے پوچھو!
آسماں کے تاروں سے پوچھو!

یہ سب کے سب تمہیں بتلائیں گے کہ ہم نے ہندوستان کو کیا کیا دیا ہے؟ یہ سب کے سب ہماری عظمت کے گواہ ہیں، ہندوستان کا چپہ چپہ اس پر شاہد ہے، بتاؤ!

ہندوستان کو قطب مینار کی بلندی کس نے دی؟
جامع مسجد کی پرشکوہ عمارت کس نے دی؟
لال قلعہ کی عظمت کس نے دی؟
تاج محل کی رعنائی کس نے دی؟

سو بار سنوارا ہے ہم نے اس ملک کے گیسوئے برہم کو
یہ اہل جنوں بتلائیں گے ہم نے کیا دیا ہے عالم کو

دانشوران قوم! ہندوستان کی آزادی کو پچاس سال ہو چکے ہیں، آپ سنجیدگی سے اس پچاس سالہ دور حکومت کا جائزہ لیجئے، معیشت وتجارت، سیاست وملازمت اور دیگر شعبہائے زندگی کے اوراق کو کھنگال کر دیکھئے کہ ارباب حکومت نے مسلمانوں کو اس میں کیا حصہ دیا ہے، ہر میدان عمل کو دیکھئے کہ اس پچاس سالہ دور میں کہاں کہاں مسلمانوں کو کتنا حق ملا ہے، الغرض صرف مسلمانوں کی تاریخ کے بکھرے اوراق کی پکار نہیں، بلکہ کرسی نشیں حکمرانوں کی بھی یہی شہادت ہے کہ ہمیشہ اس آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے مسائل میں جمہوریت کا مزاق اڑایا گیا ہے اور مسلمانوں کو ان کے حق سے محروم کیا گیا ہے معیشت ہو یا تجارت، سیاست ہو یا ملازمت ہر موڑ پر مسلمانوں کو مفلوج ومجبور بنادیا گیا، ہماری ترقی کی راہوں پر رکاوٹیں حائل ہیں، قدم قدم پر اقلیت کا روڑہ اٹکایا

Scanned by CamScanner

جاتا ہے، آج حکومت کے گلیاروں سے لے کر ملازمت کے میدان تک اقلیت کا نعرہ لگایا جاتا ہے، جبکہ ہندوستان کی آزادی میں برادرانِ وطن سے کہیں زیادہ ہماری قربانیاں ہیں ہم ان لوگوں تک یہ آواز پہنچانا چاہتے ہیں جن کے ہاتھوں میں زمام اقتدار ہے کہ اگر ہندوستان کی سالمیت چاہتے ہیں تو ہمیں جمہوریت کا حق دیں، مسلمانوں کو ہر طرح کی مذہبی آزادی دیں اور ان کے حقوق کو پامال نہ کریں، ورنہ اگر مسلمانوں کے صبر کا پیانہ چھلک اُٹھا، ان کے جوانوں نے صبر کا دامن چھوڑ دیا تو وہ تمہارے لئے کوہ آتش فشاں اور قہر خدا بن جائیں گے، پھر تمہاری طاقت ہوا میں اڑ جائے گی اور تمہاری حکومت کے پرخچے اُڑ جائیں گے:

تجھے مبارک ہو حکمرانی، مخالفت بھی ہم نہ کریں گے
اگر شریعت پہ ہاتھ ڈالا تو تم رہو گے نہ ہم رہیں گے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلام دشمن طاقتوں سے محفوظ رکھے اور اسلام کو سربلندی عطا کرے، آمین۔

وما علینا الا البلاغ

Scanned by CamScanner

جمہوریت کا خون

خطیب: مولانا محمد اطہر عالم صاحب ارریاوی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ ، اَمَّا بَعْدُ!

برادران ملت! ہمارا ملک ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے، اسے جمہوریہ بنے ہوئے نصف صدی گذر چکی ہے، اس طویل مدت میں ہم نے ترقی کی بہت سی منزلیں طے کیں، قوموں اور برادریوں میں اپنا ایک منفرد اور ممتاز مقام بنایا اور فخر کے ساتھ جمہوریت کے پرسکون سائے میں ٹھنڈے سانس لئے، کیونکہ ملک کی جمہوریت میں سبھی مذہبوں کے ماننے والوں کو مذہبی آزادی اور قومی حقوق ملتے ہیں، مگر آج کی حکومت اسی جمہوریت کی نفی کر کے اس کی جگہ ایک نیا قانون لانے کے درپے ہوگئی ہے۔

آیئے سابقہ پچاس سالوں میں آئین کی فعالیت اور اس کی افادیت کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کریں اور دیکھیں کہ کمی آئین میں ہے یا ان کی پالیسی، موجودہ حکومت کی نیت اور نظر میں ہے؟

دوستو! ہمارے آئین کی تشکیل کا عمل ان معتبر اور محب وطن لیڈروں کے ذریعہ وجود میں آیا ہے، جنہوں نے وطن عزیز میں اس کی آئین کے نفاذ کے نتیجہ میں ایک ایسے معاشرہ کا خواب اپنے سینوں میں پیوست کر رکھا تھا کہ جس میں سیاسی سماجی اور اقتصادی انصاف کرتے وقت نسلی، گروہی، علاقائی، لسانی، مذہبی اور معاشرتی تعصب کو کوئی جگہ نہ ملے، اونچ نیچ، ذات پات، اور مذہب کی بنیاد پر فیصلے کے لئے کوئی گنجائش نہ ہو،

Scanned by CamScanner

سب کو عزت و احترام ملے، اظہار خیال کی آزادی ہو، تمام زبانوں اور نظریئے کو پھلنے پھولنے کا موقع ملے، سب کے سب فیصلہ اور قانون سازی میں اپنے آپ کو برابر کا شریک مانیں، مظلومی بے بسی اور بے چارگی سے انہیں چھٹکارا ملے، مہاتما گاندھی، ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر، راجندر پرساد، پنڈت جواہر لال نہرو، سردار پٹیل اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسے لیڈروں کی جدوجہد اور کوششوں کے نتیجہ میں یہ جامع آئین بنا اور نافذ ہوا، مگر افسوس! پچاس سال کے بعد بھی اچھے نتائج مرتب نہ ہوسکے، آخر ایسا کیوں ہوا؟

صدر جمہوریہ نے اپنے ایک خطاب میں کہا اور خوب کہا کہ ''آئین مکمل ہے، بے مثل و بے مثال ہے، نہ اس کی جامعیت میں کوئی کمی ہے نہ اس کی فعالیت اور افادیت میں کوئی نقص ہے، اگر کہیں خرابی یا کمزوری ہے تو وہ ان لوگوں میں ہے جن پر اس کے نفاذ کی ذمہ داری ہے، کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آج بھی ہزاروں گاؤں بجلی سے محروم ہیں، سڑکوں اور پینے کے صاف پانی سے محروم ہیں، ہاسپٹلوں اور دواخانوں سے محروم ہیں، افسوس کہ کروڑوں لوگوں تک یہ قانون پہنچ نہ سکا، صدر جمہوریہ کا یہ جملہ کہ ''مظلوم و مفلس کی آہ سے بچو! کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے اندر کی آگ تمہیں جلا کر خاک کردے، کہیں یہ نہ ہو کہ ایسا سیلاب آجائے جس سے بچنا ممکن نہ ہو'' آج سیاست دانوں کو تنبیہ ہے کہ وہ اپنی گندی حرکتوں سے باز آجائیں، اور ظلم و طغیان کو چھوڑ کر سماجی برادری اور جمہوریت پسندی کو اختیار کرلیں! ضرورت اس بات کی زیادہ ہے، نہ کہ آئین جمہوری کے اندر از سر نو جائزہ اور تبدیلی کی، آئین درست ہے، اس کے نافذ کرنے والے بدعنوان، بدکردار اور بے ایمان ہوگئے ہیں، آج کی فاشسٹ طاقتیں نہیں چاہتیں کہ تاریخ میں سیکولرزم کا کوئی باب موجود رہے، ان کا صاف نظریہ ہے کہ ہندوستان میں قومیت کا مطلب ہی ''ہندتو'' ہے، غیر ہندو طبقات کے لئے یہاں کوئی جگہ نہیں، کیوں کہ ان کی نظر میں جمہوریت کی کوئی قدر و قیمت نہیں، وہ ہندوستان کے ترنگے پرچم کو بھی اپنا پرچم قرار نہیں دیتے وہ بھگوا جھنڈے کو ہی اپنا قومی نشان قرار دیتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

دوستو! آج جبکہ ان فاشٹ طاقتوں کو ملک کے اقتدار تک پہونچنے کا موقع مل گیا ہے تو ان میں بے پناہ جوش وخروش پیدا ہوگیا ہے، وہ اب ملک میں جمہوریت کا خون کرنے کے لئے اپنے خفیہ ایجنڈوں اور اپنے خطرناک منصوبوں پر تیزی کے ساتھ عمل پیرا ہیں، مذہبی آزادی کا بنیادی حق چھین لینے اور مذہبی اقلیتوں کے تشخص کو مٹا ڈالنے کے لئے اتر پردیش میں عبادت گاہ بل کے ذریعہ قانون سازی کی کوشش ہورہی ہے، آئین پر نظر ثانی کے بہانے ملک میں ڈکٹیٹرانہ نظام کے لئے راہ ہموار کرنے کا منصوبہ تیار کیا جارہا ہے، آئی ایس آئی (ISI) کی سرگرمیوں کو بہانہ بنا کر مسلمانوں اور ان کے دینی مدرسوں کو بدنام کرنے کی زبردست مہم چلائی جارہی ہے، ٹاڈا سے زیادہ سپر ٹاڈا (Super Tada) لانے کی کوشش ہورہی ہے، تاریخی اور نصابی کتابوں میں تبدیلی لاکر اپنے نظریات کو سماج پر مسلط کیا جارہے ہے، ذرائع ابلاغ اور میڈیا (Media) پر کنٹرول قائم کر کے مذہبی ضعیف الاعتقادی اور دقیانوسی نظریات لوگوں پر تھوپے جا رہے ہیں، اقتصادی بحران کے حل کے لئے کسانوں اور مزدوروں کو اختیار کیا جارہا ہے، انتخابات سے بچنے کے لئے جمہوری نظام کو ہی معطل کرنے کے انتظامات ہورہے ہیں اس طرح ہر روز ایک نئے فتنے کا جنم ہورہا ہے، اور ملک کی سیاسی وثقافتی فضاء پر بھگوا رنگ دن بدن گہرا ہوتا جارہا ہے، اور اب ایسا لگ رہا ہے کہ ملک کا جمہوری ڈھانچہ کسی نئے نظام میں تبدیل ہوجائے گا۔

وطن عزیز اور تحفظ جمہوریہ کے لئے قربانیاں پیش کرنے والے نوجوانو!

حکومت کی جانب سے یہ رویہ ہماری مذہبی آزادی پر کھلا حملہ ہے، مسلمان اپنے دین ومذہب، ایمان اور شعائر اسلام کی بقاء اور تحفظ پر حملے کو قطعًا برداشت نہیں کرسکتا، وہ اپنے خون کا ایک ایک قطرہ اپنے مذہب کی بقاء کے لئے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش کرنے کو تیار ہے۔

دستور ہند میں ہر مذہبی اکائی کو اپنے مدرسے عبادت گاہیں، مذہبی نشر واشاعت اور

تبلیغ کا پورا پورا حق دیا گیا ہے، آئین میں دیئے گئے حقوق کے خلاف کوئی بھی عمل ہو وہ غیر آئینی ہی نہیں بلکہ جمہوریت کو پامال کرنے کی ناپاک اور منصوبہ بند سازش ہے۔

حکومت مذہبی درسگاہوں اور عبادت گاہوں پر پابندی عائد کر کے مسلمان بچوں کو مذہبی تعلیم سے محروم کر کے ارتداد کے گڑھے میں دھکیلنا چاہتی ہے جب کہ یہی مدرسے بہترین مہذب شہری تیار کرنے کے قابل ستائش کارخانے ہیں۔

آج حکومت چاہتی ہے کہ بھولے بھالے مسلمانوں سے ٹکر لینے کے بجائے ان مسلمانوں کو قابو میں کیا جائے جن کے مقدس خوابوں نے اس امت کو اب تک اس احساس سے دوچار کر رکھا ہے کہ وہ کوئی اور نہیں، آخری رسول محمد ﷺ کی امت ہیں، اس لئے انہیں آج اس سے کوئی غرض نہیں کہ مسلم ادارے کسی خاص مسلک کے حامی ہیں یا کسی خاص گروہ کے تعاون سے چل رہے ہیں، وہ تمام دینی انجمنوں، تحریکوں اور اداروں کو اس جرم میں برابر کا شریک سمجھتی ہے۔

اے عزیزان وطن! اور اے دانشوران قوم! کیا فاشزم کی یہ طوفانی ہوا ہندوستانی جمہوریت کے پچاس سالہ روشن چراغ کو گل کر دیگی؟ کیا طاغوتی قوتوں کے یہ زبردست اقدامات انسانیت کی روشن روایات کو مٹا دیں گے؟ کیا ان کی یکطرفہ سوچ ہماری بیش قیمت اقدار حیات کے ورثہ کو تباہی کے کنارے سے ہمکنار کر دیگی؟ کیا ہندوستان کی ہماری برسہا برس کی جیتی جاگتی تاریخی تصویر اب دریا برد کی جائے گی؟ کیا آنے والی نسل ہماری آج کی غفلت پر کل خون کے آنسو بہائے گی؟ اگر ایسا ہے اور یقیناً ہے تو کیا؟ ہندوستان کی جمہوریت کا یہ تاریک ترین دور ہمیں یہ دعوت نہیں دے رہا ہے کہ ملک کے سبھی انسانیت نواز، امن پسند دوست اور سیکولرزم و جمہوریت کے حامی فاشزم کے اس سیل رواں کو روکنے کے لئے اپنے مضبوط ارادے اور پختہ عزائم کے ساتھ پہل کریں؟ اور مشترک جدو جہد اور تحریک تحفظ جمہوریت کا آغاز کر کے پورے ملک میں اس فاشزم کو بے نقاب کر کے اس کے بڑھتے قدموں کو روک دیں؟ ہاں ہاں! ہندوستان

Scanned by CamScanner

کی مذہبی رواداری اور بھائی چارے کی صدیوں پرانی روایات آج ہر امن پسند اور جمہوریت نواز ہندوستانی سے یہی مطالبہ کررہی ہے، کیوں کہ اس سوال میں آپ کی آنے والی نسل کا مستقبل مضمر ہے، وہ ہندوستان کے باوقار شہری کی زندگی جینا چاہتے ہیں، وہ کسی کے خوف اور ڈر کو دور کردینے کے جھوٹے اور کھوکھلے دعووں پر مطمئن نہیں ہیں۔

اس لئے ایسے سنگین حالات میں ہم سبھی کو جرأت مندانہ فیصلے لے کر آج کے ان سیاسی دلالوں سے ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہوگا، اور ملک کی تمام ہی سیکولر اور جمہوریت نواز جماعتوں کو مل کر نعروں اور مظاہروں سے ہٹ کر ایک ایسا لائحہ عمل تیار کرنا ہوگا جو ہمارے جمہوری دستور کو بحال کرکے ہر ایک کے لئے امن وامان اور صلح وآشتی کا ضامن ومحافظ ہو:

اس بار متحد ہوں سبھی سیکولر تو پھر
نفرت نکال پھینک دیں ہندوستاں سے ہم
فرقہ پرست لوگ یہی چیختے پھریں
پھر آگئے وہیں پہ چلے تھے جہاں سے ہم

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

Scanned by CamScanner

جنگِ آزادی اور علماءِ ہند

خطیب: مولانا حسن تابش جہاں آبادی

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلی اله واصحابه اجمعین، امابعد ! اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ط بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ﴾ وَقَالَ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾

جنہیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں
جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس اُن کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لئے بیٹھے ہیں .... اپنی آستینوں میں

(اقبال علیہ الرحمۃ)

بہار آئی اگر گلشن میں تو کس کام کی آئی
نشیمن شاخ پہ باقی رہا نہ دل ہی سینوں میں

(تابش جہاں آبادی)

محترم حضرات اور صدر جلسہ!!

آج میں ان یارانِ باصفا، شہیدانِ عشق ووفا، وارثانِ بلال رضی اللہ عنہ اور سرخیلِ آزادی کے

تذکرے کی سعادت حاصل کررہا ہوں جن کا قلب وجگر اسلام کی عظمت سے معمور تھا، جن کے چہرے پر عزم واستقلال کی کرنیں جلوہ فگن تھیں، جن کا دل جذبۂ جہاد سے سرشار تھا، جنہوں نے اپنی زندگی اسلام کی سربلندی اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے وقف کردی، جن کی ایک تاریخ ہے جن کی ایک داستان ہے، جنہوں نے ہر دور میں اسلام کی آبیاری کی ہے اور چمنستان اسلام کی طرف بڑھنے والی ہر بادِ سموم کی راہ میں دیوارِ آہنی بن کر حائل ہوگئے ہیں۔

حضرات! اس چمنستانِ عالم کا پتہ پتہ اور بوٹہ بوٹہ اس بات پر شاہد ہے کہ یہ طبقہ ان اصحابِ فکر ونظر اور وارثانِ قلب وجگر کا طبقہ ہے جنہوں نے تاریخ کے ہر نازک موڑ پر اس امت کی راہنمائی اور دست گیری فرمائی ہے یہ ان یارانِ صفا اور شہیدانِ عشق ووفا کا قافلہ ہے جنہوں نے ہر دور میں باطل کا مقابلہ کیا ہے، جب بھی باطل نے حق کو چیلنج کیا ہے انہوں نے اس کے چیلنج کو قبول کیا ہے اور سربکف میدان میں آنکلے ہیں اور جم کر پوری بے خوفی سے باطل کا مقابلہ کیا ہے۔

انہوں جانیں تو دیدیں مگر باطل کو کبھی پیٹھ نہ دکھائی، انہوں نے سر تو کٹا دیا مگر پرچم اسلام کو سرنگوں نہ ہونے دیا، جب جلاد تلوار چمکاتا ہوا آگے بڑھا تو انہوں نے مسکرا کر نظر سے نظر ملائی اور پھر یہ کہتے ہوئے مردانہ وار اپنا سر تلوار کے نیچے رکھا اور کہا :

فَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ فِی اللّٰہِ مَصْرَعِیْ

یعنی

خوشا وقتیکہ میری موت ترے کوچے میں آجائے
یہی تو زندگی کا آخری ارمان ہے ساقی

غرضیکہ انہوں نے ہر محاذ پر باطل کا مقابلہ کیا اور ہر طرح سے مقابلہ کیا ضرورت پڑی تو گولی چلائی، ضرورت پڑی تو تلوار چلائی، تلوار پھینکی قلم اُٹھالیا، ضرورت پڑی تو

اپنی شعلہ نوائیوں سے طوفان تند و تیز سرکش و بے باک کا کام لیا اور جب ضرورت پڑی تو قوم کے ننھے ننھے نونہالوں کی تربیت و اصلاح فرما کر باطل کے لئے دیوار آہنی اور فولادی لشکر بنادیا۔

آج میں انہیں جیالوں اور سرفروشاں اسلام کی تھوڑی سی تاریخ اور ادنیٰ سی جھلک دکھانا چاہتا ہوں کہ انہوں نے جنگِ آزادی میں کیا کارنامہ انجام دیا اور ان کا کیا مقام رہا ہے:

محترم حضرات! جب ہندوستان کی مقدس سرزمین پر انگریزوں کا ناپاک سایہ پڑا اور وہ اپنی شاطرانہ وعیارانہ چالوں سے یہاں کے مالک بن بیٹھے جب باشندگان ہند پر طرح طرح کے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جانے لگے، جب ہندوستانیوں کو غلام بنایا جانے لگا، جب ہندوستانیوں کا خون ان کے پسینوں سے بھی ارزاں ہونے لگا تو ایسے نازک وقت میں سب سے پہلے جس شخص نے علمِ بغاوت بلند کیا وہ محدّث کبیر امام جلیل رئیس الاولیاء فخر چمن، محرم فن، نازشِ وطن شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ ہیں یہ وہی مرد مجاہد، درویش خدا ہے جس نے وقت سے بہت پہلے مسلمانوں کے نصبُ العین کا اعلان فرمادیا تھا، جہاں تک پہنچنے کے لئے دوسروں کو ابھی برسہا برس انتظار کرنا تھا۔

شاہ عبدالعزیز کا فتویٰ کیا تھا گویا ایک برق بے اماں تھا جو دشمنوں کے نخلِ تمنا پہ گر پڑی، انگریزوں کی نیند حرام ہوگئی، جگہ جگہ آزادی کے شعلے بھڑکنے لگے، جگہ جگہ آزادی کے پرچم لہرانے لگے، سینوں میں ولولے مچلنے لگے اور حوصلوں نے انگڑائیاں لینی شروع کردیں۔

مسندِ درس پر بیٹھ کر قرآن وحدیث کے درس دینے والے علماء کرام، خانقاہوں میں بیٹھ کر اپنے خونِ جگر سے شمعِ اسلام روشن کرنے والے مشائخ عظام اپنے مدرسوں اور خانقاہوں کو چھوڑ کر میدان میں آگئے اور فرنگیوں کے خلاف محاذ بنا کر منزل کی جانب بے سروسامانی کے عالم میں نکل پڑے اور:

Scanned by CamScanner

میں اکیلا چلا تھا جانبِ منزل مگر
راہ رو آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

کے مصداق بن گئے۔

حضرات! یہ کارواں طویل مسافت طے کرتے ہوئے کس طرح منزل مقصود تک پہنچا، یہ ایک لمبی داستان ہے، اس داستان میں امنگیں بھی ہیں اور محرومیاں بھی، عزم وعمل کا جوش وخروش بھی ہے اور شکست خوردگی اور بے چارگی کی افسردگی بھی، جنونِ شوق کی آشفتہ سیری بھی ہے اور گردشِ دوراں کی کجروی بھی، اس طویل مسافت کو طے کرتے ہوئے ان کے پاؤں مسلسل لہولہان ہوتے رہے، ہزاروں اور لاکھوں کا وجود غبارِ راہ بن کر اُڑ گیا، کبھی جبر وتشدد کی خاردار جھاڑیوں نے ان کے دامن کو تار تار کیا، کبھی وحشت وبربریت کے پہاڑ ان کی راہ میں حائل ہوگئے مگر اس بزمِ جنوں کے دیوانوں نے ہمت نہیں ہاری حادثات ومصائب سے ٹکراتے ہوئے منزلِ مقصود کی جانب بڑھتے رہے۔

راستے کی قربت ودوری سے بے فکر، طمانیتِ قلب وجگر سے مستغنی، پریشانی افکار کے احساسات سے بے نیاز، خطرات ووساوس کی گرفت سے بے پروا منزلِ مقصود کی تلاش میں کبھی عرب وترکی کی راہوں کو ناپتے ہیں تو کبھی روس وافغان کی بادیہ پیمائی کرتے ہیں، کبھی مالٹا کی کوٹھریوں میں قیام کرتے ہیں تو کبھی عدالت کے کٹ گھرے میں کھڑے ہوکر نغمۂ آزادی سناتے ہیں، کبھی پھانسی کے پھندوں کو چوم کر منزل کا نشان پوچھتے ہیں تو کبھی ریوالور کی لبلبی پر انگلی رکھ دیتے ہیں کہ شاید گولیوں کی سنسناہٹ ہی منزل کا پتہ بتا سکے، غرضیکہ ان دیوانوں نے ہر راہ سے منزل تک پہنچنے کی کوشش کی اور پہنچ کر ہی دم لیا، تاریخ ہند ہم سے کہتی ہے:

اس بزمِ جنوں کے دیوانے ہر راہ سے پہنچے محفل تک
بے تابی ان کی عام ہوئی صحراؤں سے لے کر ساحل تک

Scanned by CamScanner

ہاں سنگِ گراں پہ لکھتے تھے وہ اپنے دل نادان کا حال
شاید کہ تلاشِ مقتل میں کوئی پہنچے پھر قاتل تک

حضرات! یہ واقعہ ہے کہ اگر ہندوستان کی جنگ آزادی میں علماء حصہ نہ لیتے تو یہ ہندوستان کبھی بھی آزاد نہ ہوتا، اگر یہ سرخیل آزادی نہ ہوتے تو تحریک آزادی نہ چلتی، تحریکِ بالاکوٹ نہ چلتی، تحریکِ ریشمی رومال نہ چلتی، تحریکِ خلافت نہ چلتی، ہندوستان چھوڑو تحریک نہ چلتی، مقدمہ دہابیان نہ چلتا، انبالہ سازش کیس نہ بنتا الغرض علماء کرام ہی نے اپنے خونِ جگر سے عروسِ آزادی کی حنابندی کی ہے اور اپنے مقدس لہو سے شجر آزادی کو سینچا اور پروان چڑھایا ہے۔

چنانچہ سنہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں دو محاذ بنائے گئے، ایک محاذ انبالہ پر جس کی قیادت مولانا جعفر تھانیسریؒ کے پاس تھی، دوسرا محاذ شاملی پر جس کی قیادت حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے پاس تھی، اس جنگ میں بڑے بڑے علماء وصلحاء شہید وزخمی ہوئے اسی جنگ میں مولانا نانوتویؒ زخمی ہوئے، اسی جنگ میں حضرت گنگوہیؒ زخمی ہوئے، اسی جنگ میں حافظ ضامن شہید ہوئے، اس سنہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں دو لاکھ مسلمان شہید ہوئے جن میں ساڑھے اکیاون ہزار علماءِ کرام تھے، صرف دہلی میں پانچ سو علماء کو پھانسی کے پھندوں پر لٹکا دیا گیا۔

بہرحال جب اس جنگ میں وسائل کی قلت اور اپنوں کی غداری کی وجہ سے فرنگیوں کا غلبہ ہوا تو وائسرائے برطانیہ نے اپنے ہندوستانی مشیروں سے رائے طلب کی کہ بتاؤ ہندوستان میں تمہاری حکومت کیسے قائم رہ سکتی ہے، تو ہندوستان میں رہنے والے سب سے بڑے سیاست داں ڈاکٹر ولیم یور نے جو رپورٹ پیش کی اس میں لکھتا ہے کہ:

"ہندوستان میں سب سے زیادہ بیدار مسلمان ہیں اور جنگ آزادی صرف مسلمانوں نے لڑی ہے، مسلمانوں میں جب تک جذبۂ جہاد موجود ہے اس

وقت تک ہم لوگ ان پر حکومت نہیں کر سکتے اس لئے جذبۂ جہاد کو ختم کرنا ضروری ہے، اور جذبۂ جہاد ختم کرنے سے پہلے ایک اور چیز کا ختم کرنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ ہندوستان سے علماء اور قرآن کو ختم کر دیا جائے“

چنانچہ سنہ ۱۸۶۱ء میں تین لاکھ قرآن کریم کے نسخے بد بخت انگریزوں نے جلائے اور اس کے بعد علماء کے ختم کرنے کا فیصلہ کیا، انگریز مؤرخ مسٹر ایڈورڈ ٹامسن اپنی یاد داشت میں لکھتا ہے کہ:

”۱۸۶۴ء سے لے کر ۱۸۶۷ء تک انگریز نے علماء کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا اور یہ تین سال ہندوستان کی تاریخ کے بڑے المناک سال ہیں، ان تین سالوں میں انگریز نے چودہ ہزار علماء کو تختۂ دار پر لٹکا دیا“

← ٹامسن کہتا ہے کہ دلّی کے چاندنی چوک سے لے کر خیبر تک کوئی ایسا درخت نہ تھا جس پر علماء کی گردنیں نہ لٹکی ہوئی ہوں۔

← ٹامسن کہتا ہے کہ علماء کے جسموں کو تانبے سے داغا گیا۔

← ٹامسن کہتا ہے کہ علماء کو سوّروں کی کھالوں میں بند کر کے جلتے ہوئے تنوروں میں ڈالا گیا۔

← ٹامسن کہتا ہے کہ علماء کو ہاتھیوں پر کھڑا کر کے درختوں سے باندھ کر ہاتھیوں کو نیچے سے چلا دیا گیا۔

← ٹامسن کہتا ہے کہ لاہور کی شاہی مسجد جس کے صحن میں انگریز نے پھانسی کا پھندا بنایا تھا اس میں ایک دن میں ۸۰/اسی، ۸۰/اسی علماء کو پھانسی دی جاتی تھی۔

← ٹامسن کہتا ہے کہ لاہور کے دریا راوی میں ۸۰/اسی، ۸۰/اسی علماء کو بوریوں میں بند کر کے ڈال دیا جاتا اور اوپر سے گولیوں کا نشانہ بنا دیا جاتا۔

← ٹامسن کہتا ہے کہ جب میں دلّی میں اپنے خیمہ میں گیا تو مجھے مردار کی بدبو محسوس ہوئی، میں خیمہ کے پیچھے چلا گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آگ کے

Scanned by CamScanner

انگارے دہک رہے ہیں اور ۴۰ علماء کو کپڑے اُتار کران انگاروں پر ڈال دیا گیا ہے، میرے دیکھتے دیکھتے ۴۰ اور علماء کو بلایا گیا میرے سامنے ان کے کپڑے اتارے گئے، انگریز نے کہا: مولویو! جس طرح ان چالیس کو پکایا گیا ہے اسی طرح تمہیں بھی پکا دیا جائے گا، تم صرف ایک آدمی یہ کہہ دو کہ سنہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں ہم شریک نہیں تھے، ابھی چھوڑ دیتے ہیں، ٹامسن کہتا ہے کہ مجھے پیدا کرنے والے کی قسم کوئی عالم ان میں ایسا نہیں تھا سارے کے سارے آگ میں پک گئے مگر انگریز کے سامنے کسی نے بھی گردن نہیں جھکائی۔

حضرات! انہیں شیرانِ اسلام اور سرفروشانِ خیر الانام ﷺ کے سچے جانشین اور حقیقی وارث شیخ الہند اور شیخ الاسلام اور مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہم ہیں، سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد سے سنہ ۱۹۴۷ء تک آزادی کے سرخیل اور کمانڈر یہی حضرات تھے، آج یہ لوگ دنیائے تاریخ میں اسیرانِ مالٹا کے نام سے جانے جاتے ہیں، یہ وہی شیخ الہند ہیں جنہوں نے انگریزوں کے خلاف ایک عالمگیر تحریک چلائی تھی کہ عقلِ انسانی حیران وششدرره جاتی ہے اور ان کی زودفہمی و دوربینی پر قیادت وسیادت سر دھنتی ہے یہ شخص قد وقامت کے اعتبار سے قوی الہیکل وعظیم الجثہ تو نہ تھے مگر اپنے دور کے تمام سیاسی قائدین کا امام اور مذہبی رہنماؤں کا مقتدا تھا وہ منبعِ حریت اور پیکرِ خلوص و وفا تھا، جو ایک طرف آزادی کے جوش وخروش اور جذبہ وولولہ سے لوگوں کے قلوب کو معمور کررہا تھا تو دوسری طرف قال اللہ اور قال الرسول کا جامِ خوشگوار تشنگانِ علومِ نبوت کو اپنے دست مبارک سے بھر بھر کر پلا رہا تھا، وہ ”در کفِ جامِ شریعت و در کفِ سندانِ عشق“ کا کامل واکمل نمونہ تھا، اگر اس عظیم ہستی کی وہ عالمگیر تحریک جسے تحریکِ ریشمی رومال کے نام سے جانا جاتا ہے، کامیابی ہوگئی ہوتی تو آج ہندوستان کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا، لیکن:

Scanned by CamScanner

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند
دوچار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

انہیں کے شاگردِ رشید حضرت مولانا عبید اللہ سندھی ہیں جو شیخ الہند کے بعد تحریکِ ریشمی رومال کے سب سے بڑے لیڈر تھے، تحریکِ ریشمی رومال کے سلسلہ میں حضرت نے انہیں افغانستان روانہ کیا تھا تاکہ وہاں کی جوشیلی قوم کو انگریزوں کے خلاف متحد کر سکیں، جب مولانا افغانستان کے لئے روانہ ہو رہے تھے تو ان کی ڈاڑھی نکل رہی تھی، مگر جب وہ روس وافغان کی بادیہ پیمائی کر کے لوٹے ہیں تو ان کی ڈاڑھی کے بال سفید ہو چکے تھے۔

شیخ الہندؒ ہی کے سب سے چہیتے اور ہر دلعزیز شاگرد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ہیں جنہوں نے خلافت کانفرنس کراچی میں ایسے وقت میں شرکت کی کہ انہیں گولی مار دیئے جانے کا حکم مل چکا تھا، لوگوں کا خیال تھا کہ حسین احمد نہیں آئے گا مگر لوگوں کی آنکھیں اس وقت حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، جب وہ مردِ مجاہدؒ ”کفن بردوش“ ہو کر اسٹیج پر آیا اور جلسہ کی صدارت فرمائی، اسی کانفرنس میں حضرت نے انگریزوں کو بلبل اور گولیوں کو گل سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا:

لئے پھرتی ہے بلبل چونچ میں گل ❁ شہید ناز کی تربت کہاں ہے

راوی کہتا ہے کہ جب حضرت نے یہ شعر پڑھا تو لوگ جوش میں آدھے گھنٹے تک مسلسل نعرے لگاتے رہے اور پھر علماء کی قربانیوں اور اپنے ایک فتویٰ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے انگریز کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

کھلونا سمجھ کر نہ برباد کرنا
کہ ہم بھی کسی کے بنائے ہوئے ہیں
فرنگی کی فوجوں میں حرمت کے فتوے
سرِ دار چڑھ کر بھی گائے ہوئے ہیں

Scanned by CamScanner

وہ شجرِ آزادی کہ خوں دے کے سینچا
تو پھل اس کے پکنے کو آئے ہوئے ہیں

لیکن آہ!

کتنی بربادی مقدر میں تھی آبادی کے بعد
کیا بتائیں ہم پہ کیا گزری ہے آزادی کے بعد

حضرات! یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ اس شجرِ آزادی کا پھل ہمارے حق میں بہت ہی زیادہ تلخ ثابت ہوا، جس کی تلخی آج تک ختم نہیں ہوسکی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صدیوں ختم نہیں ہوسکے گی، لیکن ہمیں بھی کوئی غم نہیں، ہمیں بھی کوئی افسوس نہیں، ہمیں بھی کوئی ملال نہیں، اگر یہ ظالم حکومت اپنے ظلم وستم سے باز نہیں آئی اور ہمارے حقوق کو یوں ہی پامال کرتی رہی تو اُسے بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم انہیں شیرانِ اسلام اور سرفروشانِ خیر الانام ﷺ کے فرزند ہیں جنہوں نے ہندوستان کی تاریخ بدل ڈالی تھی، ایک بار ہم بھی بدل کر دیکھیں گے کیونکہ:

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

حضرات! یہ چرخِ نیلی فام اس بات پر شاہد ہے کہ ہم اگر آج بھی اپنے حقوق لینے پر آجائیں تو پھر دنیا کی کوئی بھی طاقت ہمیں اس عزم کی تکمیل سے نہیں روک سکتی، شرط یہ ہے کہ ہم پہلے خود کو اس کے لئے تیار کریں اور شکوہ وشکایت اور دستِ سوال دراز کرنے کے بجائے اپنے بازو میں وہ طاقت اور سینوں میں وہ حوصلے اور حوصلوں میں وہ جان پیدا کریں کہ وقت کی خوفناک آندھیاں کترا کر گزرا کریں، اور اپنے اندر وہ خودداری وخوداعتمادی پیدا کریں کہ ہمارے ایک اشارہ پر بڑی سے بڑی طاقتیں اپنی کلاہ شہنشہی ہمارے قدموں میں ڈال کر سرِ نیاز خم کریں اور ہماری مقدس خواہشات وجذبات کی تکمیل کو اپنے لئے باعثِ عز وافتخار سمجھیں اور یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے اس

لئے کہ:

جو ہو عزمِ سفر پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

بہر حال تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد مجاہدین آزادی کی قیادت بر صغیر کے عظیم سپوت دار العلوم دیوبند کے فرزندِ اول شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ فرما رہے تھے، مولانا شاہین جمالی ''دار العلوم کی تاریخِ سیاست میں'' لکھتے ہیں:

''۱۹۲۰ء کے بعد آزادیٔ ہند کا دوسرا دور شروع ہوا، اس دور میں دیوبند شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی کمان میں آزادی کی جنگ لڑتا رہا، ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ سیاسی رہنمائی کرتے رہے، ان حضرات کی رہنمائی میں ۱۹۳۰ء کی جنگ میں چودہ ہزار مسلمان جیل گئے اور پانچ سو دلاور سرحدی جوان شہید ہوئے اور آخری جنگ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کا آخری گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن رخصت ہو گیا اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے دور سے چل رہی آزادی کی تحریک اپنی منزلِ مراد پانے میں کامیاب ہو گئی۔

اینگلو محمڈن بلاک کا ایک حصہ ایک نئی سلطنت ''پاکستان'' قائم کر کے اس کا حکمراں بن گیا اور دیوبند کے آزاد بلاک کو ۸۰ ؍فی صدی ہندوستان کی حکومت ملی اور دو بڑے لیڈر جواہر لال نہرو اور مولانا ابوالکلام ہندوستانی عوام کی آزادی اور جمہوریت کے محافظ اور ذمہ دار ہوئے''

الغرض قصہ مختصر یہ ہے کہ اگر جنگِ آزادی میں علماء کرام حصہ نہ لیتے تو یہ ہندوستان کبھی بھی آزاد نہ ہوتا، ان مقدس اور پاکیزہ ہستیوں نے ایسی ایسی بے مثال ولازوال قربانیاں دی ہیں کہ جن کی نظیریں پیش کرنے سے تاریخِ امم عاجز وقاصر اور عقلِ انسانی حیران وششدر ہے اور آج ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ ہمارے اسلاف نے ہندوستان کے ساتھ وفاداری اور اس کے لئے جاں نثاری کے ایسے ایسے محیّر العقول ثبوت پیش

کہے ہیں کہ:

انگشت بدنداں ہیں زمیں، چاند، ستارے

لیکن چونکہ انہوں نے یہ لڑائی شہرت ونا موری کے جذبات سے یکسر عاری ہوکر لڑی تھی اس لئے جب کاروانِ آزادی اور قافلۂ حریت منزلِ مقصود تک پہنچا تو یہ میرِ کارواں اور سرخیلِ آزادی گوشۂ گمنامی میں جاکر بیٹھ گئے اور دنیاداروں سے کہہ دیا کہ جو شخص شہرت ونا موری چاہتا ہے وہ جائے اور اپنی خدمات کی مزدوری لے اور جگہ جگہ اپنے مجسمے نصب کرائے، ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ ہم نے یہ لڑائی مزدوری لینے کے لئے نہیں لڑی ہے، اپنی قربانیوں کے صلات لینے کے لئے نہیں لڑی ہے، بلکہ ہم نے یہ جنگ اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضاجوئی کے لئے لڑی ہے، ہمارے ہندوستان کو ہمارے مجسمے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ اس ہندوستان کا:

پتہ پتہ بوٹہ بوٹہ حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

مگر اے لوگو! ہمیں ان مجاہدین کی یادوں کو زندہ رکھنا ہوگا، ان کی بے مثال ولازوال قربانیوں سے اپنوں اور بیگانوں کو آشنا کرانا ہوگا، کیوں کہ ملک کے غداروں اور مسلم دشمنوں کی کوشش یہ ہے کہ ان عظیم مجاہدین کے کارناموں سے ہندوستانی عوام کو اندھیرے میں رکھا جائے، اور یہ تأثر دیا جائے کہ جنگِ آزادی مسلمانوں نے نہیں صرف ہندوؤں نے لڑی ہے اور وہ یقیناً اپنی اس ناپاک سازش میں بڑی حد تک کامیاب ہو چکے ہیں، کیوں کہ آج خود ہماری نئی نسل ان بزرگوں کی عظیم قربانیوں سے یکسر ناواقف ہو چکی ہے۔

لہٰذا اگر ہم ان مقدس ہستیوں کے مجسمے حرام ہونے کی وجہ سے نصب نہیں کرا سکتے تو کم از کم ان کے نام پر ادارے اور لائبریریاں تو کھولی جاسکتی ہیں تاکہ ہماری جدید نسل

Scanned by CamScanner

اور آئندہ آنے والی نسلیں ان بزرگوں کی جاں نثاری وجاں سپاری اور وطن کے ساتھ وفاداری کے حیرت انگیز واقعات کو فراموش نہ کرسکیں، اگرچہ ہمارے ان عظیم اسلاف نے زبانِ قال وحال دونوں سے کہہ دیا ہے:

نہیں منت کشِ تابِ شُنیدن داستان میری
خموشی گفتگو ہے ، بے زبانی ہے زباں میری
اُٹھائے کچھ ورق لالہ نے، کچھ نرگس نے، کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

ہندوستان
حال و مستقبل کے آئینہ میں

خطیب: مولانا ابوظفر نعمانی صاحب قاسمی دھوڑوی

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد العرب والعجم وعلى اله واصحابه مصابيح الظلم.

امابعد! فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم، قال الله تبارك و تعالىٰ فى القرآن المجيد ﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ صدق الله العظيم.

سوئی ہوئی قومیں جاگ اُٹھیں، بیدار مسلماں سوتا ہے
گہوارۂ قلب مومن میں اب جذبۂ ایماں سوتا ہے

چمنستان اسلامیہ کے پاسبانو! آج جس موضوع پر اپنی معروضات گوش گذار کرنا چاہتا ہوں وہ بڑا پُر درد اور حیرت انگیز ہے مجھے امید ہے کہ جس درد اور جذبے کے ساتھ یہ باتیں کہی جارہی ہیں اس سے زیادہ طلب اور تڑپ کے ساتھ سنی جائیں گی، ہم اور آپ جس ملک کی سرزمین میں اپنی زندگی گذار رہے ہیں یہ ایک جمہوری ملک ہے سیکڑوں مذاہب کے ماننے والے اس ملک میں موجود ہیں یہ ملک مختلف قوموں کا مسکن ہے مختلف تہذیبوں کا گہوارہ ہے یہی وہ ملک ہے جہاں سیکڑوں سال تک مسلمانوں نے حکومت کی تھی اور اس ملک میں مسلمانوں کا رعب و دبدبہ تھا، لیکن افسوس آج مسلمان

تمام حقوق سے محروم ہو رہے ہیں، مسلمانوں کو حقارت کی نظر سے دیکھا جا رہا ہے، مسلمانوں کو ایک کمزور طاقت سمجھا جا رہا ہے، مسلمانوں کو شکنجوں میں کسنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں، مسلمانوں پر جور و جفا ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں، مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا ہے مسلمانوں کو بے دریغ فتنہ وفساد کی چکیوں میں پیسا جا رہا ہے، یہ تو ہندوستانی مسلمانوں کے موجودہ حالات ہیں۔

اب ہمارے سامنے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مسلمانوں کا مستقبل بھی یوں ہی رہے گا یہ سوال درحقیقت ایک عرصۂ دراز سے ہر ہندوستانی مسلمان کے دل و دماغ میں گونج رہا ہے، ہمارا ملک ہندوستان جن ناگفتہ بہ حالات سے گذر رہا ہے وہ ہم میں سے کسی پر مخفی نہیں آج ہم ایسے حالات وحوادث سے دوچار ہیں جن کے ذکر سے کلیجہ منھ کو آتا ہے مخصوص نظریات کی ہندو پرست پارٹیاں ملک کی سالمیت اور اس کی بقاء میں روڑے انکا رہی ہیں، منصوبہ بند حالیہ فرقہ وارانہ فسادات میں مسلمانوں کی نسل کشی کا سلسلہ جاری ہے مساجد، مدارس، مقابر، مکاتب اور مقامات مقدسہ پر ناجائز قبضے ہو رہے ہیں۔

ہندوستان جو کبھی تہذیب وتمدن کا گہوارہ جمہوریت کا علم بردار امن وسلامتی کا مرکز تھا آج فرقہ پرستی تنگ نظری اور بے جا تعصب کی آگ میں سلگ رہا ہے جس سے اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کے مستقبل پر سوالیہ نشان لگ گیا ہے ان احوال کے بظاہر جو بھی اسباب ہوں اس سے قبل اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا چاہئے اور اس بات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ وہ کیا اسباب ہو سکتے ہیں جن کی بناء پر ہمیں یہ مسائل درپیش ہیں۔

بھارت کے مسلم سپوتوں! آپ تھوڑی دیر کے لئے اپنے ذہن کو میدان بدر کی طرف لے چلیں تاریخ گواہ ہے کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کو جو کامیابی ملی وہ صرف اس وجہ سے کہ ان کا رشتہ اللہ اور اس کے رسول سے انتہائی مستحکم اور مضبوط تھا، ورنہ کامیابی کے جملہ ظاہری اسباب مشرکین کے پاس تھے کیونکہ ادھر بڑے بڑے روٴسائے کفار

موجود تھے اور ان کے پاس تمام جنگی ہتھیار فراہم تھے وہ بڑے جوش وخروش کے عالم میں تھے اور ادھر مٹھی بھر مسلمان بے سروسامانی کے عالم میں کسی کے پاس تلوار ہے تو نیزہ نہیں اور کسی کے پاس نیزہ ہے تو تلوار نہیں اس تنگدستی و بے بسی کے عالم میں بھی مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی کیوں؟ اس لئے کہ ان نفوس قدسیہ کا ایمان مضبوط و مستحکم تھا ان کا ایمان ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا﴾ کا مصداق تھا ان کی زندگی تعلیماتِ رسول کے مطابق تھی۔

ہندوستان کے غیور مسلمانو! ذرا آپ پوری دنیا کا جائزہ لیں آخر کونسا ایسا ملک ہے جہاں مسلمانوں پر ظلم وستم کا کوہ ہمالہ نہیں توڑا جارہا ہے۔

چنانچہ اسپیکر کہتا ہے (خطیب):

فرام امریکہ ٹو آسٹریلیا (1) FROM AMERICA TO AUSTRALIA

فرام افریقہ ٹو بریٹن (2) FROM AFRICA TO BRITAIN

فرام ایران ٹو عراق (3) FROM IRAN TO IRAQ

فرام رؤسیا ٹو پیلسٹائن (4) FROM RUSSIA TO PALESTIN

فرام الجیریا ٹو چیچنیا (5) FROM ALGERIA TO CHECHENYA

فرام البانیا ٹو انڈونیشیا (6) FROM ALBANIA TO INDONESIA

امریکہ سے لے کر آسٹریلیا تک، افریقہ سے لے کر برطانیہ تک، ایران سے لے کر عراق تک، روس سے لے کر فلسطین تک، جزائر سے لے کر چیچنیا تک، البانیا سے لے کر انڈونیشیا تک۔

الغرض: کوئی خطہ اور کوئی بھی ملک ایسا نہیں جہاں مسلمانوں کو بے دریغ چکیوں میں نہ پیسا جارہا ہو جہاں دیکھئے جس ملک میں دیکھئے حق پرستوں پر زمین تنگ کی جارہی ہے اور کسی تلوار کے سائے میں کوئی گردن ہے تو وہ مسلمان کی گردن ہے اگر کسی کلاشنکوف کا کوئی نشانہ ہے تو صرف یہی کلمہ گو ہے اگر کسی کے خلاف کوئی کمر بستہ ہے تو

Scanned by CamScanner

وہ صرف اور صرف یہی حق پرست مسلم قوم ہے۔
مسلمانان ہند! آپ دور نہ جائیں بلکہ خود اپنے ملک کا جائزہ لیں کہ آج ہمارے ساتھ کیا نہیں کیا جا رہا ہے کون سے ایسے مظالم ہیں جن کے ہم شکار نہیں بن رہے ہیں آپ عالمی تاریخ کی ورق گردانی کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اگر کسی نے کسی قوم کی یا کسی ملک کی سربلندی کی ہے تو وہ تاجروں کی جماعت ہے، چنانچہ آزادئ ہند کے وقت مسلمانوں کے تجارتی اور صنعتی کارخانے اور فیکٹریاں ترقی کی منزل پر گامزن تھیں لیکن آزادی کے بعد ان دشمنان اسلام نے مسلمانوں کی تجارت وصنعت کو کمزور کرنا شروع کیا اور انہوں نے یہ خفیہ سازشیں شروع کیں کہ جن جن شہروں میں مسلمانوں کی اہم صنعت، تجارتی کارخانے، فیکٹریاں ہیں ان شہروں میں فسادات اور دنگوں کے شعلے بھڑکائے جائیں۔

چنانچہ اسپیکر (خطیب) کہتا ہے:

(1) FROM THE LAND OF KANPUR TO ALI GARH.

فرام دی لینڈ آف کانپور ٹو علی گڑھ

(2) FROM THE LAND OF MORADABAD TO MEERUT.

فرام دی لینڈ آف مرادآباد ٹو میرٹھ

(3) FROM THE LAND OF SAHARANPUR TO FIROZABAD.

فرام دی لینڈ آف سہارنپور ٹو فیروزآباد

(4) FROM BHAGALPUR AND AHMEDABAD TO BOMBAY.

فرام بھاگلپور اینڈ احمدآباد ٹو بمبئی

☆ کانپور کی دھرتی سے لے کر علی گڑھ تک۔
☆ مرادآباد کی سرزمین سے لے کر میرٹھ تک۔
☆ سہارنپور کی سرزمین سے لے کر فیروزآباد تک۔

Scanned by CamScanner

☆ بھاگلپور اور احمد آباد سے لے کر بمبئی تک۔

غرضیکہ! ہندوستان کے جن بڑے بڑے شہروں میں مسلمانوں کی فیکٹریاں کارخانے اور فرمیں تھیں ان سب جگہوں پر دنگے اور فسادات کروا کر مسلمانوں کی جانوں سے زیادہ ان کی املاک صنعت و تجارت کو کمزور کیا گیا، ظلم و استبداد کی انتہا یہاں تک بڑھ گئی کہ ان دشمنان اسلام نے مسلمانوں کی املاک صنعت و تجارت کے بعد ان کی جانوں اور عزت و آبرو پر حملہ کیا چنانچہ سورت کے ظالم درندوں نے ہماری ماں اور بہنوں کو ننگا ناچ نچایا اور انہیں بیچ سڑکوں پر لا کھڑا کیا خود قطار میں لگ کر ننگے جلوس دیکھتے رہے وہ بے چاری شرم کے ماری مسلمانوں کو آواز دیتی رہی مگر آہ ہمارے قائد ریشمی بیلدار بستر پر آرام کرتے رہے اور بستر سے اُٹھ نہ سکے بالآخر امرتسر میں بسنے والے دشمنان اسلام نے وہاں کی سیکڑوں عورتوں کے پستانے تراش کر جوانوں کے سر قلم کر کے لاہور جارہی ٹرینوں پر رکھ دیا پھر اس ڈبے پر یہاں تک لکھ مارا کہ لو یہ تحفہ اور ہدیہ قبول کرو وہاں کی بہت سی دوشیزاؤں نے اس شعر کو پڑھتے ہوئے خودکشی کرلی: شعر

بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرو رہنا

گوتم بدھ کی جائے پیدائش پر بسنے والے مسلمانو! آخر کہاں تک شمار کیا جائے۔

ان غداران وطن کے ظلم و ستم کو جب ہمارا ملک آزاد ہوا تو اس وقت سرکاری ملازمت میں مسلمانوں کی تعداد انتیس فیصد کے قریب تھی مگر آزادیٔ ہند کے بعد ایک خاص حکمت عملی کے تحت ملک کے پیشواؤں نے مسلمانوں کو الگ کرنا شروع کیا ان کی تقرری بند کردی مسلم نوجوانوں نے سرکاری ملازمت نہ ملنے کی وجہ سے عصری تعلیم کو الوداع تک کہنا شروع کردیا، لیکن میں کہتا ہوں ان مسلم نوجوانوں سے کہ اگر تم نے اپنی تعلیم کو الوداع کہنا شروع کردیا تو یہ مستقبل میں تمہارے لئے خودکشی کا مترادف ہوگی کیونکہ مذہب اسلام نے تعلیم کا مقصد نوکری اور ملازمت نہیں بتایا بلکہ یہ حق و باطل میں

امتیاز کرنے کا ذریعہ ہے اس لئے مسلم نوجوان اپنی تعلیم کو مکمل کرے، لیکن افسوس ہے کہ آج سفید پوش اور صاف دل علماء پر بنیاد پرستی اور دہشت گردی کا الزام لگایا جا رہا ہے یہ مدارس جہاں کے طلبہ اور علماء دنیا و مافیہا سے مستغنی ہو کر قال اللہ وقال الرسول کے نغموں میں اس قدر کھوئے ہوئے ہیں کہ انہیں دنیا کی کوئی آواز تک سنائی نہیں دیتی پھر یہ دہشت گردی کی کیا سوچیں گے۔

لیکن آج انہیں مدارس و مکاتب میں فضاء ہموار کی جا رہی ہے کہ یہ دہشت گردی کے اڈے ہیں آج انہیں مدارس کے نظام کو درہم برہم کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں آج انہیں مدارس کے طلبہ سے یہ کہا جا رہا ہے کہ انہیں شر انگیزی اور فتنہ پروری کی ٹریننگ دی جاتی ہے، آج انہی امدارس کے طلبہ پر مظالم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں، لیکن آج تک ان مفاد پرستوں نے کسی ایسے واقعہ کو پیش نہیں کیا جہاں مدارس اسلامیہ کے طلبہ نے دہشت گردی کا مظاہرہ کیا ہو البتہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اسٹوڈینٹس کو تو دیکھا گیا ہے ہزاروں واقعات شاہد ہیں، چنانچہ اسپیکر کہتا ہے (خطیب):

(1) SOME TIMES THE VIOLENCE WAS SPREAD THROUGH THE AGITATION ON RESERVATION.

سم ٹائمز دی وائیلینس واز اسپریڈ تھرو دی ایجی ٹیشن ان ریزرویشن۔

(2) SOME TIMES VIOLENT DEMONSTRATIONS WERE CARRIED ON THROUGH THE MARCHING OF HUNGER STRIKERS.

سم ٹائمز دی وائیلینٹ ڈیمانسٹریشنس ور کیریڈ ان تھرو دی مارچنگ آف ہنگر اسٹرائیکرس۔

☆ سم ٹائمز دی وائیلنس واز ڈیمانسٹریٹیڈ بائی برننگ دی بسیز۔
☆ یعنی کبھی ریزرویشن کے نام پر دہشت گردی کا مظاہرہ کیا۔
☆ کبھی مارچ بھوک ہڑتال جلوس نکال کر دہشت گردی کا مظاہرہ کیا۔
☆ کبھی بسوں کو آگ لگا کر دہشت گردی کا مظاہرہ کیا۔
☆ کبھی ٹرینوں پر بم باری کر کے دہشت گردی کا مظاہرہ کیا۔
☆ کبھی بھارت بند جیسے نعرے لگا کر عوام کو خوف زدہ کیا۔

مگر عقلیں حیران و ششدر ہیں کہ ان دور رس نگاہوں کو یہ کھلی ہوئی دہشت گردی نظر نہیں آتی، یہ کیسی صداقت ہے یہ کیسا انصاف ہے یاد رکھو اے امت مسلمہ کے دھڑکتے دلو! اگر یہ آر، ایس، ایس اور شیوشینا جیسی فرقہ پرست تنظیمیں اسلام کے خلاف پورے ملک میں قیامت خیز ماحول پیدا کر سکتی ہیں تو اسی بھارت کی سرزمین پر جہاں ہزاروں کی تعداد میں مدارس اسلامیہ کروڑوں کی تعداد میں علماء مشائخ اساتذہ اور طلبہ موجود ہیں ان کی پھونک سے بھی طوفان برپا ہو سکتا ہے۔

ہندوستان کے غیور مسلمانو! اب ہمیں اس بات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ آخر وہ کیا اسباب ہو سکتے ہیں جن کی بناء پر ہمیں یہ مسائل درپیش ہیں۔

آج ہمارا یہ ملک اخلاقی بحران کا شکار ہو چکا ہے سائنس اور ٹکنالوجی میں برابر سکسیس اور پروگریس کر رہا ہے، لہٰذا ہمیں دیکھنا چاہئے اس ذات اقدس کی طرف جس نے اپنی آمد کا مقصد ہی یہی بتایا بعثت لاتمم مکارم الاخلاق جس نے بتایا کہ انسان کو جو سب سے نفیس ترین چیز عطاء کی گئی ہے وہ مکارم اخلاق ہے، جن کا ارشاد ہے: لایرحمهم الله من لایرحم الناس جنہوں نے کہا کہ مؤمنوں میں کامل مؤمن وہ ہے جن کے اخلاق سب سے عمدہ ہوں، جن کا ارشاد ہے: اکمل المؤمنین ایماناً احسنهم خلقاً۔ (مشکوٰۃ)

لیکن حیف صد حیف کہ ہم نے ان تعلیمات رسول پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہم نے اپنے

Scanned by CamScanner

آپ کو اخلاق کا جامہ نہ پہنایا، ہمارے اندر لایوحم الناس کی صفت نہ رہی احکام خداوندی سے ہم نے روگردانی شروع کردی، ارکان اسلام پر ہم نے عمل کرنا چھوڑ دیا حرام، سود، قمار بازی، جوئے بازی، شراب نوشی، ناچ گانا اور بجانا ہماری طبیعت ثانیہ بن چکی ہے۔

غرضیکہ صحابہ کرام جیسی نفوس قدسیہ کی کوئی علامت ہم میں باقی نہیں رہی پھر ہم کیسے مستقبل میں ترقی وکامیابی کی منزل پر گامزن ہو سکتے ہیں، لہٰذا اس کا واحد علاج یہ ہے کہ اگر ہم احکام خداوندی پر عمل کریں اور تعلیمات رسولؐ کے مطابق اپنی زندگی گذاریں اور بلاتفریق مذہب وملت نیز فروعی اختلافات کو نظر انداز کر کے ایک ہی پلیٹ فارم پر آجائیں تو عنقریب ہم ہی سربلند رہیں گے اور کامیابی ہماری قدم چومے گی اور ہم ہی اس ملک پر غالب ہو کر رہیں گے کیونکہ آج ہم اس عظیم دھرتی پر اس وسیع آسمان کے نیچے کسی کے رہین منت نہیں یہ ملک ہمارا تھا اور ہمارا رہے گا اس ملک کا ذرہ ذرہ آج بھی ہماری عظمت کا شاہد ہے اس کی تعمیر وترقی میں ہماری داستان نہاں ہے، ہمارے بے شمار نشانات اس کی درودیوار سے نمایاں ہیں جگہ جگہ ہمارے تقدس کے نقوش ابھرے ہوئے ہیں اگر ہمارے خلاف فرقہ وارانہ فسادات ہو رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ ہمیشہ اسلام پر باطل کی یلغار رہی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہر بار باطل کو اپنی منہ کی کھانی پڑی ہے، جب ہلاکو چنگیز ہمیں نہ مٹا سکے تو یہ مٹھی بھر فرقہ پرست ہمارا کیا بگاڑ لیں گے۔

مسلمانو! تم نے تلوار کی جھنکاروں میں بھی وحدت کے ترانے گائے ہیں دشمنوں کی یلغار میں بھی اسلام کا پرچم لہرایا ہے۔

حملہ آور ٹڈی دل فوجوں کا تم نے اپنے مٹھی بھر طاقت کے باوجود سرفروشانہ جذبہ سے مقابلہ کیا اور میدان جیت لیا ہے، لہٰذا ان فرقہ پرستوں سے کہہ دو کہ وہ مسلمانوں کی غیرت کو نہ للکاریں ان کے صبر کو بزدلی نہ گردانیں ورنہ قوم مسلم وہ شعلہ جوالہ ہے جو اگر

بھڑک اٹھا تو ہر طرف آگ ہی آگ ہوگی اور فغاں ہی فغاں۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم خود اپنے اعمال کا محاسبہ کریں کیونکہ اگر ہندوستانی مسلمانوں نے ماضی و حال کے حادثات سے سبق نہ لے کر اپنا کوئی منصوبہ بند تعلیمی اور سماجی پیش رفت اور تحریک شروع نہیں کی تو پھر علامہ اقبال کا یہ شعر ہی ان کا مستقبل ہوگا :

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤگے اے ہندی مسلمانو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین.

Scanned by CamScanner

موجودہ حکومت اور ہندوستان

خطیب: مولانا محمد عرفان قیصر صاحب قاسمی

الحمد لله رب العالمين واشهد ان لا اله الا الله القوى المتين، واشهد ان محمدا رسول الله الصادق الامين صلى الله عليه واله وصحبه اجمعين.
امابعد! فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم،
﴿واملى لهم انه كيدى متين﴾ صدق.

قافلہ جہاں کے سپہ سالارو، قوم وملت کے دانشورو! آسمان ہند کے درخشندہ ستارو!

رلاتا ہے ترا نظارہ ...... اے ہندوستاں مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیرا فسانہ سب فسانوں میں
یہ دستور زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

میرے محترم بزرگو! اور ہندوستان کے سپوتو! آج اس اجلاس تاریخ ساز میں ہمارا موضوعِ تقریر ”موجودہ حکومت اور ہمارا حال“ ہے، موجودہ حکومت مسلم اقلیت کے حق میں کس قدر پائیدار ثابت ہوگی، اور موجودہ حکومت سے ہماری کیا توقعات وابستہ ہیں، وہ ہم زبانِ قال سے نہیں بلکہ زبانِ حال سے بتائیں گے...... آج مسلم اقلیت کس قدر لٹ رہی ہے، پٹ رہی ہے، اس کا اندازہ دہلی کی سرزمین سے نہیں بلکہ اس جگہ سے لگایا جاسکتا ہے جہاں کی فضاؤں میں مسلم دشمنی کے عناصر موجود ہیں:

ہو یدا آج اپنے زخم پنہاں کر کے چھوڑوں گا
لہو رو رو کے محفل کو گلستاں کر کے چھوڑوں گا
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پنہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا

محترم! کشمیر سے لے کر کنیا کماری تک اور خلیج بنگال سے لے کر راجستھان کی چوٹی تک گیارہویں لوک سبھا کا الیکشن آزادانہ طور پر عمل میں آیا کسی بھی پارٹی کو اکثریت حاصل نہ ہوسکی جو حکومت سازی کا کام کر سکے یہاں اگر کوئی پارٹی ہندی قوم کا خیال کئے بغیر، یہاں کوئی جماعت آئین ہند کا لحاظ کئے بغیر، یہاں کوئی حکمراں قوم کے درد کو لئے بغیر، یہاں کوئی قائد صحیح قیادت کئے بغیر حکومت چلانا چاہے، سربراہی کرنا چاہے، نہیں چلاسکتا نہیں کرسکتا ہے اس لئے کہ یہ ملک اور دیگر ملکوں کی طرح نہیں ہے یہ سلطنت دوسری سلطنتوں کی طرح نہیں ہے یہاں کا اصول یہاں کے قوانین، دوسری جگہوں کے اصول وقوانین سے جدا اور الگ ہیں، اس سرزمین پر بے شمار اقوام اپنی سانسیں لیتی ہیں، ایک زبان نہیں ہے جس میں آسانیاں ہوں مختلف زبانیں ہیں جو صعوبتوں سے لبریز ہیں ایک طرز زندگی نہیں ہے جو فہمیدگی کے لئے سہل ہوں متنوع طرز حیات ہیں جو طرح طرح کی لذتوں سے پُر ہیں ایک طرح کی عبادت کرنے والے اور صرف ایک خدا کو آقا تسلیم کرنے والے موجود نہیں ہیں جو عدل وانصاف کے لئے یکساں سول کوڈ کافی ہو، بلکہ یہاں تو مسجدوں کو صدائے اللہ اکبر سے آباد کرنے والے، مندروں میں گھنٹی بجا کر حاضری دینے والے بھی ہیں اور گردواروں میں ترانہ نانک گانے والے لوگ بھی موجود ہیں اور یہ کہہ کر تمام ہندوستانی عیش وعشرت کی زندگی گذارتے ہیں کہ:

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا ❁ ہندی ہیں ہم، وطن ہے ہندوستاں ہمارا

خلاصہ یہ ہے کہ جس کو آنجہانی مسٹر جواہر لال نہرو نے کہا تھا کہ ہندوستان ایسا

Scanned by CamScanner

گلدستہ ہے جس میں ہر قسم کے پھول ہیں اب اگر کوئی گلدستہ کو چھوڑ کر اور صرف ایک گل کا پھول لے کر ہی کوئی گھر سجائے تو دوبارہ یہ ہم لطف اندوزی کر سکتا ہے مگر پائیداری سے کوسوں دور رکھا جائے گا اور دھکیل کر باہر کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا تم صرف ایک گل کے پھول کی حفاظت کر سکتے ہو مگر گلشن یا گلدستہ کی حفاظت نہیں کر سکتے۔

دوستو! جب ہمارا ملک آزاد ہوا اسی وقت سے جو قوانین نافذ کئے گئے اس میں صرف ایک ہندو کا حق نہیں رکھا گیا صرف عیسائی کو حق نہیں دیا گیا اس میں صرف سکھوں کی رعایت نہیں کی گئی اور نہ ہی صرف ایک مسلمان کا لحاظ کیا گیا بلکہ جمہوری نظام پیش کر کے تمام مذاہب کے جاننے والوں کو مکمل آزادی دی گئی اور کسی مذہب میں کسی طرح کی پابندی نہیں لگائی گئی اس لئے کہ آج جو ہندوستان غلامی سے پاک اور آزادی سے سرسبز و شاداب نظر آ رہا ہے یہ صرف ہندو کا صدقہ نہیں یہ صرف سکھ عیسائی یا مسلمانوں کا ثمرہ نہیں ہے بلکہ ہر مذہب کے پرستاروں نے اپنی قربانی دے کر اس زمین کو اور اس مادر وطن کو اپنے خون سے لال کیا تھا جن کی بدولت آج کی حکومت ہے۔

محترم سامعین کرام! آزادی کے بعد سے کانگریس بڑی جماعت کی شکل میں ابھرتی رہی اس کے کار پرداز جب تک ٹھیک رہے حکمرانی انہی کے ہاتھوں میں رہی حکومت بنانا اس کو بگاڑنا در حقیقت کسی نیتا کسی لیڈر کسی قائد کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ یہ حق یہاں کے سیدھے سادے عوام کے ہاتھ میں ہے اس وقت اہل فکر سوچ فکر میں مبتلا ہیں کہ جس سیاست کی بنیاد مولانا ابوالکلام آزاد نے ڈالی تھی اور جس ہندوستان کی بنیاد پنڈت جواہر لال نہرو اور مہاتما گاندھی نے رکھی تھی اور جس عزت کی کیل ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر نے ٹھونکی تھی اس کی بنیاد کھوکھلی کی جا رہی ہے اس بھارت کو مسخ کیا جا رہا ہے اس کی عزت کی پامالی ہو رہی ہے، وہ قوانین وہ اصول، جو ہندوستان کے لئے مشعل راہ اور زینۂ ترقی تھے آج ان کو گلے کی مصیبت اور ہندوستان کی پامالی کا ذریعہ سمجھا جا رہا ہے۔

Scanned by CamScanner

دوستو! جس خزانہ کو انگریزوں کے پنجۂ استبداد سے بچایا گیا تھا، وہ خزانہ موجودہ قائدین و لیڈران ہند کے ذریعہ خالی ہو رہا ہے کس شخص پر بھروسہ کیا جائے، جو شخص ہندوستان کو بنانے کی غرض سے، جو فرد ہندوستان کی ترقی کا گانا گا کر، جو لیڈر عوام کے چین و آرام کا تذکرہ کر کے در در ووٹ طلب کرتا ہے اور دہلی کے ایوان پر براجمان ہو جاتا ہے وہی ہندوستان کو بگاڑنے میں مصروف ہو جاتا ہے اور وہی اپنا گانا، گانا شروع کر دیتا ہے اور وہی اپنی آرام طلبی کا شوق مٹانے لگتا ہے حوالہ گھوٹالہ کی دل سوز کہانیاں اور حمایت کے لئے بیشمار رشوت خوریاں یہ کہنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔

قاتل ہی محافظ ہے قاتل ہی سپاہی ہے

حضرات! موجودہ حکومت کس قدر پائیدار ہے ہم سے زیادہ حکمراں جانتا ہے یہ تاریخ ہند کا پہلا موقعہ ہے کہ اتنی اتنی پارٹیوں کی مخلوط سرکار عوام کی خدمت پر مامور ہوئی ہے اگر آئین ہند کا پابند ہو کر صحیح خدمت ہوتی رہی تو کسی کی طاقت نہیں ہے کہ حکومت گرا دے مگر جب دماغ پر خباثت و شرارت قبضہ کر لے تو پھر اس حکومت کا کوئی مالک نہیں رہ جاتا، سیاست کوئی روزگار نہیں ہے، جس سے اپنی جیب بھری جائے سیاست کوئی پیشہ نہیں ہے جس کے ذریعہ اپنی معیشت درست کی جائے اور اگر کوئی یہ سمجھتا ہے تو یہ غلط ہے بلکہ سیاست ایک خدمت اور ایک سیوا सेवा ہے جس کے ذریعہ عوامی برگشتگی کو دور کیا جائے، سیاست ایک ڈھال ہے جس کے ذریعہ قوم کو مصیبت سے بچالیا جائے، ہندوستان کی سیاست حاضرہ سے تمام ہندی حیران و پریشان ہیں، اگر آپ تاجر ہیں تو ٹیکس کی مہنگائی سے پریشان ہیں اگر آپ عہدے میں ترقی کے طالب ہیں تو رشوت خوری سے حیران ہیں، اگر آپ کسان ہیں تو اشیائے کاشتکاری کی گرانی سے دو چار ہیں اگر آپ مظلوم ہیں تو عدالت کی پھیرا پھیری سے عاجز و لاچار ہیں اگر آپ انصاف کے طالب ہیں تو آپ پر بنیاد پرستی کا وار ہے اور اس سے بھی زیادہ خطرناک و سنگین مسئلہ ہندوستان کی فرقہ پرستی کا ہے اسی بنیاد پر ہندوستان ہندو مسلم میں منقسم نظر

Scanned by CamScanner

آتا ہے......آخر یہ کیسے ہوا؟......اور کیوں؟

دوستو! جب کوئی پارٹی جمہوریت کا غلط استعمال کرے اور کسی ایک قوم کے خلاف آواز لگائے، اس کے آثار مٹانے کے ترغیبی کیمپ لگائے، مسجدوں کو برباد کرنے اور مندروں کو آباد کرنے کا پلان تیار کرے تو سوتے ہوئے شیر کی مانند وہ قوم اُٹھ کھڑی ہوگی اور وہ کسی حکومت اقتدار کی پرواہ کئے بغیر اپنی حفاظت پر کمربستہ ہوجائے گی۔

دوستو! اس مادر وطن میں ہماری پوزیشن کوئی معمولی نہیں ہے ہم متحد ہوکر جس جانب رخ کریں گے ہم متفق ہوکر جس پارٹی کی طرف دھیان دیں گے، ہم ایک ہوکر جس پارٹی کو تسلیم کریں گے اسی کی حکومت بنے گی اسی کا اقتدار بحال ہوگا، موجودہ حکومت مختلف نظریوں کا معجون مرکب ہے مگر یاد رہے کہ ترکیب میں تساوی ہو ورنہ ریت کا یہ محل جلد ہی زمین بوس ہوجائے گا اور ہوسکتا ہے کہ اسے اقتدار سے بھی ہاتھ دھونا پڑ جائے۔

حضرات! ہمیں معلوم ہے کہ مہاراشٹر کی حکومت اپنی ہٹ دھرمی کو برقرار رکھنا چاہتی ہے اسی وجہ سے اس نے چند دنوں کے اندر اندر وہاں کی اردو اکیڈمی اور اقلیتی کمیشن کو ختم کر دیا، کرشنا کمیشن توڑ دیا، یکساں سول کوڈ پاس کیا اور لاکھوں مسلم افراد کو بنگلہ دیشی قرار دیا، یہ چیزیں صرف ہمارے لئے نقصان دہ نہیں ہیں بلکہ اس وطن اور اس کے لوگوں کے لئے بھی نقصان دہ ہیں، حکومت آباد کرنے کے لئے بنتی ہے، بربادی کے لئے نہیں اور جس دن برباد کرنے پر اتر آتی ہے خود برباد ہوکر رہ جاتی ہے۔

دوستو! موجودہ حکومت اپنی صحیح وصاف ستھری سیاست پیش کرے جو کسی قوم، کسی مذہب کی مخالفت میں نہ ہو، کسی خاص متنازعہ فیہ جگہوں کو نہ چھیڑے، ورنہ ہندوستان کی تقدیر پر ایک بھونچال آسکتا ہے، سنہ ۱۹۷۷ء میں حکومت نے کسی مذہب کے خلاف ایکشن لیا اور ایمرجنسی کی فضا چلنے لگی، تو یاد ہوگا کہ مسز اندرا گاندھی جیسی بے نظیر حکمراں ہونے کے باوجود اسے بھی اقتدار سے ہاتھ دھونا پڑا تھا۔

سامعین کرام! فرقہ پرستی کی آگ سلگانے والی جن سنگھ پارٹی جب گڑبڑ کرنے لگی تو جنتا پارٹی کی حکومت گرگئی، جس نے متنازعہ فیہ زمین سے کھلواڑ شروع کردیا، اس کے پرخچے اڑ گئے اور اس کی حکومت ہاتھ سے نکل گئی، آپ خود سوچئے کہ ملک امانت ہے اگر اس میں کوئی خیانت کرتا ہے تو وہ دیش کا غدار ہے، وفادار نہیں، ایسے غداروں کو ہند للکار کر کہتی ہے، یہاں پر جواہر لال نہرو اور لال بہادر شاستری جیسا مزاج رکھنے والوں کی مستحکم حکومت بنے گی، جن کے ذہن ودماغ میں ہندوستانی وسعت تھی اس لئے اگر کوئی تنگ دامنی کا شکار ہوکر برسر اقتدار آنا چاہے تو اس کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا۔

محترم دوستو! آج ہمیں بیدار ہونے کی سخت ضرورت ہے اور پدرم سلطان بود کہنے سے کام نہیں چلے گا ہمارا وقت ہمارا متلاشی ہے تو پھر بلا تاخیر ہندوستان کی حفاظت کرنے کے لئے کمر بستہ ہو جاؤ اور اس کی آغوش میں ہونے والی فرقہ پرستی کے خلاف اعلان جنگ کردو:

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

Scanned by CamScanner

جنت نشاں اور ہمارا کردار

مولانا محمد عرفان قیصر صاحب قاسمی

نحمده و نصلی علیٰ رسوله الکریم. اما بعد!

چشتی نے جس زمیں میں پیغام حق سنایا
نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا
تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا
جس نے حجازیوں سے دشت عرب چھڑایا
میرا وطن وہی ہے ، میرا وطن وہی ہے

میرے نوجوان ساتھیوں اور ملت کی نوخیز نسلو! آج کی حالتیں لیل ونہار کی گردشیں اور رات دن کی کروٹیں نت نئی چیزوں کا پیغام لے کر آرہی ہیں یہ بات بالکل عیاں اور صاف وشفاف ہے کہ ہندوستان ہمارا ملک اور مادر وطن ہے اور یہاں ہمارا وجود آج سے نہیں بلکہ ایک مدت سے ہے یہاں کی خوشیوں اور مسرتوں میں ہم ساتھ ہیں یہاں کے رنج وغم اور کرب والم میں ہم شامل ہیں جب جب ہندوستان میں کوئی بات ہوئی تو سلجھانے کے لئے ہم آگے بڑھے، جب جب کسی ظالم نے اس کے سہاگ کو لوٹنے کی کوشش کی تو اس کی حفاظت کے لئے ہم سینہ سپر ہوئے اس گلشن پر جب ظلمت کی تیز و تند آندھیاں چلنے لگیں تو انہیں روکنے کے لئے ہم آگے بڑھے کسی نے بری نیت اور ناپاک ارادوں کے ساتھ یہاں کے حسن وجمال اور فضل وکمال سے کھلواڑ شروع کیا تو

Scanned by CamScanner

اس کے ارادوں کی دھجیاں سب سے پہلے ہم نے اڑائیں کہاں تک گناؤں سچ تو یہی ہے کہ:

چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

دوستو! آج فرقہ پرستی کی ہواؤں نے پورے ماحول کو زہر آلود کر دیا ہے منافرت کی چنگاریوں نے سکون واطمینان کے ہر محلات کو خاکستر کر دیا ہے بغض وعداوت کے گندے اثرات ہر جگہ پھیل چکے ہیں آسمان ہند پر ظلم وستم کے گھنگھور بادل چھائے ہوئے ہیں، ہندوستان کی گلیاں ماتم کدہ ہیں بھارت کا بچہ بچہ اپنی نازک آنکھوں میں مستقبل کی امید لئے ہوئے ہے انصاف کی چیخیں نکل رہی ہیں جمہوریت کا شیرازہ بکھر رہا ہے، خلاصہ یہ کہ:

محسوس یہ ہوتا ہے کہ دور تباہی ہے ❁ شیشے کی عدالت میں پتھر کی گواہی ہے

پہلو میں دل رکھنے والے لوگو اور حقانیت کے علمبردارو! ہم مذہب اسلام سے سرشار ہیں نبی آخر الزماں ﷺ کے پیروکار ہیں اور باطل کے مقابلے میں جانباز ہیں، ہمارے جسم پر فقر وفاقہ زیب تن ضرور ہے مگر ہمارے دلوں پر قیادت وسیاست حفاظت وسیادت کی پکی لکیریں بھی ہیں، تاریخ گواہ ہے کہ ہماری قیادت کو جب دنیائے رنگ و بو نے دیکھ لیا تو نمونہ بنا کر اپنی راہیں ہموار کرلیں، بڑی بڑی حکومتوں کی راہیں مسدود ہوگئیں ارادے متزلزل ہو گئے اور ہزاروں ارمان خاک آلود ہو گئے وہ وقت یاد کیجئے جب ہماری حکمرانی اور حکومت کی کامیابی کا چرچا چہار دانگ عالم میں ہونے لگا تو آسمان پر چمکنے والے ستارے بلندیوں پر پرواز کرنے والے پرندے اور ہزاروں میل دور کرنیں پھیلانے والے سورج بھی اپنی اپنی راہوں کو قطع کرنا ہماری حکومت اور سلطنت میں فخر سمجھے بغیر نہیں رہے:

نشان راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو ❁ ترس گئے ہیں کسی مرد راہ داں کے لئے

عزیزان ملت! مسلمانوں کی آمد سے قبل ہندوستان لڑائی اور جھگڑوں کا اڈہ بن چکا

تھا، مذہبی ٹکراؤ اس قدر تھا کہ ایک دوسرے کی عبادت گاہوں تک کو نہیں بخشتے تھے جین دھرم والے الگ شور وغل کرتے تھے، بودھ دھرم علیحدہ لوگوں کی راہیں ہموار کرتے تھے عام اور سیدھے سادے انسان برہمن اور راجپوت وغیرہ سے عاجز آگئے تھے گویا کہ افراتفری کا ایک بھیانک سماں تھا لوگ آرام وسکون کی پرلطف زندگی کے متلاشی تھے، عورتوں کے ساتھ کوئی انصاف کوئی فیصلہ تسلی بخش ہوتا ہی نہیں تھا جس بے چاری کا شوہر اگر مرجاتا تو اس بے چاری کی زندگی میں خوشگواری کا پیدا ہونا ناممکن ہی نہیں بلکہ محال تھا اور اتنا ہی نہیں بلکہ نہ جانے ان پر کیسے کیسے فقرے کسے جاتے تھے کہ سُنکر صحیح ضمیروں کی چیخ نکل پڑتی تھی۔

لوگو! جب ظلم و بربریت اور سفاکی و درندگی کے ماحول سے یہاں کی خوشگوار فضائیں بالکل خراب ہوتی جارہی تھیں تو خالق ارض وسماں اور مالک کون ومکاں نے رحم وکرم، لطف ومہربانی اور عنایت وبخشش کے لطیف جھونکے اس طرح چلائے کہ ہندوستان کی تاریک گلیاں تک روشن ہونے لگیں آفتاب نبوت ورسالت کی محبوب کرنیں مہلب بن صفرہ کے ذریعہ ہندوستان کے درو دیوار پر چمکنے لگتی ہیں، آہستہ آہستہ یہاں کی سلطنت کی باگ ڈور اور زمام اقتدار کو مضبوطی سے تھامنے اور عوام الناس کو صحیح اور سکون کی سانس عنایت کرنے کے لئے ایک سے ایک بہادر، جری، اولوالعزم اور باہمت شخص محمد بن قاسم کی شکل میں نمودار ہوا تو کبھی غزنوی کی صورت لے کر، کبھی غوری کی تصویر لے کر آیا یہاں کی دھرتی پر پلنے والے لوگوں نے خلجیوں کو دیکھے بغیر نہیں مانا، تاتاریوں کا استقبال کرنا نہیں چھوڑا، پٹھانوں اور مغلوں کو چشم وابرو سے لگایا، کیوں؟ صرف اور صرف اس لئے کہ حق کا اعلان، تمام لوگوں میں مساوات کا پیغام اور عدل وانصاف کا قیام ان کی نیتوں اور ان کے ارادوں میں موجود تھا اور اس کی یہاں پر ضرورت تھی آخر کار ایک امنڈتا ہوا سیلاب تھا، حکمرانوں کا، ایک تیز وتند طوفان تھا قائدوں کا، منتہائے نظر بلامبالغہ آٹھ سو سال سے زائد حکمرانی کر کے ہندوستان کے ارض مقدس پر ظلم وستم

کے خلاف وہ بھیانک اور خطرناک جنگ کی اور انصاف کی ہوائیں اس طرح چلائیں کہ زمانہ آج بطور نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے:

سو بار سنوارا ہے ہم نے اس ملک کے گیسوئے برہم کو
یہ اہل جنوں بتلائیں گے کیا ہم نے دیا ہے عالم کو!!!

وطن کے جانباز مجاہدو اور وفا شعار لوگو! ہندوستان نے جہاں اپنوں کو جگہ دی ہے وہیں غیروں کو بھی اپنی آغوش میں بٹھانے کی کوشش کی ہے مالی آئے تو گلشن کو سجا کر حسین بنا کر رکھ دیا، گل چین آئے تو اس نے خاردار اور کھنڈر بنا کر رکھ دیا وہ وقت ارباب تاریخ لکھنے سے رکے نہیں ہیں کہ انگلینڈ میں سنہ ۱۶۰۰ء میں ایک تجارتی کمپنی کا قیام عمل میں آیا تھا اور ٹھیک شہنشاہ جہانگیر کے زمانے میں یہاں بھی سنہ ۱۶۱۲ء میں گیارہ جنوری کو اسی تجارتی کمپنی کی بنیاد رکھی گئی تھی، جسے ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے بڑے بڑے شہروں میں تجارتی مراکز قائم کرنے کی اجازت لی گئی اور آہستہ آہستہ اپنی عیاری سے حکومت پر قابض ہو گئے یہ حالات ہندوستان کے حق میں بہت برے تھے غلامی کی لہریں ہندوستان کے لوگوں کے دلوں پر چلنے لگیں یہ ظالم انگریز اپنی چالبازیوں، مکاریوں اور دغابازیوں کے در پردہ مسلمانوں سے دشمنی اور عداوت کا مکمل بدلہ لینے پر تلے ہوئے تھے انسانیت سسک رہی تھی، ہر طرف حیوانیت اور درندگی کا دور دورہ تھا، انگریزوں نے یہاں کی ساری املاک و جائیداد کو لوٹ لیا جب یہاں کے لوگوں کی غیرت کو چیلنج کیا اور للکارا تو علمائے کرام اور ان کے ساتھ یہاں کے عوام جن کے دلوں میں آزادی کی شمع جل اٹھی تھی برسر پیکار ہوئے اور یہ کہتے ہوئے میدان جنگ میں کود پڑے:

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے؟

دوستو! میسور کی دھرتی آج بھی سلطان حیدر علی اور ان کے فرزند ارجمند سلطان ٹیپو

کے نام سے لرزتی ہے، جنہوں نے اپنی ساری زندگی میں انگریزوں کو لوہے کے چنے چبوادیئے تھے اور آزادی کی خاطر دونوں مردان مجاہد نے اپنی جان کا نذرانہ مادر وطن کو دیدیا مگر وہاں کی حکمرانی پر ظالم انگریز کی ایک نہ چلی سنہ ۱۸۰۳ء کا سال یاد ہے کہ آزادیٔ ہند اور وقار ہند بحال کرنے کے لئے انگریزوں کے خلاف شاہ عبدالعزیزؒ نے فتویٰ صادر کیا کہ ہندوستان دارالحرب ہے، کیا سنہ ۱۸۵۷ء میں علمائے کرام اوران کے حاملین میدان شاملی میں خون سے شرابور نہیں ہوئے؟ اور حافظ ضامن نے کس دن کے لئے جام شہادت نوش کیا تھا؟ جلیانوالہ کا حادثہ عظمیٰ کس دن کے لئے تھا؟

قوم وملت کے غیرت مندو: یہ سب ہمارا ہی کردار ہے جسے ہندوستان کی تعمیر وترقی کے لئے ہمارے اکابرین اور اسلاف نے وقف کیا تھا تمام قربانیاں، پریشانیاں اور تکالیف کے بعد ان کے ثمرات ۱۹۴۷ء میں دنیا کے سامنے ظاہر ہوئے:

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

(اقبالؒ)

آج غلامی کے ایام ختم ہوئے کافی دن گذر گئے مگر ہمیں صحیح حقوق ملنا تو دور کی بات ہے حقوق اصلیہ بھی چھینے جارہے ہیں، ہمارے ساتھ ظلم وستم کا رویہ روا رکھا جارہا ہے ہندوستان میں ہم مسلمانوں کا جینا دوبھر ہوگیا ہے ہمیں فرقہ پرستی کی آگ میں جھونکا جا رہا ہے، فسادات کا اصل نشانہ ہم ہوتے ہیں ہماری اس دھرتی پر اتنی قربانیوں کے باوجود ہماری اس طرح ''عزت افزائی'' کی جارہی ہے:

جب گلستاں کو خوں کی ضرورت پڑی ❁ سب سے پہلے ہماری ہی گردن کٹی
پھر بھی کہتے ہیں یہ آج اہل چمن ❁ یہ چمن ہمارا ہے، تمہارا نہیں !!!

وقت کے غیور فرزندو! ہمارا مستقبل تبھی تابناک ہوسکتا ہے جبکہ ہم اپنے ماضی کی تاریخ کو سامنے رکھ کر آگے بڑھیں گے ہم میں وہ روح آج بھی موجود ہے، ہماری

Scanned by CamScanner

طاقتیں سلب نہیں ہوئی ہیں، ہماری راہیں کھلی ہوئی ہیں ہمارے ارمان ابھی بکھرے نہیں ہیں ہم آج بھی اپنے ارادوں کو فولادی قوت دے سکتے ہیں، اپنے عزم کو کوہ ہمالیہ کی چٹان بنا سکتے ہیں، تو تاخیر کس بات کی؟ رکاوٹ کیوں؟ اٹھو! آگے بڑھو اور کھینچ لو ظالم کی زبانوں کو سلب کرلو باطل کی طاقتوں کو، روک لگا دو مخالفوں کی راہوں پر۔

خاموش مزاجی تمہیں جینے نہیں دے گی
اس دور میں جینا ہے تو کہرام مچا دو !!!

وقت پر حکمرانی کرنے والے تم ہو، تمہارے دلوں میں آج بھی وہ انگڑائیاں موجود ہیں جن کی ضرورت آج ہے ہماری فطرت اسلام کے خلاف اٹھتی ہوئی آواز کو برداشت نہیں کرسکتی، ہماری غیرت قرآن کے خلاف بلند کی گئی آواز کو کبھی تسلیم نہیں کرسکتی، ہمارے جسم کی حرارت اسلامی اصول وقوانین میں ترمیم وتبدیلی کو کبھی قبول نہیں کرسکتی مستقبل کی کامیابی ہماری حرکت وسکون میں مضمر ہے، آنے والے دنوں کی روشنی ہمارے مضبوط ارادوں میں پوشیدہ ہے ہم جان کو ہتھیلی پر رکھ کر اکابر واسلاف کے طریقے کی تجدید کریں تاکہ ہندوستان کا ہر خطہ امن وسکوں کا گہوارہ بن جائے قدرت سے امید ہے کہ کامیابی ہماری دامن گیر ہوگی:

کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری
صدیوں رہا ہے دشمن دور جہاں ہمارا

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

Scanned by CamScanner

یومِ آزادی

خطیب: مولانا جمیل احمد نذیری صاحب فاضل دیوبند

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم. اما بعد!

محکوم کا دل مردہ و افسردہ و نومید
آزاد کا دل زندہ پر سوز و طربناک

محترم بزرگو اور دوستو!

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آج ہم اپنے ملک کا یوم آزادی منا رہے ہیں، آزادی بڑی نعمت ہے، اس کی اہمیت کا صحیح اندازہ انہیں کو ہو سکتا ہے جو کبھی غلام رہ چکے ہوں، یا آزادی کی زندگی کھو چکے ہوں، لیکن آزادی کی نعمت کا صحیح لطف اسی وقت اُٹھایا جا سکتا ہے، جب وہ مقاصد بھی پورے ہو رہے ہوں جو ملک کی فلاح و بہبود کے واسطے لائحہ عمل کے طور پر متعین کئے گئے تھے، اگر کہیں پر ایسا ہو کہ آزادی کے اغراض و مقاصد کو پس پشت ڈال کر آزادی کا دن منایا جا رہا ہو، اور اس کی آمد پر خوشی و مسرت، کیف و سرور کا اہتمام کیا جا رہا ہو، تو ہم بجا طور سے یہ کہہ سکتے ہیں اور کہیں گے کہ یہ خوشی ادھوری اور یہ مسرت نا تمام ہے۔

محترم حضرات! بحیثیت ایک مسلمان ''یوم آزادی'' ہمارے نزدیک دو پہلوؤں کا حامل ہے ایک پہلو وہ ہے جو عام لوگوں یعنی ہندوستان کے سبھی فرقوں، گروہوں اور مذہب کے ماننے والوں کے لئے ہے، دوسرا پہلو خاص طور سے اسلامی اعتبار سے ہے

Scanned by CamScanner

آج پندرہ اگست یعنی یوم آزادی کے موقع پر بہتر ہے کہ اس کے دونوں رخوں اور دونوں پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے اور دونوں کے متعلق گفتگو کی جائے، جہاں تک مسلمانوں سے متعلق پہلو کا سوال ہے اس کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں، ایک یہ کہ اسلام میں آزادی کا کیا مقام ہے؟ دوم یہ کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں کیا حصہ لیا ؟ اس کے لئے کیا قربانیاں دیں، یوم آزادی کا عام پہلو جو سب سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ آزادی کے اغراض ومقاصد پورے ہورہے ہیں یا نہیں؟

اسلام میں آزادی کا کیا مقام ہے؟ اور اسلام آزادی کی زندگی کو غلامی پر کس قدر ترجیح دیتا ہے؟ اس کے جاننے کے لئے فقہ کی کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت ہے جس میں اس موضوع سے متعلق مستقل ابواب قائم کئے گئے ہیں، میں یہاں ان تمام باتوں کا احاطہ نہیں کر سکتا، البتہ مختصراً اور اجمالی طور سے یہ بتانے کی کوشش ضرور کروں گا کہ اسلام میں آزادی کو کیا درجہ حاصل ہے۔

اسلام کے نزدیک اصلاً ہر انسان آزاد ہے، یعنی بنیادی طور سے اسلام ہر انسان کو آزاد تسلیم کرتا ہے، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام جن سے انسانوں کی یہ ساری نسل وجود میں آئی، آزاد پیدا ہوئے تھے غلامانہ زندگی اسلام کے نزدیک اوپر سے لادی ہوئی اور الگ سے عارض کی ہوئی زندگی ہے، اس عارض اور رکاوٹ کو دور کردینے کے لئے اسلام واضح ہدایات دیتا ہے، اسلام یہ ترغیب دیتا ہے کہ جس کے پاس غلام ہوں وہ انہیں آزاد کردے، اور اس حکم پر عمل کرنے والا اسلامی تعلیمات کے مطابق خدا تعالیٰ کے یہاں اجر وثواب کا مستحق قرار پاتا ہے، اسلام لونڈیوں اور غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے، آزادی کا پہلو اسلام میں اس قدر جاندار ہے کہ اگر کوئی ہنسی ہنسی یا مذاق میں بھی اپنے غلام کو آزاد کرے تو اس کا مذاق بھی اسلام کے نزدیک حقیقت پر محمول کیا

Scanned by CamScanner

جائے گا، اور غلام آزاد ہو جائے گا، اگر کوئی شراب کی ترنگ میں آکر اپنے غلام کو آزاد کرے تو اس کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔

رسول خدا ﷺ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی حقیقت تو حقیقت ہے ان کا مذاق بھی حقیقت پر محمول کیا جائے گا، حضور ﷺ نے ان تین چیزوں میں اس کو بھی شمار کرایا ہے کہ کوئی شخص اپنے غلام یا لونڈی کو مذاق کے طور پر آزاد کردے۔

اسلام غلامی کی زندگی گزارنے والوں کو آزادی کی دولت سے کس طرح نوازتا ہے اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگتا ہے کہ کفارہ میں خواہ روزے کا ہو یا ایلاء، وظہار، وقتلِ خطا کا، یا کسی اور چیز کے نتیجہ میں کفارہ لازم آرہا ہو، سبھی میں کسی نہ کسی حد پر پہنچ کر غلاموں اور باندیوں کی آزادی کا مرحلہ ضرور آتا ہے، اسلام نے انسانی زندگی کو آزادی کی نعمت سے مالامال کرنے پر کس قدر اہمیت دی ہے ؟ اور کیا تعلیمات پیش کی ہیں، اس کا پورا پورا اندازہ لگانے کے لئے اسلامی تعلیمات کا بغور مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔

یوم آزادی کا ایک خاص پہلو جو مسلمانوں سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان کو غلامانہ زندگی سے نکال کر آزادی کی زندگی عطا کرنے میں ہندوستان کے مسلمانوں کا کیا رول رہا، انہوں نے اس سلسلے میں کیا کارنامے انجام دیئے، آزادیٔ ہند کی جنگ میں ان کی کیا خدمات ہیں یہ بات بلا جھجھک کہی جا سکتی ہے کہ ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں ہندوستانی مسلمانوں نے بڑا سرگرم حصہ لیا ہے، بہت قربانیاں دیں جان و مال ہر طرح سے تج دے کر ملک کو آزاد کرانے کے لئے تن من دھن لگا دیا، آزادیٔ وطن کی خاطر جان پر کھیل گئے، جیلوں کی ہوا کھائی، انگریزوں کے مظالم سہے، آزادی ہند کی خاطر دار ورسن کو دیوانہ وار چوما، سولی اور پھانسی کے پھندے ان کے حوصلوں کو پست نہ کر سکے، ان کے ولولے انگریزوں کے پیہم مظالم سے سرد ہونے کے بجائے روز بروز بڑھتے رہے، انگریزوں کا جور واستبداد، جیل اور قید وبند کی کس مپرسی کی زندگی،

Scanned by CamScanner

پھانسی کے پھندے جلاوطنی کی زندگی ان کے جذبۂ حریت پر پٹرول کا کام کرتے تھے، انگریز ان آزادی کے متوالوں کے جسم پر تو قابو پاسکتے تھے، مگر ان کی روحیں ان کی دسترس سے باہر تھیں، وہ ان دل ودماغ تک کیسے رسائی حاصل کرسکتے تھے، جہاں وطن پر مرمٹنے اور وطن کو انگریزوں کے پنجۂ استبداد سے رہائی دلانے کے جذبات موجزن تھے، وہ اُن حوصلوں اور ولولوں کو کیسے چھین سکتے تھے جو عقل وہوش کی منزل سے پرے اپنا مقام بنا چکے تھے۔

انگریزوں کے ناپاک قدم جب ہندوستان میں آئے، اور انہوں نے ہندوستان پر قبضہ کرنے کی ترکیبیں سوچنی شروع کردیں، اسی وقت سے مسلمان ہندوستان کی تحریک آزادی میں شامل ہوگئے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جنگ آزادی کی قیادت ان علماء نے کی جو ایک طرف رات کی تاریکیوں میں زاہد شب بیدار تھے، تو دوسری طرف دن کے اجالے میں غازی اور مجاہد اسلام، شاملی کا میدان ہو یا "ریشمی رومال" کی تحریک، پلاسی جنگ ہو یا سرنگا پٹنم کی وادیاں یا تحریک حریت کا کوئی اور علاقہ، ہر جگہ مسلمان حریت پسندوں کے عظیم الشان کارنامے تاریخ کے صفحات کا ایک سنہرا عنوان ہیں، اسیر مالٹا حضرت شیخ الہند کی "ریشمی رومال" تحریک مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، جہاد آزادی کے یہ وہ روشن ستارے ہیں جو آسمان جہد آزادی پر ہمیشہ چمکتے اور دمکتے رہیں گے، ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنے خونِ جگر سے اس گلشن ہند کو سنوارا ہے، گلستانِ ہند کے پتے پتے پر مسلمانوں کے روشن کارنامے درج ہیں:

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

محترم حضرات! "یوم آزادی" کا دوسرا پہلو جو میں نے بتایا تھا وہ عام ہندوستانیوں سے متعلق ہے، خواہ وہ ہندو ہو یا مسلم، سکھ ہو یا عیسائی، یا کسی اور مذہب کے ماننے

Scanned by CamScanner

والا ہندوستانی ہو، حقیقت یہ ہے کہ "یوم آزادی" ہمارے لئے "یوم احتساب" ہے آج کے دن ہمیں سوچنا چاہئے کہ ہمارے بڑوں نے آزادی کی جنگ لڑنے کے لئے جو خواب دیکھا تھا، وہ پورا ہو رہا ہے یا نہیں، یہ بات تو بہر حال غلط ہے کہ ہمارے ملک نے اپنے مستقبل کی طرف کوئی پیش رفت نہیں کی، اور مستقبل کے متعلق مجاہدین آزادی نے جو خواب دیکھے تھے، وہ ادھورے رہ گئے، لیکن اس کے ساتھ ہی ہم کو عروج وترقی کی کسی منزل کو آخری منزل نہیں سمجھنا چاہئے، بلکہ حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے کامیابیوں اور کامرانیوں کی نئی وسعتیں تلاش کرتے رہنا چاہئے جس طرح آزادیٔ وطن کی تحریک میں ہندو مسلم سبھی نے برابر کا حصہ لیا سبھی نے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر آزادی کی جنگ لڑی، اسی طرح آج کے پیش آمادہ مسائل کو بھی اتحاد و یکجہتی کی انہیں روشن مثالوں سے اپنے سینوں کو منور کر کے حل کیا جا سکتا ہے آج کی جنگ جیتنے کے لئے بھی ہمیں اُسی اتحاد کی ضرورت ہے:

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد

رہِ جہاد میں ذکرِ شکست کیا معنی
مآلِ مردِ مجاہد شہید یا غازی

جنگِ آزادی میں علماء اور مسلمانوں کا مثالی کردار

خطیب: مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیریؒ

نحمده و نصلی علیٰ رسوله الکریم .

خطبہ مسنونہ کے بعد! عزیز طلباء اور اساتذۂ کرام!

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

سب سے پہلے آپ کو اس عزم پر مبارکباد دینا ہے کہ آپ نے اپنی تاریخ سے واقفیت اور اکابر کی پُر جہد زندگی سے آگہی کی راہیں ہموار کیں، وہ اکابر جو جہادِ آزادی کی راہوں میں روشن چراغ، منور فانوس، دوڑتی ہوئی آندھی، اُٹھتے ہوئے طوفان ہیں، آپ کے اس شوق و ذوق، طلب و جستجو کی تعریف بھی کی جاسکتی ہے اور تحسین بھی، ستائش بھی کی جاسکتی ہے، اور تبریک بھی۔

عزیزو! آپ کو اپنی قیمت معلوم نہیں، اور نہ آپ نے اپنی گرانقدر حیات کے ان گوشوں کے سراغ میں کوئی سفر شروع کیا، جو کتاب زندگی کے اُجلے عنوان، قیادت و امانت کے روشن ابواب ہیں، آپ سیاحت گاہِ عالم میں دوسروں کو دیکھنے کے لئے بے چین ہوتے ہیں اور دوسروں کو سننے کے لئے بیتاب، حالانکہ عالم آپ کے ہونٹوں سے نکلی ہوئی آواز کے لئے ہمہ تن گوش ہے وہ آپ کو دیکھنے کے لئے بیقرار اور سننے کے لئے سراپا انتظار ہے، پس آپ کی طرف سے تاخیر اور اہلِ طلب کی جانب سے پُر شوق

مطالبہ آپ کی اس سرد مہری پر بلہجہ حسرت و باآواز حزن وملال یہی کہا جاسکتا ہے:

اے تماشا گاہ عالم روئے تو ❁ تو کجا بہر تماشہ می روی

میں بجائے خود ممنون ہوں اور آپ کا شکر گذار کہ اس فرصت میں آپ کو کچھ سنانے اور آپ سے کچھ کہنے کا زریں موقع آپ کی کرم فرمائی سے بہم پہونچا، شاید میں اس طرح اس قدیم ماضی کو آپ کے سامنے لانے میں کامیاب ہوسکوں، جس کو آپ ہی کی سرد مہری نے مستقبل کے تابناک نقوش اور حال کے منور اجالوں کے بجائے داستان پارینہ اور عجائب گھر کی یادگار بنادیا ہے، اگر میرے یہ جملے دلخراش اور لہجہ کی یہ تلخی آپ کو ناگوار خاطر بنائے تو جو کچھ کہنا ہے اس سے تو خود کو روکنے پر قادر نہیں، لیکن آپ کی رعایت سے پیشگی معذرت حاضر خدمت ہے۔

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف

آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

جب اس درد کو سوا آپ نے کیا ہے، زخموں کے کریدنے والے آپ ہی ہیں تو میری چیخ و پکار پر آزردگی، میری آہوں اور میری تڑپ پر کلفت بلاضرورت بھی ہے اور ناانصافی بھی، اس لئے عزیزو ! جو کچھ عرض کروں اگرچہ وہ تلخ بھی ہو، لیکن سننے کے لئے دماغوں کی کھڑکیاں کھول ڈالو، دلوں کے بند دروازے وا کردو، پیچھے نہ ہٹو آگے آؤ، اعراض نہ کرو، التفات کے ساتھ آؤ، کیا عجب ہے کہ ان شکستہ آوازوں میں زندگی کا سراغ مل جائے، اور جہد کی راہوں میں قدم زنی کی کچھ ہمتیں اور کچھ سہارے نصیب ہوں۔

اسلام اور حریت پسندی:

عزیزان گرامی! اس اجتماع کا مقصد اور اس ہم نشینی کی غایت ان خطابات سے سامنے آچکی جو آپ ہی کی برادری کے کچھ افراد سے سننے میں آئی، میں بھی ایک طالب علم ہوں، اور کچھ طالب علمانہ ہی باتیں آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔

دوستو! میرا دعویٰ ہے کہ اسلام حریت پسندی کا سب سے بڑا داعی اور آزادی کا

سب سے بڑا علمبردار ہے، لیکن اس وضاحت کے ساتھ کہ اس آزادی اور حریت سے اباحت پسندی کی وہ غلاظت مراد نہیں جس کے تعفن سے انسانیت کے دل ودماغ پھٹے جاتے ہیں، وہ اباحت پسندی نہیں جو انسان کو حیوان، متمدن کو جانور بنانے کی ٹھیکہ دار ہو، جس میں حلال وحرام کی تمیز نہ ہو، اور جائز وناجائز کے فروق ختم کردے جائیں، نہیں نہیں، اسلام جیسا صحیح، سچا، واقعی خدا کا پسندیدہ مذہب اس طوفان بدتمیزی کا خیمہ بردار کیوں بننے لگا، بلکہ آزادی سے مراد وہ آزادی ہے جس میں تمام بندے صرف ایک خدا کے عباد ہوں اور بس! رسول کی رسالت، بادشاہوں کی فرمانروائی، امیروں کی امارت ائمہ کی امامت، اس حیثیت سے تسلیم نہ ہوں کہ وہ ہمارے خدا ہیں اور ہم ان کے بندے، بلکہ خدا ایک، ہم سب بندے، سب کے مناسب حقوق اور سب کو اپنے واقعی چوکھٹوں میں تسلیم کرنے کا جائز ومتوازن سلیقہ، یہ ہے وہ حریت پسندی جس کی دعوت اسلام دیتا ہے، جس کا وہ علمبردار ہے، جس کی جانب وہ بلاتا ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ اسلام سے مراد وہ حقیقت ثابتہ سچا دین ہے جس کے داعی آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اکرم ﷺ تک خدا کا ہر ایک پیغمبر، ہر نبی اور ہر رسول رہا ہے، اس وضاحت کی روشنی میں تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کارنامے اور شاہکار خلق خدا کو غیر اللہ کی غلامیوں سے نجات دلا کر ایک سچے وبرحق خدا سے وابستہ کرنے کی مسلسل جدوجہد نظر آئے گی، جس کی صاف تصویر اور روشن مضمون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہ مجاہدانہ کوششیں ہیں، جو بنو اسرائیل کو فرعون کے استبداد اور اس کے ظالمانہ تسلط سے آزاد کرانا تھا۔

موسوی کارنامہ:

معلوم ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی مرکزی دعوت اور ان کے کارنامے کا سنگ میل فرعون سے بنو اسرائیل کی آزادی کا پُرعزم مطالبہ ہے، حضرت نے اپنے مقصد کے ذیل میں فرعون کے ان احسانات اور عنایات کے طومار کو بھی درخور اعتناء نہیں سمجھا جو خود حضرت پر طفولیت سے تا بلوغ رہی تھیں، قرآن ہی میں ہے کہ فرعون نے موسیٰ کے

روبرو اپنے احسانات کی طویل فہرست پیش کرتے ہوئے حریت پسندی کی اس آگ کو گل کرنا چاہا تھا جو حضرت کے سینہ کے آتشدان میں بھڑک رہی تھی، موسیٰؑ کا جواب یہ تھا کہ یہ شفقتیں بنواسرائیل کی غلامی کا معاوضہ نہیں بن سکتیں، جس سے معلوم ہوا کہ امام حریت اپنی راہ میں حکومت متسلطہ کے ان انعامات کو بھی سنگ گراں نہیں بننے دیتا جو اس کی ذاتی زندگی سے تعلق رکھتے ہوں، یہ قائد کی بے غرض وطمع زندگی کا ایک اسوۂ جمیل ہے۔

پھر اس حریت پسندی کی آفاقی شکل وصورت رسول اللہ ﷺ کے میموں عہد میں تیار ہوئی، غالباً ابوبکر صدیقؓ ہی کا واقعہ ہے کہ آپ اپنے کسی غلام کو اس کی غلطی پر تادیب فرما رہے تھے تو عقب سے ایک گرجدار آواز صدیقؓ کے کانوں میں پہونچی کہ:

''ابوبکر! تم نے انسانوں کو کب سے اپنا غلام بنالیا، حالانکہ وہ ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے تھے''

یہ ہے اسلام کا وہ نظریہ جو انسان کی آزادی سے متعلق اس کے مذہبی تصورات کا روشن باب ہے یہی وجہ تھی کہ رسول اکرم ﷺ نے غلاموں کی آزادی کا وہ صور پھونکا جس کے نتیجہ میں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فہرست حسن اعمال میں سینکڑوں غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے کے تفصیلی تذکرے ملتے ہیں، پھر اسی پر اکتفا نہیں، بلکہ ان غلاموں کو آزاد کر کے علم وعمل، دانش وفن کی ان بلندیوں تک پہونچایا جہاں نسلی آزاد طبقہ کی بھی پرواز نہیں، سیدنا ابن عباسؓ نے ایک غلام کو دیکھا کہ زمین سے بلند مقام پر بیٹھ کر اس طرح درس دے رہا ہے کہ عرب قدیم کے سینکڑوں نخوت پسند احرار اس کے سامنے زانوئے ادب تہہ کئے ہوئے ہیں، ابن عباس نے یہ اس منظر پر یہ مختصر سا تبصرہ فرمایا کہ: ھکذا یرفع العلم۔

اسلام نے غلاموں کو کیا کچھ دیا اس کی تفصیل مولانا سعید احمد اکبرآبادی کی کتاب ''غلامانِ اسلام'' میں مل سکتی ہے، کیا اس کا انکار کیا جاسکتا ہے کہ بعض جرائم اور معصیتوں

Scanned by CamScanner

کی پاداش میں بطور کفارہ غلاموں کو آزاد کرنے کی جو راہ اسلام نے قانونی بنا دی وہ طوق غلامی سے ان انسانوں کو نکالنے کی جلی و خفی کوشش نہیں تھی؟ اسلام کے اس کارنامہ کی صحیح قدر و قیمت اس وقت آپ کو محسوس ہوگی، جب کہ آپ چند روز پہلے اخبارات میں آئی ہوئی اس وحشت انگیز خبر کو پڑھیں گے کہ اس چودہویں صدی میں بھی جب تمدن کا آفتاب جہاں تاب ظلمت کدہ عالم کے ایک ایک ذرہ کو روشنی بخشے ہوئے ہے، تو بھی یورپ میں انسانوں کی غلاموں کی طرح خرید و فروخت اور باقاعدہ درآمد و برآمد ہو رہی ہے، اس جرم کا ارتکاب وہی یورپ کر رہا ہے جس کی زبان اسلام کی تصورات و تعلیمات پر نکتہ چینیوں کے لئے ہمیشہ کھلی رہی، اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ سنہ ۱۹۴۷ء سے پہلے برطانیہ نے خود ہمارے اس وسیع ملک کو اور یہاں کے باشندوں کو غلامی کی زنجیر سے اس طرح جکڑ رکھا تھا، جس کی گرفت کو توڑنے کے لئے سو سال کا طویل عرصہ مصروف رہا۔

عہد بعہد:

عزیزو! صدیقی خلافت ہو یا فاروقی امارت، عثمان و علی کی سیادت ہو یا معاویہ کی فرمانروائی، ہر ایک کا مقصد انسانوں کو آزاد کرانا اور غیر اللہ کی گرفت سے نکالنا تھا، اس مقصد نے ایسا تسلسل اختیار کیا کہ ائمہ اربعہ کی سوانح بھی ان تذکروں سے خالی نہیں مولانا مناظر احسن گیلانی کی طویل و مستند شاہکار تصنیف ''ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی'' میرے اس دعوے کا بہترین ثبوت ہے، شاید آپ کو معلوم ہو کہ اہل بیت کے بعض افراد کو جو مستبدانہ نظام سے برسر پیکار تھے، امام ابوحنیفہؒ کا مالی و عملی بھرپور تعاون حاصل تھا اور یہ تو صرف ایک مثال ہے، ورنہ عصر حاضر تک عزیمت کی یہ تاریخی کڑیاں اسی طرح مربوط نظر آئیں گی۔

ابن تیمیہؒ کا کارنامہ:

برادران عزیز! اگر تاریخ میں یہ سیاہ تحریر بھی ملتی ہے کہ بغداد کے اسلامی نظام

حکومت پر ایک جابر و قاہر شہنشاہیت کو حملہ آور بنانے میں ایک شیعی عالم کا دماغ اور اس کے حوصلے کام کر رہے تھے، تو وہیں یہ اجلے نقوش بھی تاریخ کا بہترین سرمایہ ہیں کہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ شام سے بادِ صبا کی طرح اٹھے، اور مصر کے تاج و تخت کو ''ہلاکو'' کی اولاد کی ہلاکت انگیزیوں کے مقابلہ میں لانے کے لئے کامیاب ہوئے، مصر کے دربار میں ان کا نعرہ جہاد جس وارفتگی سے بلند ہوا، اس کی داستان آج بھی تاریخی تذکروں میں پڑھی جا سکتی ہے، یہ امام وقت جس وقت ٹھٹھرے ہوئے ماحول کو سوز حیات دے رہا تھا تو بحلف کامیابی کا یقین اس کے دل سے اٹھ کر زبان کے ذریعہ فضا میں پھیل رہا تھا، بیخودی و سرمستی جہاد کا یہ عالم تھا کہ عزیز شاگرد حافظ ابن قیمؒ کی یہ سفارش بھی گوارہ نہ ہوئی کہ ''استاد انشاء اللہ کہہ لیجئے''، مجھے یاد پڑتا ہے کہ چند سال پہلے اخبار ''جمعیۃ'' کے مدیر شہیر مولانا عثمان فارقلیط نے اپنے ایک مقالہ میں بتایا تھا کہ ہند ہو یا پاکستان حجاز ہو کہ نجد، شام ہو کہ فلسطین، عراق ہو کہ بیروت، مصر ہو کہ ایران، انڈونیشیا ہو کہ جاوا، برما ہو یا سماترا، ہر ملک میں حریت پسندوں کے قافلوں کی امامت و قیادت علماء ہی کرتے رہے، خود آپ کے ہندوستان میں یہ تابناک تاریخ اپنے زریں ابواب کے ساتھ صبح کے اجالے، آفتاب کی روشنی اور سورج کی کرنوں سے زیادہ صاف و شفاف ہے، تفصیل کا تو وقت نہیں لیکن مختصر کے بغیر صورتحال کے نقوش نمایاں بھی نہیں ہو سکتے، اس لئے سنئے اور پھر اپنی تابناک ماضی سے مستقبل کے نقشوں میں وہ رنگ بھرئیے جو اخلاف کو سچے اسلاف سے جوڑنے کا قوی ذریعہ بن سکتے ہیں۔

ہندوستان اور جنگ آزادی:

عزیزان گرامی! ہمارے اس وسیع ترین ملک میں ایک دور اسلامی سلطنتوں کے قیام کا ہے اور دوسرا تاریک ترین عہد برطانوی اختیار کا ہے، جب تک یہ ملک اسلامی حکومت کے زیر نگیں رہا تو یہاں اکبری عہد میں الحاد و بے دینی، کج روی و زیغ، ضلالت و گمراہی کا ایک جھگڑا اٹھا، جھگڑا کیا در حقیقت یہ ایک طوفان تھا، سینکڑوں میل کی

رفتار سے چلنے والی ایک تباہ کن آندھی تھی، اکبر اپنے نورتنوں میں سے شیخ مبارک ناگوری کے دور سوائے زمانہ بیٹوں فیضی اور ابوالفضل سے خصوصی طور پر متاثر رہا، اکبر نے کلمہ طیبہ میں بھی تبدیلی کردی، اس کا کلمہ لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ تھا، ختنوں پر پابندی عائد کردی، گائے کی قربانی بجبر روک دی، خود گلے میں جنیو پہنا، علی الصباح خنزیر کا درشن کرتا، اور اس کی ہندو مذہب سے تاثیر کی یہ کیفیت تھی کہ جب اس کے رضاعی بھائی کی موت ہوئی تو اکبر نے باقاعدہ کریا کرم کیا اور ہندوؤں کے انداز میں اپنے اس رضاعی بھائی کا سوگ منایا، علماء حق کی بر سر عام توہین ہونے لگی، شیخ عبدالنبی صدر، مخدوم الملک سلطان پوری اور ملا عبدالقادر بدایونی کو بر سر دربار ذلیل و رسوا کیا گیا، در حقیقت اکبر ہندوستان میں اسلام کو ختم کرنے پر تلا ہوا تھا، لیکن یہ خدا کا فضل وکرم ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی مساعی جمیلہ وتجدیدی کوششوں نے اس سیلاب بلا کو روک لیا، اگر مجدد مرحوم اس وقت اپنی تمام عزیمتوں کے ساتھ اس فتنۂ دین الٰہی سے نبرد آزمانہ ہوتے تو بظاہر احوال ہندوستان میں اسلام کا نام ونشان نہ رہتا، حضرت مجددؒ اپنی ان کوششوں کے نتیجہ میں گوالیار کے قلعہ میں نظر بند بھی کئے گئے، لیکن مجھے جو سنانا ہے وہ ملک کی آزادی کے لئے عام مسلمانوں کا کردار اور بالخصوص علماء ربانی کی مجاہدانہ کوششوں کو آپ تک پہونچانا ہے۔

چنانچہ جب برطانوی ڈپلومیسی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی دسیسہ کاریوں کے نتیجہ میں مغل شہنشاہیت کا یہاں خاتمہ ہوگیا تو ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مسلمان اور علماء اس حکومت کی بحالی اور اسلامی اقتدار کے لئے سینہ سپر ہوگئے، خود غدر کا ہنگامہ جو در حقیقت استخلاصِ وطن کی ایک پاکیزہ کوشش تھی، اور جسے انگریز نے عیاری سے ''غدر'' کا نام دیا، اس میں علماء کی جماعتیں اطراف وجوانب سے آکر دہلی میں انگریز فوجوں سے دست بدست لڑ رہی تھیں، اس زمانہ کے ایک ڈائری نویس عبداللطیف نے اپنی ڈائری میں مولوی عبدالقادر صاحب لدھیانوی کی آمد اور ان کی معیت میں علماء ٹونک کی جہاد

آزادی میں شرکت غیر مبہم انداز میں لکھی ہے، یہی وہ دور ہے جس میں حضرت حاجی امداد اللہؒ، حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حافظ ضامن شہیدؒ نے باقاعدہ شاملی کے میدان میں انگریز کے اقتدار کو چیلنج کیا اور معلوم ہوگا کہ کچھ وقت کے لئے ان مجاہدین کا شاملی اور اس کے اطراف پر تسلط بھی رہا، اگر چہ اس جدو جہد میں بظاہر مجاہدین کو ناکامی ہوئی، لیکن بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ:

شکست و فتح نصیبوں سے ہے دلے اے امیر
مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

پھر حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خانوادہ کی جنگ آزادی میں بنیادی قیادت تاریخ آزادی کا عزیز سرمایہ ہے، شاہ صاحب کے سیاسی مکاتیب منظر عام پر آچکے ہیں جس کے حرف حرف سے شاہ صاحب کی وہ تڑپ نمایاں اور آشکارا ہے، جو آپ ہندوستان کی آزادی سے متعلق اپنے نہاں خانۂ دل میں رکھتے تھے، آپ کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز تحریک آزادی کے امام ثانی ہیں، آپ ہی کے خانوادہ کے ایک فرد شاہ اسماعیل شہیدؒ ہیں جنہوں نے سید احمد شہیدؒ کے پرچم تلے بالاکوٹ کے معرکہ میں جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔

دارالعلوم دیوبند کا تاریخی کردار:

دلی کے اس مشہور مدرسہ فکر کے خصوصی مستفیدین میں مولانا نوتویؒ اور مولانا گنگوہیؒ ہیں، جنہوں نے حریت پسندی کی اس امانت کو اہم مصالح کے پیش نظر دہلی سے دیوبند منتقل کر دیا، یہاں دارالعلوم کی شکل میں جس درسگاہ کی بنیاد ڈالی گئی، وہ بظاہر دانش کدہ تھا، پر بباطن ایک معسکر تھی ایک چھاؤنی تھی جس میں مجاہدین اور حریت پسندوں کا طبقہ پیدا کیا جا رہا تھا، یہ میری اپنی دریافت نہیں بلکہ بانی قدس سرہ کے تلمیذ رشید مولانا محمود حسن دیوبندی المعروف بہ شیخ الہندؒ کا انکشاف ہے سنا ہے کہ دارالعلوم کے قیام کے بعد ایک وقت وہ بھی آیا کہ انگلینڈ کے دارالعوام میں دارالعلوم کے مسئلہ پر براہ راست

ناخدایان فرنگ نے گفتگو کی، یہ وہ وقت تھا کہ تحریک استخلاص وطن کے امام رابع حضرت مولانا شیخ الہندؒ اپنی سرگرمیوں کو ہندوستان سے باہر روشناس کرا رہے تھے، دار العوام کے اس مباحثہ کے بعد دار العلوم کے ارباب حل وعقد نے اس دانشکدہ کی حفاظت کے لئے ضروری سمجھا کہ حضرت شیخ الہند کی مساعی کو قدرے کنٹرول کیا جائے، تا کہ دار العلوم عتاب فرنگی کے متوقع خطرے سے محفوظ رہ سکے، اس سلسلہ میں جن صاحب کو حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں پیغام دیکر بھیجا گیا تھا، جس کی روح حضرت موصوف کو استخلاص وطن کی کوششوں سے مافی الجملہ دور رکھنا تھا۔

امام رابع نے اس پر جو کچھ جواب دیا، اس کے الفاظ تقریباً یہ تھے کہ:

''میں حضرت بانی قدس سرہ کے عزائم و پروگرام پر بخوبی مطلع ہوں اور جانتا ہوں کہ دار العلوم پر علم وفن یا دانش وبینش کا غلاف مصلحت کے سوا اور کچھ نہیں، ورنہ در حقیقت یہ ایک چھاؤنی ہے جس میں حضرت بانیؒ مجاہدین کی تیاری اور جہاد آزادی کے لئے ان کو برآمد کرنا چاہتے تھے''

تو در حقیقت اس عظیم درسگاہ کی بنیادوں میں حریت پسندی، خمیر کی حیثیت سے داخل ہے، حضرت نانوتویؒ، مولانا گنگوہیؒ، حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ پر جو مصائب اس راہ آزادی میں پیش آئیں وہ آپ کو معلوم ہوں گی، کہ حضرت حاجی صاحب برطانوی جبر واستبداد کے نتیجہ میں ہجرت کے لئے مجبور ہوئے، حضرت گنگوہیؒ علیہ الرحمہ مظفر نگر کی جیل میں پا بجولاں لائے گئے۔

ریشمی رومال کی تحریک:

پھر تحریک کے امام رابع حضرت مولانا محمود حسن المعروف بشیخ الہند علیہ الرحمہ نے تو استخلاص وطن کی تحریک کو ان بنیادوں اور آفاقی عزائم پر استوار کیا، جس کی نظیر ومثال ماضی وحال میں نایاب ہے، خود رولٹ کمیٹی کی رپورٹ میں اس تحریک کی ہمہ گیری اور طول وعرض کا اعتراف کیا گیا ہے، مولانا عبید اللہ سندھیؒ جو حضرت مرحوم کی جدو جہد

Scanned by CamScanner

کے رکن رکین تھے، انہوں نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ.........جس وقت مجھے دیوبند سے کابل روانہ کیا گیا، تو ایک مبہم پروگرام کے تحت میری روانگی عمل میں آئی، میں خود حیران تھا کہ حضرت مجھے کہاں اور کس مقصد کے لئے روانہ فرمارہے ہیں، لیکن روانگی کے بعد معلوم ہوا کہ پنجاب، فرنٹیر، آزاد قبائل افغانستان تک یہ تحریک پھیلی ہوئی ہے اور اس قدر قوی عناصر ہیں جن کا مجھے وہم وگمان نہیں تھا، پھر حضرت شیخ الہندؒ نے حجاز پہونچ کر ترکی کے سربراہوں سے براہ راست رابطہ قائم کیا، اگر شریف مکہ اپنی فطری غداری کا مظاہرہ نہ کرتا تو آج ہندوستان کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا، اس تحریک کو جس خفیہ انداز میں مربوط تشکیل دیا گیا تھا، اس کے تاروپود آج بھی مؤرخ کے لئے حیرت انگیز ہیں، اس کے بعض خصوصی پیغام ریشمی رومالوں کی بناوٹ میں اس طرح بُنے گئے تھے کہ ان پر انگریز کی عیاریاں بھی عش عش کرتی تھیں، مؤرخ نے حضرت شیخ الہندؒ کو اگرچہ فراموش کر دیا، لیکن دیانتدار مؤرخ انصاف کے ساتھ اگر لکھنے کا کبھی ارادہ کرے گا تو وہ اس تحریک کے آغاز میں یہ لکھنے پر مجبور ہوگا:

شورش عندلیب نے پھونکدی روح چمن میں
ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خوابِ ناز میں

ڈاکٹر انصاری، حکیم اجمل خاں، خان عبدالغفار خاں، خان عبدالصمد خاں، ڈاکٹر خاں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا عزیز گل، مولانا محمد میاں انصاری اس تحریک کے وہ نامور واساسی رجال ہیں جو آزادیٔ ہند کے علمبردار ہے، سابق صدرِ کانگریس سبھاس چندر بوس نے ملک سے باہر جس جنگ آزادی کا نقشہ بنایا، وہ حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک کے تصورات پر ایک عمارت تھی، مگر سبھاش چندر بوس کو ''نیتا جی'' بنا کر ہندوستان کی جہد آزادی کا روحِ رواں قرار دیا گیا، جبکہ حضرت شیخ الہندؒ کو اور آپ کی تحریک کو بھول بھلیوں کے گورکھ دھندوں میں الجھا دیا گیا، اس راہ میں جو مصائب حضرت مرحوم نے بخندہ پیشانی برداشت کئے، ان کی

تفصیلات بھی نہایت دلدوز ہیں وہ اپنے وطن دیوبند سے تحریک کو عملی جامہ پہنانے کے لئے روانہ ہوئے تو ان کی ضعیف اہلیہ بستر مرض پر ناتوانی کی تصویر بنی ہوئی تھیں، مگر رفیقۂ حیات کی یہ خوفناک علالت بھی حضرت کے بلند حوصلوں کو موت آشنا نہ بنا سکی، مالٹا کے جیل خانہ میں انگریز حکام سے جو بیدیں ان کے پشت مبارک پر پڑیں ان کے راز سے بھی معتقدین کا حلقہ اس وقت آگاہ ہوا، جب ان کی میت کو غسل دینے کے لئے تختہ پر لٹایا گیا، اس صبر وعزیمت کی مثال نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے، حضرت مرحوم کے بعد آزادی کا کوئی ایسا مرحلہ ہندوستان میں رونما نہ ہوا، جس میں حضرت کے زیر تربیت مجاہدین سینہ سپر نظر نہ آتے ہوں، آپ کی جماعت جمعیۃ العلماء ہند کا کردار جہاد آزادی میں بے مثال ہے، مرحوم مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا حفظ الرحمٰن، مولانا محمد میاں دیوبندی، مولانا نور الدین بہاری، مولانا عبد الماجد دہلوی، مولانا فاخر الٰہ آبادی، مولانا شاہد فاخری سیکڑوں بلکہ ہزاروں کارکن قید وبند کی معوبتوں سے ہمیشہ دوچار رہے، اور شدائد برداشت کرنے کے باوجود اُن کے پائے استقامت میں کوئی تزلزل پیدا نہیں ہوا۔

مجلس احرار:

دیوبند ہی کی ایک دوسری پارٹی مجلس احرار کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا، جنگ آزادی میں اس کا کردار بلند قامت و بے داغ ہے، اس جماعت کے فداکار حلقہ نے انگریز کے اقتدار کو نہ صرف چیلنج کیا، بلکہ بلاخوف تردید ہلا ہلا ڈالا، عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، ظفر علی خاں، اختر علی خاں، شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین، ساحبزادہ سید فیض الحسن، فضل حق، آغا شورش کاشمیری، خلیل الرحمٰن لدھیانوی، محمد علی جالندھری، غلام غوث ہزاروی، صاحبزادہ سلیمان جانباز یہ وہ انسان تھے جنہوں نے اپنے خون سے آزادی کے چمن کو بار بار سینچا، کبھی یہ کشمیر میں ڈوگرا شاہی سے برسر پیکار ہوئے، تو گاہے سکندر حیات خاں کے استبداد کو انہوں نے شکست وریخت کیا اور

جو مصائب انہوں نے اُٹھائے، انہیں سننے کے لئے بھی سینوں میں مضبوط دلوں کی توانائی ناکافی ہے۔

ملت کا کارنامہ:

عزیز بھائیو! یہ تو آپ کو اس سلسلہ زرّیں کی کچھ کڑیاں دکھائی گئی ہیں جس سے دارالعلوم دیوبند اور اس کے اکابر وابستہ ہیں، ورنہ تو ہندوستان کے لاکھوں علماء جو دوسرے مکاتب فکر سے مربوط ہیں، آزادی کے لئے ان کے غیر فانی کارنامے ناقابل فراموش ہیں، غدر کے زمانہ میں ہزاروں علماء سولی پر چڑھائے گئے، نظر بند کئے گئے، اور دریائے شور روانہ کئے گئے، لیکن ظالمانہ کاروائیوں اور ناروا قہرمانی کے باوجود ان علمائے حق کے ولولۂ حق میں کوئی افسردگی راہ نہیں پا سکی، اس کے ساتھ ان لاکھوں ہندوستانی مسلمانوں کو بھی بھلایا نہیں جا سکتا جو علماء کے چشم وابرو کے اشارے پر محاذ آرائی پر خود کو کٹوا رہے تھے، ان میں عورتیں بھی تھیں اور بچے بھی، جوان بھی تھے اور بوڑھے بھی اور یہ اس آب وتاب وحوصلہ کے ساتھ جہاد آزادی میں شریک تھے کہ ان کی قربانیاں، ان کی بلند حوصلگی، اُن کا عزم، ان کی تڑپ دوسروں کے لئے راہبر وراہنما بنی ہوئی تھیں، میں اگر غلطی نہیں کرتا تو وائسرائے ہند لارڈ ڈفرن کے زمانہ میں کانگریس کا قیام عمل میں آیا، جس کی ابتداء برطانوی اقتدار کے لئے نیک خواہشات کا اظہار اور دبے بھینچے الفاظ میں اپنے حقوق کی دریوزہ گری (بھیگ مانگنا) تھی، مطالبۂ حقوق کا تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، سب سے پہلے جس شخص نے آزادیٔ کامل کا ریزولیشن پیش کیا وہ سید فضل الحسن حسرت موہانی تھے اور کس ماحول میں جبکہ کانگریس کے سشن میں بڑے بڑے مہاتما حسرت موہانی کے اس اقدام پر کانپ اٹھے تھے، سالہا سال تک کانگریس مکمل آزادی کے مطالبہ کے قریب نہیں آئی، یہ مسلمانوں ہی کا کارنامہ تھا کہ انہوں نے اس جماعت کو آزادی کی لڑائی میں جرأت آزما بنا دیا۔

گاندھی جی کو ''مہاتما'' بنانے والے مولانا عبدالباری فرنگی محلی تھے ''مہاتما جی'' کا

Scanned by CamScanner

عوامی تعارف وشہرت علی برادران کی کوششوں کی رہین منت ہیں، پس یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہندوستان کی آزادی کے لئے علماء اور مسلمانوں نے کوئی واضح کردار نہیں اپنایا، اگر کوئی شخص ان قربانیوں کا انکار کرتا ہے جو آزادی کے لئے ملت اور اس کے راہنماؤں نے انجام دیں تو وہ تاریخ کو منہ چڑاتا ہے، وہ حقیقت کا انکار کرتا ہے، انصاف سے محروم ہے اور اس کے دل ودماغ تعصب کے زہر سے مسموم ہو رہے ہیں۔

اس فرق کو بھی ملحوظ رکھئے کہ دوسری قوموں اشخاص جنگ آزادی کے لئے نکلتے تھے تو ان کی قوم انہیں اپنا ہیرو بناتی تھی اور ادھر مسلم عوام کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے مجاہد علماء کے گلوں میں بجائے پھولوں کے جوتیوں کا ہار ڈالتے تھے، گالیاں دیتے، ٹھوکریں لگاتے، پگڑیاں اچھالتے، داڑھیاں نوچتے، گریبان تار تار کرتے بلکہ دست درازیوں سے بھی نہ چوکتے، لیکن علماء حق پر یہ بے مروتی، بیوفائی سرد مہری، احسان نشناسی کی فضا کبھی اس طرح محیط نہیں ہوئی کہ ان کے عزائم کے قافلے چلنے سے رک گئے ہوں اور منزل پر پہنچنے سے پہلے آسودۂ منزل ہو گئے ہوں، چونکہ وہ جو کچھ کر رہے تھے اپنی قوم کو خوش کرنے کے لئے نہیں بلکہ اپنے خدا کو راضی کرنے کے لئے وہ ایک فرض کی ادائیگی میں مصروف تھے، جس کی داد کا مطالبہ نہیں تھا، نا داد پر شکوہ نہیں تھا، پھر سنہ ۱۹۴۷ء میں طلوع ہونے والے آفتاب نے ان کی محنتوں کو کامیاب بنا دیا، اور آزادی کا آفتاب غلامی کے تیرۂ وتار فضا کو چھانٹتا ہوا عقب سے طلوع پذیر ہو گیا، اگرچہ موجودہ ہندوستان اس طرز کی آزادی حاصل کرنے سے محروم رہا جو ہمارے علماء کا منصوبہ اور ان کا مقصود تھا، آزادی آئی، مگر خونچکاں بن کر، بجائے بہار بدوش ہونے کے خزاں بدامن جس کے نتیجہ میں وہ تباہی آئی، بلکہ اس بربادی سے سابقہ ہوا، جس کی مثال بھی تاریخ میں نہیں ملتی............یہ کیوں ہوا؟

ایک فکر انگیز تقریر

خطیب: مولانا محمد کاظم ندوی صاحب، مولانا محمد علی جوہر

۲۱ رنومبر سنہ ۱۹۳۰ء کو گول میز کانفرنس لندن میں کی گئی مولانا موصوف کی وہ آخری فکر انگیز تقریر، جس کے متعلق مؤرخین نے لکھا ہے کہ "مولانا جب بول رہے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ کوہِ آتش فشاں پھٹ رہا ہے، یا کوئی شیر نر کچھار میں غرا رہا ہے یا آسمان کی آغوش میں بادل گرج رہا ہے"

جناب صدر صاحب!

ایک مریض کو مراعات دیکر کیا مجھ کو بیٹھ کر بولنے کی اجازت دی جاسکتی ہے، (مولانا محمد علی جوہر مرحوم و مغفور تقریر کے لئے اپنی علالت کی وجہ سے کھڑے نہیں ہو سکتے تھے اس لئے ان سے بیٹھ کر تقریر کرنے کی درخواست کی گئی تھی) میرے دوست ڈاکٹر مونجے نے اپنی حیثیت کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ اپنے ملک میں غدار کہلاتے ہیں، میرے خیال میں 'میں اور وہ' دونوں غدار ہیں، ان کو اچھی طرح معلوم ہے کہ جب میں اور وہ ہندوستان سے روانہ ہوئے تو لوگوں نے ہم کو کالی جھنڈیاں دکھا کر رخصت کیا اور جن لوگوں کے ساتھ ہم نے کام کیا تھا، ان کی اندرونی خواہش تھی کہ ہمارے جہاز وائسرائے آف انڈیا کا بحری سفر نامبارک ہو، جب میں اس ملک میں پہنچا تو یہاں کے اخبار "ڈیلی ہرالڈ" نے جس کے مالی استحکام میں میری مدد بھی شامل ہے، میری تصویر شائع کی اور میری نسبت لکھا کہ اب میرا سیاسی عقیدہ بدل گیا ہے اور مجھ کو بھی خیال ہورہا ہے کہ یہ تبدیلی حب الوطنی سے غداری کی طرف ہوئی ہے، کل کنزرویٹو

Scanned by CamScanner

پارٹی کے ایک لارڈ نے بڑے اخلاص اور صفائی کے ساتھ تقریر کی، پارلیمنٹ میں ایک کنزرویٹو شریف انسان سر چارلس اومن بھی ہیں، جو آکسفورڈ میں میرے استاد بھی رہ چکے ہیں، ان ہی کی تاریخ سے میں یہاں ایک جملہ دہراتا ہوں جو میرے اس آئی، سی، ایس امتحان کا موضوع بھی رہا ہے، جس میں شریک ہوا، لیکن فیل ہو گیا، وہ جملہ یہ ہے، ''صحرا نشین مسلمان کو بدلنا بھی ناممکن تھا'' میری رگوں میں اس کانفرنس کے شریک ہو نے والوں سفید لوگوں اور ڈاکٹر مونجے کی طرح، آریا کی طرح خون نہیں، میری رگوں میں وہی خون ہے، جو لارڈ ریڈنگ کی رگوں میں دوڑ رہا ہے، اور ریڈنگ وہی ہیں جنہوں نے مجھ کو جیل بھجوایا، میں سامی نسل سے تعلق رکھتا ہوں، اور اگر لارڈ ریڈنگ صیہونیت کو چھوڑ نہیں بدلے ہیں تو (قہقہہ) میں بھی اسلام کو چھوڑ کر نہیں بدلا ہوں، میں جہاں پہلے تھا، وہیں اس وقت بھی ہوں، میں یہاں پر اپنی جماعت کا ایک ہی فرد ہوں، وائسرائے بہادر یا بادشاہ سلامت کی حکومت نے اور نمائندوں کے ساتھ مجھ کو بھی منتخب کیا ہے، ہم لوگ کس کے نمائندے ہیں، یہ ہم لوگوں کو بھی نہیں معلوم ہے، میں کسی کی نمائندگی نہیں کرتا ہوں، لیکن میں یہ کہوں گا کہ جب آپ مجھ کو صبر و سکون کے ساتھ سن لیں گے، تو آپ کہیں گے کہ میں نے جو کچھ دعوی کیا ہے صحیح ہے، اور میں کم از کم کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوں، اور یہی کافی ہوگا، سیاست میں بہت کچھ غلط نمائندگی ہو جاتی ہے، اپنی نمائندگی بھی غلط ہو جایا کرتی ہے۔

لارڈ پیل نے جو کچھ کہا ہے میں اس کے جواب میں ایک انگریزی شاعر کا حوالہ دیکر کہوں گا جیسا کہ میں نے اس وقت کہا تھا، جب ہم سب لابی سے گذر رہے تھے، میں نے کہا تھا، لارڈ پیل کنزرویٹو ہیں، اور کنزرویٹو رہیں گے، کیونکہ ٹینی سن نے ایک کنزرویٹو کی یہ تعریف کی تھی، وہ بہترین قسم کا کنزرویٹو ہے، جو خشک شاخ کو کاٹ ڈالتا ہے، لارڈ پیل نے جن خیالات کا اظہار بڑے اخلاص اور صاف گوئی کے ساتھ کیا ہے، وہ خشک شاخ کے مانند ہیں، جن کو کاٹ ڈالنا چاہئے، (قہقہہ) میرا یہ جواب تو ان کے

Scanned by CamScanner

لئے ہے، باقی رہے ہمارے دوسرے قدامت پسند ہنر ہائنس مہاراجہ ریوا، لیکن ذرا مجھے ان کی قدامت پسندی پر یقین نہیں ہے (قہقہہ) اگر ان کا خیال ہے کہ برک کنزرویٹو تھے، اور اسی خیال سے انہوں نے اپنی تقریر میں ان کے ایک مقولہ کا حوالہ دیا ہے اگر وہ برک کو ایسا ہی سمجھتے ہیں، تو میں یہ کہوں گا، اگر کوئی کنزرویٹو ہے تو پھر وہ مستحکم طریقہ پر کنزرویٹور ہے، ہنر ہائنس نے برک کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ چھوٹے دماغ اور بڑے امپائر ساتھ نہیں چل سکتے، برٹش امپائر کو آپ امپائر کہیں، یا قوموں کی دولت مشترکہ، یا جو چاہیں کہیں، اگر یہ برٹش امپائر واقعی بڑا رہتا تو اس کے چھوٹے دماغوں کو جو دکھائی یا سنائی دیتا ہے، ختم ہونا چاہئے، اگر آپ برک کی تقلید کرتے تو آپ امریکہ نہ کھو بیٹھتے، آج آپ جنگی جہازوں کی مساویانہ تعمیر پر گفتگو نہ کرتے، آپ کو قرضے نہ ادا کرنا پڑتے، آپ کو طرح طرح کی پریشانیاں نہ اٹھانا پڑتیں، تخفیف اسلحہ اس کے ابتدائی کمیشن میں شریک ہونے کے لئے آپ کو جنیوا نہ جانا پڑتا، خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ تخفیف اسلحہ کے لئے تیاریاں کب تک جاری رہیں گی، (قہقہہ) یہ ساری باتیں اس لئے پیش آئیں کہ آپ نے اپنے عظیم ترین سیاست داں اور سب سے بڑے مدبر کو بھلا دیا، یہ وہی شخص تھا جس کو آپ ''دار العوام'' میں کھانے کی گھنٹی کہا کرتے تھے، جب برک تقریر کے لئے اٹھتا تھا تو آپ سب لوگ کھانے کے کمرے میں چلے جاتے تھے، جیسے آدمیوں کے ساتھ آج بھی آپ کا سلوک ویسا ہی ہے، اس لئے میں برک کے الفاظ کو دہراتا ہوں کہ آدمیوں کی ضرورت ہے، تجویزوں کی ضرورت نہیں ہے، میں اس بات کی فکر نہیں کرتا، کہ آپ ہم لوگوں کے لئے کیسا دستور بناتے ہیں ؟ لیکن ساری باتیں اس وقت درست ہو جائیں، جب آپ کے پاس انگلستان میں ایک آدمی ایسا ہو جائے، جو واقعی انسان ہو۔

اے خدا ایسا آدمی دے جو دل دماغ اور ہاتھ رکھتا ہو، وہ ان آدمیوں کی طرح ہو جو جا چکے ہیں، اور ہمیشہ کے لئے جا چکے ہیں، ایک طاقتور آدمی کی ضرورت ہے، اس شور

وشغب سے لبریز ملک میں، اس کو کچھ بھی کہا جائے، اس کی کچھ فکر نہیں، وہ امیر ہو، مطلق انسان ہو، جمہوریت پسند ہو، جو کچھ بھی ہو مگر ایسا ہو جو حکومت کر سکے، اور جھوٹ بولنے کی جرأت نہ کرے۔

مجھے امید ہے کہ میرے پرانے دوست مسٹر میکڈانلڈ کم از کم اپنے کو ایسی حکومت کرنے والا آدمی ثابت کر دکھائیں گے، اور وہ اپنی جماعت اپنے ضمیر، اپنی مردہ بیوی کی روح، اور اپنے زندہ ملک سے جھوٹ بولنے کی جرأت نہ کریں گے، تو مجھ کو یقین ہے کہ ہم ایک تاریخ بنا کر اُٹھیں گے، لیکن مجھ کو اپنے پرانے دوست مسٹر میکڈانلڈ سے زیادہ ایک اور آدمی پر بھروسہ ہے، میں ایک جمہوریت پسند ہوں، لیکن اس کا اعتراف ہے کہ میں اس انسان پر اعتماد رکھتا ہوں، جس کو میں انسان اس لئے کہتا ہوں کہ وہ آخر انسان ہیں، اور انسان وہ ہے جس نے دارالامراء کی گیلری میں اس کانگریس کا افتتاح کیا، اس کا نام "جارج" ہے، آپ چاہیں ان کو ہر مجسٹی (بادشاہ سلامت) کہیں یا کچھ اور کہیں، وہ انسان ہیں اور وہ ہندوستان کو اپنے نئے اور پرانے وزراء سے زیادہ جانتے ہیں، میری نظر ان کی طرف اٹھی ہوئی ہے کہ وہ ۳۲ رکروڑ انسانوں کے ساتھ ضرور انصاف کریں گے، جو دنیا کی انسانی آبادی کے پانچویں حصے ہیں اور مجھ کو اس پر یقین کامل ہے کہ ہندوستان کے والیان ریاست کی حیرت انگیز حب الوطنی کو دیکھ کر ہو گیا ہے، جو یہاں پر جمع ہیں، ان کو ہندوستان کا قدامت پسند عنصر سمجھا جاتا ہے، والیانِ ریاست کی حب الوطنی لارڈ پیل اور لارڈ ریڈنگ کے لئے نئی چیز معلوم ہوئی، لیکن میرے لئے یہ نئی چیز نہیں، میں تو ایک عجیب وغریب آدمی ہوں، میں ایک برطانوی رعایا بھی ہوں، اگرچہ جب میں "انڈین سول سروس" کے امتحان میں بیٹھا تھا تو اس میں مجھ کو بیٹھنے کی اجازت نہیں ملی، جب میں فطری طور پر برطانوی رعایا تسلیم نہیں کیا گیا انہوں نے مجھ کو عارضی طور پر تو اس امتحان میں داخل کر لیا لیکن جب میری والدہ نے پورا ثبوت دیا، تو پھر میں باضابطہ امتحان کے لائق سمجھا گیا، میں ایک ہندوستانی ریاست کا بھی باشندہ

واقع ہوا ہوں، اس لحاظ سے بھی میں اس کانفرنس میں ایک عجیب وغریب ہوں، میں ایک ریاست میں پیدا ہوا ہوں، میں نے اس ریاست میں ملازمت بھی کی ہے، میں ایک دوسری ریاست بڑودہ کا بھی ملازم رہا ہوں، میرے آقا گیکواڑ بھی یہاں موجود ہیں میں نے ان کا نمک سات سال تک کھایا ہے، دو سال پہلے میں اپنی زندگی سے مایوس ہوگیا تھا، تو ہنر ہائنس مہاراجہ ریوا نے اپنے خرچ سے مجھ کو یہاں انگلستان بھیجا، اس کے بعد پھر شملہ میں علیل ہوکر مر رہا تھا تو ایک دوسرے والیٔ ریاست نے میری مدد کی، یہ نواب بھوپال تھے، جن کا میں پرائیوٹ سکریٹری ہوتے ہوتے رہ گیا، انہوں نے بڑی فراخ دلی سے میری میزبانی کی، جس کا اظہار ابھی تک انگریز نہیں کر رہے ہیں، نواب صاحب نے اپنے مہمان خانے کو میرا اسپتال بنادیا، ہم انگریزوں کی ظاہری اور حقیقی میزبانی کے قائل اسی وقت ہوں گے جب میں ان کے اسپتال میں جہاں چاہوں ایک آزاد شہری کی حیثیت سے داخل ہوجایا کروں، جب میں شملہ کے اسپتال میں تھا تو میں ایک شادی کرنے والے جوڑے کے درمیان خوشگوار حائل بنا ہوا تھا، ایک طرف ایک خاتون تھیں اور دوسری طرف ان کا منگیتر ایک فوجی افسر تھا، دونوں کی شادی جلد ہونے والی تھی، میرا کمرہ ان دونوں کے بیچ میں تھا، دونوں علیل تھے، جب اس خاتون نے مجھ جیسے عجیب ہندوستانی کو یوروپین اسپتال میں آتے دیکھا، تو اس نے ہمارے ڈاکٹر سے پوچھا یہ بوڑھا آدمی کس مرض میں مبتلا ہے ؟ ڈاکٹر نے کہا "یہ پوچھو یہ کس مرض میں مبتلا نہیں ہے؟" میرا قلب اپنی جگہ سے ہٹا ہوا تھا، آنکھوں کے مرض کی وجہ سے میری بینائی کمزور ہورہی تھی، میرے پاؤں میں گنگرین تھا، جس کی وجہ سے میرے پاؤں کا حجم بڑھ گیا تھا، مجھ کو البونیریا کا مرض تھا، ذیابیطس کی بھی شکایت تھی اور بھی اور امراض کی فہرست دوں تو یہاں پر کرنل گڈنی کو شاید رشک پیدا ہو، کہ میں طب میں اس کا حریف ہورہا ہوں، میں اعتراف کرتا ہوں کہ کوئی صاحبِ عقل ان امراض کے ساتھ سات ہزار میل کا سفر کرنا پسند نہیں کرے گا، مگر میں سات ہزار کا بری اور بحری

سفر طے کر کے یہاں آیا ہوں، کیونکہ جہاں اسلام اور ہندوستان کا تعلق پیدا ہو، تو میں پاگل ہو جاتا ہوں، ڈیلی ہیرالڈ نے کہا ہے کہ میں نے سیاسی عقیدہ بدل دیا ہے، گویا میں حکومت کا باغی ہونے کے بجائے اپنے ملک کا غدار ہو گیا ہوں اور میں حکومت سے مل کر کام کرنے آیا ہوں، میں کہتا ہوں کہ میں شیطان کے ساتھ بھی مل کر کام کر سکتا ہوں، بشرطیکہ خدا کے راستہ میں کام کرتا ہو۔

میری لمبی تمہید، میری خراب صحت، اور امراض کی تفصیلات کو آپ معاف کریں، لیکن یہ حقیقت کا اظہار کر دوں کہ آج میں جس مقصد سے یہاں آیا ہوں، وہ یہ ہے کہ میں اپنے ملک کو اسی حالت میں واپس جا سکتا ہوں، جبکہ میرے ہاتھ میں آزادی کا پروانہ ہو گا ورنہ میں ایک غلام ملک میں واپس نہیں جاؤں گا، میں ایک غیر ملک میں جو اگر چہ آزاد ہے مرنے کو ترجیح دوں گا، اور اگر آپ نے مجھ کو ہندوستان کی آزادی نہیں دی، تو پھر آپ کو یہاں مجھے قبر کے لئے جگہ دینی پڑے گی۔

میں کنزرویٹو ممبروں کا شکریہ ادا کر کے شروع کرتا ہوں، جب میں مسٹر بالڈون سے اس دعوت میں ملا، جس کی میزبانی حکومت نے کی، تو میں اس وقت بہت بیمار تھا، مجھ کو اس وقت بستر پر ہونا چاہئے تھا، لیکن میں چیری ووڈ کے پائپ کا انتظار کر رہا تھا، یہ ختم ہوا تو میں مسٹر بالڈون کے پاس گیا، میں نے ان سے کہا، آپ نے دو طرح سے تاریخ بنائی ہے، آپ کنزرویٹو ہیں، اس پارٹی کے لوگوں کو کامل دولت مند کہا جاتا ہے، لیکن آپ نے ازراہ انسانی عنایت یہ قاعدہ بنایا ہے کہ جس دعوت میں صرف Eronas پیا جا سکتا ہے، وہاں ایک آدمی چیری ووڈ پائپ بھی پی سکتا ہے، جیسا کہ میں آکسفورڈ میں کہا کرتا تھا، میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ انہوں نے ایک دوسرا تاریخی کارنامہ یہ انجام دیا کہ انہوں نے لارڈ اروِن جیسے ایک کنزرویٹو وائسرائے کو بھیجا اگر کسی آدمی نے برٹش امپائر کو بچا لیا ہے، تو یہ دبلا پتلا لمبا عیسائی ہے، اگر لارڈ اروِن نہ ہوتے تو خدا ہی کو معلوم ہے کہ کیا ہو گیا ہوتا؟ کم از کم میں تو نہیں بدل گیا ہوتا، جیسا کہ اب سمجھا جا رہا

ہوں، ہم لوگ اس گول میز کانفرنس میں شریک نہ ہوتے، ہم یہاں صلح و دوستی اور آزادی کے لئے آرہے ہیں، اور ہم ان ہی چیزوں کو لے کر واپس جائیں گے، اور اگر ہم کو یہ چیزیں نہیں ملیں، تو ہم ملک کی آزادی کی لڑائی لڑنے والوں کے ساتھ ہوں گے جہاں ہم دس برس پہلے تھے، وہ آج ہم کو غدار کہتے ہیں، تو اس وقت اب ہم کو باغی اور قانون شکن کہیں گے، ہم کو اس کی پرواہ نہ ہوگی۔

میں نے لارڈ اردن کے متعلق کچھ کہا ہے مگر میں ان باتوں کو ان کی حکومت سے منسوب کرنا نہیں چاہتا ہوں، ان کی حکومت نے افسوس ناک طریقے سے تمام چیزوں مین بدنظمی پیدا کر دی ہے، ان کی حکومت کے مرسلہ کاغذات کے متعلق اگر کوئی اچھی بات کہی جاسکتی ہے، تو صرف یہ ان سے ہم لوگوں کو ایک تاریخی دستاویز مل گئی ہے، سائمن کمیشن کی رپورٹ ہی صرف ایک دستاویز نہیں ہے، جس پر ہم لوگوں کو غور کرنا ہے، حکومت کے مرسلہ کاغذات بہت ہی مایوس کن دستاویز ہے، اس کے بعد ہمارے لئے بہترین چیز یہی ہوگی کہ ہم لوگ یہاں خود ہی ایک تاریخی دستاویز تیار کریں۔

کہاں اس وقت دونوں ملک کے بہترین دماغ جمع ہیں ہم میں سے بہت سے لوگ جن کو یہاں ہونا چاہئے تھا، ہندوستان میں اب تک جیل میں ہیں، مسٹر جیکر، سرتیج بہادر سپرو، اور میں نے وائسرائے اور گاندھی جی کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کی لیکن ہم ناکام رہے ہیں، اس کے لئے پہلے بڑھا تھا، لیکن کامیاب نہ ہوا، لیکن میں امید کرتا ہوں کہ جب ہم لوگ آزادی کا پروانہ لے کر اپنے ملک واپس جائیں گے تو ہم ناکام نہیں کہلائیں گے۔

لارڈ پیل نے کہا "ہاں! جب آپ اپنے ملک ایسا دستور لے کر جائیں گے، جیسا آپ چاہتے ہیں تو وہ لوگ جو آپ سے تعاون نہیں کر رہے ہیں، یہ دستور آپ کے ہاتھ سے چھین لیں گے، ہاں! چھین لیں گے، جب میں برطانیہ کے لوگوں سے لڑسکتا ہوں، تو میں ہندوستان سے بھی لڑسکتا ہوں، لیکن مجھ کو کوئی چیز ایسی تو دیجئے، کہ جس سے میں

لڑسکوں، یہ نہ ہو کہ میں یہاں سے غلامی کی سند لے کر جاؤں، اور آپ مجھ سے یہ توقع کریں کہ اپنے لوگوں سے لڑوں، یہ میں نہیں کرسکتا، اور اگر میں یہ کام کروں گا تو ناکام رہوں گا، لیکن میرے ہاتھ میں آزادی دی گئی تو میں خوش خوش ان کے پاس جاؤں گا، جن کا ذکر مسٹر جیکر نے کیا ہے، انہوں نے نوجوان ہندوستان کی طرف سے بولنے کا دعوٰی کیا ہے، میرا خیال ہے کہ ان کو یہ معلوم ہے کہ میں ان سے عمر میں تو بڑا ہوں، لیکن جہاں تک دل، اسپرٹ مزاج اور لڑنے کے شوق کا تعلق ہے میں ان سے زیادہ جوان ہوں جب میں نے عدم تعاون کی تحریک میں حصہ لیا تھا، تو وہ قانونی عدالت میں کام کررہے تھے (مسٹر جیکر نے یہ سن کر سر ہلایا) بہرحال وہ میرے ساتھ جیل میں نہیں تھے، میرے بھائی کو لارڈ ریڈنگ نے جیل بھیجا، مجھے اس معاملہ میں ان سے کوئی شکایت نہیں، لیکن میں بھی وہی اختیار چاہتا ہوں کہ جب لارڈ ریڈنگ ہندوستان میں کوئی جرم کریں تو میں بھی ان کو جیل بھیج سکوں۔

میں یہاں درجۂ مستعمرات مانگنے نہیں آیا ہوں، میں درجۂ مستعمرات کے حاصل کرنے کا قائل نہیں ہوں، میرا مسلک مکمل آزادی ہے، مدراس میں سنہ ۱۹۲۷ء میں ہم لوگوں نے مکمل آزادی کی تجویز منظور کی تھی، سنہ ۱۹۲۸ء میں آل پارٹیز کنونشن ہوا جس میں نہرو رپورٹ منظور کرنے کے لئے پیش کی گئی، اس کا پہلا دفعہ درجۂ مستعمرات کا تھا، میرے پُرانے سکریٹری پنڈت جواہر لال نہرو کو جواب کانگریس کے صدر ہیں، ان کے والد نے دبا رکھا تھا، فارسی کی ایک مثل ہے: سگ باش برادر خورد مباش۔

میرے بڑے بھائی یہاں بیٹھے ہیں، سات فٹ لمبے اور پانچ فٹ چوڑے ہیں، جیسا کہ کرنل ویجوڈ نے کہا تھا، ان کو دیکھ کر آپ اس فارسی مثل کی تصدیق کریں گے لیکن میں جواہر لال نہرو کے بارے میں کہوں گا کہ وہ بلی ہوتے، لیکن وہ اپنے باپ کے بیٹے نہ ہوتے، کیونکہ آج انہیں کے والد بزرگوار نے کانگریس کے صدر کی حیثیت سے سنہ ۱۹۲۸ء میں کلکتہ میں ان بے چارے کا گلا دبا رکھا تھا، لیکن میں جواہر لال کی جگہ

Scanned by CamScanner

پر اُٹھا، جب کہ وہ مکمل آزادی کے متعلق کچھ نہ بول سکے اور میں نے درجۂ مستعمرات کے ضابطہ کی مخالفت کی، لیکن سنہ ۱۹۲۹ء میں، میں جواہر لال نہرو کی طرح بہت آگے نہیں بڑھا، میں نے آزادی کو اپنا عقیدہ نہیں بنالیا، کیونکہ اگر ہمارا یہ عقیدہ ہو جاتا تو پھر ہم کانگریس کے اندر ایسے لوگوں کو نہ آنے دیتے، جن کا یہ عقیدہ نہ ہوتا، میں نے مصالحت کے لئے دروازہ کھولے رکھنا پسند کیا، میں نے کسی کے لئے دروازہ بند کردینا نہیں چاہا، لارڈ اِرون ایک کنزرویٹو وائسرائے کی حیثیت سے وہاں موجود تھے، جن کو اس جگہ اصل آدمی کہا جاتا ہے، اور وہ ان تمام باتون سے متاثر ہوئے، جو انہوں نے اپنی جگہ پر سے دیکھا اور وہ پھر یہاں آئے، ہم لوگ جب لندن آتے ہیں، تو ہر آدمی کو سڑک کے آدمی سے ہر چیز کی اپیل کرنے کی خبر سنتے ہیں، یہ تو نہیں معلوم کہ سڑک کا آدمی واقعی ہر بات سنتا ہے یا نہیں، لیکن لارڈ اور میر، لارڈ بیوروبروک اور ان کے ساتھ ہر شخص یہ راگ آلاپتا ہے کہ سڑک کے آدمی ہی کے یہاں اپیل کی آخری عدالت ہے، لیکن ہندوستان میں اپیل کی آخری عدالت وہاں کی جگہ کا اصل آدمی ہے، اور یہی اصل آدمی یہاں آیا، اس نے سڑک کے اس ممتاز ترین آدمی سے گفتگو کی، جو اس وقت کانفرنس کی صدارت پر بیٹھا ہے مجھے یقین ہے کہ اس اصل آدمی نے اپنے وعظ و تلقین سے لوگوں کے عقیدے میں تبدیلی کرائی ہے، مسٹر بالڈون کے خیالات میں بھی تغیر پیدا کرایا گیا، کچھ اور کنزرویٹو ممبروں کو بھی ہم نوا بنایا گیا، اسی طرح اور لوگوں کے خیالات کو بھی بدلا گیا اور پھر درجۂ مستعمرات کا اعلان ہوا، جو سنہ ۱۹۲۴ء میں ذمہ دارانہ حکومت کہلاتا تھا، اس سے وہ دھند لاپ دور ہوا، جو ۱۹۲۴ء میں انڈین لجسلیٹو اسمبلی کے ایک یادگار اجلاس میں امور داخلہ کے ایک سرکاری حاکم کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا، اور میں خوش ہوں کہ وہ حاکم صاحب اس وقت ہمارے سامنے موجود ہیں۔

جیسا کہ میں نے دو تین دن پہلے کہا تھا کہ ہندوستان نے اب پچاس لیگ چلنے کا بوٹ پہن لیا ہے، ہم ایک ایسے زبردست کوچ پر گامزن ہیں جس کو دیکھ کر دنیا دنگ

Scanned by CamScanner

ہو جائے گی ہم اس وقت تک ہندوستان واپس نہیں جائیں گے، جب تک کہ وہاں ایک سلطنت نہ بن جائے، اور اگر ہم ایک نئی سلطنت بنائے بغیر وہاں گئے تو آپ یقین کریں کہ پھر وہ ایک کھوئی ہوئی سلطنت ہوگی، ہم گویا ایک امریکا واپس جائیں گے، اس کے بعد آپ دیکھیں گے، کہ برطانوی دولت مشترکہ یا برطانوی امپائر کے اندر نہیں بلکہ اس کے باہر آزاد ریاستہائے متحدہ ہندوستان ہوگا، جس میں ہندوستان کے والیان ریاست بھی ہوں گے، ڈاکٹر مونجے بھی، مسٹر جیکر بھی اور میرے بڑے بھائی بھی، برسوں پہلے جب میں آکسفورڈ چھوڑ رہا تھا، تو میں نے لکھا تھا کہ ہم لوگ ہندوستان میں امریکہ سے بہتر چیز کے مالک ہوں گے، ہم ریاستہائے متحدہ کے بجائے مذاہب متحدہ کے مالک ہوں گے۔

"جو ایک دوسرے سے بالکل مشابہ تو نہیں، لیکن نیرنگی میں یک رنگی ہوگی، ہم اپنی عزت آپ کر کے دوسروں کی عزت کریں گے، انفرادی حیثیت سے مختلف ہوں گے، لیکن اس میں اس طرح ملے ہوں گے، جس طرح محبت کرنے والے ایک دوسرے سے ملے ہوتے ہیں"

ان خواہشات کو اپنے دلوں میں لے کر ہم یہاں آرہے ہیں، ان کو پورا کرنے کا انحصار ہمارے کنزرویٹو ریڈیکل اور لیبر دوستوں پر ہے، بلکہ ان سے زیادہ ایک ایسے آدمی پر ہے جن پر مجھ کو اور تمام لوگوں سے زیادہ بھروسہ ہے، وہ بادشاہ سلامت جارج ہیں، جو اچھی وکٹوریہ کے پوتے ہیں، ان کی دادی کو جو محبت ہندوستان سے تھی، اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا، ان کی پوری زندگی ہندوستان کا میگنا کارٹا (دستوری سند) ہے، ان کے پوتے کے عہد حکومت میں یہ تاریخ اس طرح لکھی جائے گی کہ جارج سوم نے تو امریکہ کھو دیا، لیکن جارج پنجم نے ہندوستان کے دلوں کو فتح کر لیا۔

ہم سے کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے مسائل میں طرح طرح کی مشکلات ہیں، ہندوستان میں والیان ریاست ہیں، ان کا مستقبل کیا ہوگا، مگر میں ایک والئ ریاست ہی

کی حکومت کا رہنے والا ہوں، میں جانتا ہوں کہ ان والیان ریاست کی وجہ سے کوئی مشکل حائل نہ ہوگی فوج کا مسئلہ ہے اب اس کے متعلق کیا کہیں گے کہ برطانیہ عظمیٰ پر یہ سب سے بڑا الزام ہے کہ اس نے آج ہندوستان میں جو فوج رکھی ہے، وہ ہماری نہیں ہے اگر آپ خود ہی فوج کا عذر پیش کریں گے، تو اپنے ہی منہ سے اپنے آپ کو ملامت کے لائق قرار دیں گے، میں آپ سے بڑی صفائی اور ایمانداری سے لیکن دوستانہ طور پر کہتا ہوں کہ آپ کا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آپ نے ہندوستان کو مردانہ اوصاف سے محروم کردیا (ڈاکٹر مونجے ہیر، ہیر)

میرے دوست ڈاکٹر مونجے نے ہیر، ہیر کہا ہے، لیکن جب وہ تقریر کررہے تھے، تو مجھ کو یہ سن کر افسوس ہوا، جب انہوں نے یہ کہا کہ ہم وطنوں پر گولی چلائی گئی، وہ بھاگے اور پھر واپس آئے، ہم ہندوستانی ۳۲ کروڑ ہیں، وہ لاکھوں کی تعداد میں قحط اور پلیگ سے مرتے رہتے ہیں، تو پھر وہ برطانوی گولیوں سے جان دینے کی بھی توفیق رکھتے ہیں، یہی سبق گاندھی جی نے ہم کو دیا ہے، اور یہی سبق ہم کو یاد رکھنا چاہئے۔

سنہ ۱۹۱۳ء میں جب گاندھی جی جنوبی افریقہ میں اپنی تحریک چلارہے تھے تو میں آپ ہی کے ملک میں تھا، مسٹر چسٹرٹن نے ایکس ہال کے ایک جلسہ کی صدارت کی، انہوں نے مجھ کو تقریر کرنے کے لئے طلب کیا کچھ مقررین نے گاندھی جی کے فلسفہ کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا تھا، میں نے کہا مہربانی کرکے ایک بات ذہن نشین کرلیں، گاندھی جی فلسفہ ان کا اپنا ہے، یا ٹالسٹائے یا یسوع مسیح یا میرا ہے، اس سے بحث نہ کیجئے، یہ عام انسانی فلسفہ ہے۔

جنگ میں اس کو فتح نہیں ہوتی، جو صرف مارنا جانتا ہے، مارنے سے پہلے مرنے کا جذبہ پیدا ہونا ضروری ہے، ہندوستان میں ہم کو وہ قوت حاصل نہیں، جس سے ہم لوگوں کو مار سکیں، لیکن جس لحہ ہم میں مرنے کا جذبہ پیدا ہوجائے گا، تو ہماری تعداد کی اہمیت خود ظاہر ہوجائے گی، ۳۲ کروڑ انسان مارے نہیں جاسکتے، اتنی رقم کسی طرح نہیں مل

سکتی، کہ ایسے آلات حرب بنا کر ۳۲ رکروڑ انسان مار ڈالے جائیں اور اگر آپ کو ایسے آلات مل بھی جائیں، تو پھر آپ میں یہ حوصلہ پیدا نہیں ہوسکتا کہ آپ ۳۲ رکروڑ انسان کو ہلاک کر ڈالیں، اسی لئے اب ضرورت اس کی ہے کہ ہم میں آزاد اور متحد ہندوستان کو جنم دینے کے لئے مرنے کا جذبہ پیدا ہو جانا چاہئے، اور یہ جذبہ ہم میں تیزی سے بڑھتا جا رہا ہے، اور جب یہ پورے طور پر بڑھ جائے گا، تو آپ کیا کر سکیں گے، میں ایک لمحہ کے لئے بھی اس خیال کو اپنے دل میں جگہ نہیں دے سکتا، کہ آپ کو سارے انگلستان میں ایک سو ایسے سنگدل آدمی مل سکیں گے، جوان غیر مسلح اور عدم تشدد پر بھروسہ رکھنے والے لوگوں پر گولیاں چلا سکیں گے، جو اپنے ملک کی آزادی کی خاطر مرنے پر آمادہ ہیں، نہیں! میں انگریز سپاہیوں کو ایسا نہیں سمجھتا۔

اصل مسئلہ جس نے ہم لوگوں کو اب تک پریشان کر رکھا ہے، وہ ہندو مسلم کا ہے، لیکن یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے، درحقیقت ہندو مسلم کے مسئلہ کی مشکلات فوج کی مشکلات کی طرح آپ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ سراسر آپ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں، پرانی مثل ہے کہ ''پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو'' مگر تقسیم عمل بھی ہے، ہم میں پھوٹ ہے اس لئے آپ حکومت کرتے ہیں، جس وقت ہم فیصلہ کر لیں گے کہ ہم میں پھوٹ نہ ہو، تو آپ ہم پر اس طرح حکومت نہ کر سکیں گے، جس طرح آپ کر رہے ہیں، ہم یہاں اس پختہ ارادہ کے ساتھ آئے ہیں کہ اب پھوٹ نہیں پڑے گی، ہم ہر برطانوی مرد وعورت کو جو ہماری قسمت کو بنانے کا خیال رکھتے ہیں، یقین دلاتے ہیں، کہ آج ہندوستان کا جھگڑا اس لئے ہے کہ مسلمانوں کو خوف ہے کہ ہندو ان پر چھا جائیں گے، اسی طرح ہندوؤں کو خوف ہے کہ کہیں مسلمان ان پر حاوی نہ ہو جائیں، ڈاکٹر مونجے: ''ہندوؤں کو یہ خوف نہیں'' میں ڈاکٹر مونجے کی زبان سے یہ سن کر خوش ہوں، میرے ملک میں بھینس اس وقت حملہ کرتی ہے جب وہ خوف زدہ ہو جاتی ہے، ہندو گائے کا احترام جتنا بھی کریں لیکن میں خوش ہوں کہ وہ بھینس سے نہیں ڈرتے، میں

بھی اس خوف سے نجات پانا چاہتا ہوں، آج ہندو مسلمان آپس میں لڑنا چاہتے ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ برطانوی تسلط کو بھی ایک لحہ گوارا نہیں کریں گے، یہی بات سمجھنے کی ہے، ہندوستان میں برطانوی تسلط کو ختم ہونا ہے کیا ہماری دوستی کو بھی ختم ہونا ہے؟ میرے بھائی نے برطانوی حکومت کی ملازمت سترہ برس تک کی، انہوں نے مجھ کو آکسفورڈ بھیجوایا، جب ہم لوگ ترک موالات کی تحریک چلا رہے تھے، تو وہ مجھ پر طنز کرتے تھے، کہ میں اپنے دل میں اس جگہ کے لئے نرم گوشہ رکھتا ہوں، جس کا نام آکسفورڈ ہے، مجھ کو تسلیم ہے کہ ایسا نرم گوشہ رکھتا ہوں، میں نے یہاں چار سال گذارے، اور میں یہاں کی بہت خوشگوار یادیں اپنے دل میں رکھتا ہوں، اور میں چاہتا ہوں کہ میرے یہ جذبات برقرار رہیں، میں اپنی مادر درسگاہ کے لئے دل میں نرم گوشہ رکھتا ہوں، لیکن میں اپنے بھائی پر بھی طنز کیا کرتا ہوں، جب کراچی میں ان پر مقدمہ چلایا گیا تو جیوری نے ہم لوگوں کو بری کر دیا، جیوری میں ایک انگریز بھی تھا اس نے ہماری برأت کی حمایت کی کہ ہم لوگ بہت ہی کھلنڈرے قسم کے افراد ہیں، میرے بڑے بھائی نے کہا، اگر مجھ پر یہ فرض عائد کر دیا جائے، کہ جو لوگ پہلے راستہ میں ملے ہیں اس کو ضرور مار ڈالوں، تو اگر اس کی آنکھیں نیلی ہوں گی، تو میری چھری نہیں کام کر سکے گی، کیوں کہ میری نظروں میں علی گڈھ کالج کے پرنسپل تھیوڈر بک سامنے آجائیں گے، علی گڈھ کے بہت سے پرانے طلبہ اس وقت یہاں موجود ہیں، وہ شہادت دے سکتے ہیں کہ جن کو بیک نے علی گڈھ میں تعلیم دی، وہ انگریزوں کے لئے اپنے دل میں واقعی نرم گوشہ رکھتے ہیں، اگر ہندوستان پر سے برطانوی تسلط ختم ہو تو اس کو ختم ہونا چاہئے، اس کو ہم لوگ مل کر یہاں ہلاک کر دیں، لیکن کسی حال میں ہم برطانوی دوستی کو ہلاک نہ کریں، ہم برطانیہ عظمیٰ کے لئے دل میں نرم گوشہ رکھتے ہیں یہ برقرار رہنا چاہئے، اس کی ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں۔

ہندو مسلم مسئلہ کے متعلق کچھ مختصر طریقہ پر عرض کر دوں، گو تفصیل سے کسی اور موقع پر

اظہار خیال کروں گا۔

انگلستان کے بہت سے لوگ پوچھتے ہیں کہ سیاست میں ہندو مسلم مسئلہ کیوں اٹھایا جاتا ہے؟ سیاست میں اس مسئلہ کو اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ ایسے لوگوں کو میرا جواب یہ ہے، جو لوگ سیاست سے مذہب کو الگ کرتے ہیں، وہ مذہب کا غلط تصور رکھتے ہیں، مذہب عقیدہ یا رسوم تک محدود نہیں، مذہب میرے خیال میں زندگی کی ایک تعبیر ہے، میں ایک کلچر رکھتا ہوں، اصول سیاست اور زندگی کا ایک مطمح نظر رکھتا ہوں اور ان ہی چیزوں کے مکمل امتزاج کا نام "اسلام" ہے، جہاں تک خدا کے احکام کا تعلق ہے "میں اول مسلمان ہوں، بعد میں مسلمان ہوں، آخر میں مسلمان ہوں اور کچھ بھی نہیں صرف مسلمان ہوں" اگر آپ اپنے امپائر اور اپنی قومیت میں مجھ کو اس مکمل آمیزش، اس مکمل اصول سیاست، اس کلچر، اس اخلاق کو چھوڑ کر داخل ہونے کو کہیں تو میں داخل ہونا پسند نہ کروں گا، میرا پہلا فرض میرے خالق کے لئے ہے۔ بادشاہ سلامت کے لئے نہیں، اور نہ اپنے ساتھی ڈاکٹر مونجے کے لئے ہے۔ میرا پہلا فرض میرے پیدا کرنے والے کے لئے ہے، اور یہی حال ڈاکٹر مونجے کا بھی ہے۔ ان کو پہلے ہندو ہونا چاہئے جیسا کہ میں اپنے فرض کو بجالانے کے لئے پہلے مسلمان ہوں۔

"لیکن جہاں ہندوستان کا مسئلہ آتا ہے، جب اس کی آزادی کا سوال آتا ہے، جب اس کی فلاح و بہبود کی بحث آئے گی تو میں پہلے ہندوستانی ہوں، بعد میں ہندوستانی ہوں، آخر میں ہندوستانی ہوں اور کچھ بھی نہیں صرف ہندوستانی ہوں"

میرے دو دائرے ہیں، جو برابر ہیں، ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہے۔ ایک دائرہ ہندوستان کا ہے اور دوسرا اسلامی دنیا کا ہے۔ جب میں سنہ ۱۹۲۰ء میں خلافت کا وفد لے کر انگلستان گیا، تو میرے دوستوں نے کہا: تم اپنے (STATIONERY) کے لئے ایک خاص قسم کا طرۂ امتیاز "کلغی" نہیں رکھ سکتے، لیکن میں نے اس تختی میں دو

دائرے بنائے تھے، ایک میں ہندوستان تھا، دوسرے میں خلافت کے ساتھ لفظ اسلام لکھتا تھا، ہم ان دونوں دائروں کے ہیں، ہم دونوں میں سے کسی کو نہیں چھوڑ سکتے، ہم محض نیشنلسٹ قوم پرور نہیں ہیں، قوم پروری سے بالاتر بھی نہیں ہیں، میں ایک مسلمان کی حیثیت سے کہتا ہوں، کہ خدا نے تو انسان کو پیدا کیا، لیکن شیطان نے قوم کو پیدا کیا، قومیت پھوٹ ڈالتی ہے، مذہب متحد کرتا ہے، کسی مذہبی لڑائی اور کسی صلیبی جنگ میں وہ ہولناکیاں اور وہ سفاکیاں نہیں ہوئیں، جو گذشتہ جنگ عظیم میں دیکھی گئیں، وہ قومیت کی جنگ تھی، میرا جہاد نہ تھا۔

جہاں تک ہمارے ملک کا تعلق ہے، جب اس کے ٹیکسوں کا سوال اٹھے گا، جب اس کی بحث آئے گی، جب اس کے موسم کا ذکر آئے گا، جب وہ ہزاروں مسائل سامنے آئیں گے جو ہمارے روز مرہ کی زندگی میں پیش آتے رہتے ہیں، اور جن کا تعلق ہندوستان کی فلاح و بہبود سے ہے، تو میں کیسے کہہ سکتا ہوں کہ میں مسلم ہوں، اور وہ ہندو ہے، ہندو مسلم کے جھگڑوں سے غلط فہمی پیدا نہ ہو، ان کی بنیاد ایک دوسرے کے غلبہ کے خوف پر ہے، آپ کا جس طرح یہ گناہ ہے کہ آپ نے ہندوستان کو اس کے مردانہ اوصاف سے محروم کیا، اسی طرح آپ کا یہ بھی گناہ ہے کہ آپ نے ہندوستان کی غلط تاریخیں اسکولوں میں پڑھوائیں، جس کی بناء پر اسکولوں کے بچوں کے ذہن میں ہندوستان کی تاریخ کا ایک غلط تصور پیدا ہوا، سڑکوں پر، یا چھٹیوں میں جو جھگڑے ہوا کرتے ہیں یا ہمارے پڑھے لکھے لوگوں کا جو ذہن بنا ہے وہ زیادہ تر ان تاریخوں کے مطالعہ کا نتیجہ ہے جو سیاسی اغراض کے ماتحت لکھی گئیں، ان ہی کے مطالعہ کی وجہ سے سیاست میں انتقامی جذبہ پیدا ہوا، جو آج بھی موجود ہے، لیکن اگر مسلمان ہر جگہ پچیس فیصدی کے حساب سے اقلیت میں اور ہندو ہر جگہ چھیاسٹھ فیصدی کے حساب سے اکثریت میں ہوتے تو آج مجھے امید کی کوئی کرن نہ دکھائی دیتی، لیکن بھلا ہو ہمارے اولیاء اور مجاہدین کا، اگر ایک طرف ہندوستان میں ایسے صوبے ہیں، جہاں ہمارے

دوست ڈاکٹر کا صوبہ ہے، جس میں ہم صرف چار فیصدی ہیں، تو دوسری طرف ایسے صوبے بھی ہیں جن میں ہم ۹۳؍فیصدی ہیں، جیسا کہ میرے دوست نواب سر عبدالقیوم کا صوبہ ہے، سندھ کا ایک پرانا صوبہ ہے، جہاں مسلمان پہلے پہل آئے، وہاں وہ ۷۳؍ فیصدی ہیں، پنجاب میں ان کی آبادی ۵۶؍فیصدی ہے، بنگال میں وہ ۵۵؍فیصدی ہیں، ان اعداد و شمار سے ہمارے حقوق کے تحفظ کی صورت پیدا ہوتی ہے، کیونکہ ہم ہندوؤں سے کفیل کا مطالبہ کرتے ہیں، جیسا کہ ہم نے اپنی رضامندی سے ہندوؤں کے ان صوبوں میں اپنے کو یرغمال دے رکھا ہے، جہاں اُن کی بہت بڑی آبادی ہے، خوش قسمتی سے کچھ صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، اس لئے وہ وفاقی طرز کی حکومت ہندوستان کے لئے موزوں ہوگی، والیان ریاست کے لئے بھی ایسی ہی حکومت ضروری ہے، ہندوستان میں مرکز سے گریز کرنے اور مرکز کی طرف مائل رہنے کا توازن اتنا صحیح واقع ہوا ہے کہ وفاقی حکومت کا نظام کوئی دور دراز تخیل نہیں معلوم ہوتا، جیسا کہ حکومت ہند سوچتی ہے، بلکہ یہ ابھی اور اسی وقت عمل میں لایا جاسکتا ہے، ہم تو اس کانفرنس کو اس وقت چھوڑیں گے، جب ایسا وفاقی نظام قائم ہو جائے گا، جس میں والیانِ ریاست سے بھی صلح نامے ہو جائیں گے، میں لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنتا ہوں کہ راجاؤں اور نوابوں کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں ہوسکتا، یور ہائنس آپ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کریں گے، لیکن سنہ ۱۸۵۷ء میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی ختم کردی گئی، اور اقتدار برطانوی تاج کے سپرد ہوگیا، تو آپ کی مرضی دریافت نہیں کی گئی، آپ کی اجازت کا سوال ہی نہیں اُٹھا، آپ کے تعلقات کا فیصلہ خود بخود ہوگیا، ملکہ اور شاہ سے آپ کے تعلقات پیدا ہوگئے، ملکہ اور شاہ کی شخصیتوں میں ایسی شرافت تھی کہ بعض راجا اور نواب تو اپنے ضمیر میں ان کی پرستش کرتے تھے، یہی بات ہم کو بھی امید دلاتی ہے۔

قبل اس کے کہ میں اپنی تقریر ختم کروں، ایک بات اور کہوں گا، وہ فوج سے متعلق ہے، میں ایک راز افشاء کروں گا، آج سے دس سال پہلے ڈیوک آف کناٹ جب

انڈین لجس لیچر کا افتتاح کرنے ہندوستان گئے تھے، تو مہاتما گاندھی، پنڈت موتی لال نہرو اور مجھ کو میرے دوست سی، آر، داس آنجہانی نے مدعو کیا، اس وقت ہماری آنکھیں سی، آر، داس کو اس گول میز کانفرنس میں ڈھونڈھ رہی ہیں، اگر وہ زندہ ہوتے تو وہ اس منبر پر موتی لال اور مہاتما گاندھی کو ضرور ساتھ لاتے، وہ کچھ ایسے ہی آدمی تھے، میں اور گاندھی جی ایک ساتھ سی، آر، داس کے یہاں مقیم تھے، میں مہاتما گاندھی کا لارڈ چمبرلین بنا ہوا تھا، بڑی تعداد میں لوگ گاندھی جی کا درشن کرنے اور ان کا پاؤں چھونے کے لئے آرہے تھے، کاش ان کے سیکڑوں پاؤں ہوتے، پھر بھی ہزاروں آدمی کے لئے ان کا چھونا مشکل ہوجاتا، ان ہی میں دس بارہ لمبے آدمی پگڑی باندھے ہوئے آئے، وہ کوئی وردی پہنے ہوئے نہیں تھے، لیکن ان کی وضع قطع سے مجھ کو ایسا معلوم ہوا، کہ وہ پنجابی سی، آئی، ڈی ہیں، میں سنہ ۱۹۱۵ء میں اپنے ایک ہمسایہ کی جاسوسی پر گرفتار اور نظر بند ہوا، اس وقت سے میرا یقین ہے کہ کوئی جگہ ایسی نہیں ہے، جہاں خدا اور برطانوی جاسوس نہیں ہیں.......... میں ان خیالی برطانوی جاسوسوں سے ملا، تو ان سے کہا کہ میں آپ کی کیا خاطر کروں، میں تو باغیانہ سازش اختیار کر کے سی، آئی، ڈی کے لئے بہت کچھ مواد فراہم کر چکا ہوں، کچھ اور کرنا پسند کرتا ہوں، یہ سن کر انہوں نے کہا کہ ہم لوگ سی، آئی، ڈی نہیں، بلکہ فوج سے تعلق رکھتے ہیں، یہ سن کر میں نے کہا کہ آپ لوگ سازش کرنے والوں کے گھر کیسے آگئے، انہوں نے کہا ہم لوگ مہاتما گاندھی کا درشن کرنے آئے ہیں، ہم اس فوجی دستہ سے تعلق رکھتے ہیں، جو ڈیوک آف کناٹ کے لئے پونا سے آیا ہے، میں نے ان سے کہا، اگر آپ مہاتما جی سے ملنا چاہتے ہیں تو آپ ان کے پاس چلے چلیں، مہاتما گاندھی نے ان سے مل کر پوچھا: کیا آپ کو سوراج سے دلچسپی ہے، انہوں نے کہا: ''ہاں'' میں ہندوستان کی برطانوی فوج کے احترام میں کھڑا ہوجاتا ہوں اور ان کی باتیں دہراتا ہوں، گاندھی جی نے ان سے کہا، آپ کو سوراج سے دلچسپی ہے، آپ تو فوج کے آدمی ہیں، پونا سے آپ ''ڈیوک آف کناٹ'' کی حفاظت

کے لئے اس لئے بلائے گئے ہیں کہ بنگال کے لوگوں پر اعتماد نہیں تھا، حالانکہ یہی بنگال برطانوی حکومت کا پہلا صوبہ تھا، فوجیوں نے جواب دیا، ابھی کل پرسوں کی بات ہے، ہمارے کرنل نے پریڈ کے وقت ہنستے ہوئے آپ کے متعلق کہا کہ تم جانتے ہو یہ گاندھی ہندوستان کے لئے سوراج چاہتا ہے، یہ کہہ کر وہ کرنل ہنسا اور ہم لوگوں سے پوچھا "کیا تم لوگ بھی سوراج چاہتے ہو؟" کرنل کو یہی توقع تھی کہ ہم لوگ کہیں گے "نہیں جناب" لیکن فوج کے پورے دستے نے کہا "ہاں جناب" ہم بھی سوراج چاہتے ہیں، کرنل کو یہ سن کر بہت دھکا لگا، اور اس نے پوچھا کہ ہم لوگ کیوں سوراج چاہتے ہیں؟ تو اس کا جواب دیا گیا کہ جب سنہ ۱۹۱۴ء میں ہندوستانی سپاہی لڑنے کے لئے یورپ گئے، تو انہوں نے دیکھا کہ بلجیم کے سپاہیوں کو شکست ہوگئی، تو وہ پیچھے ہٹتے دکھائی دیئے، اور ان سے کوئی پوچھتا کہ وہ کون ہیں؟ تو وہ بہت فخر سے کہتے ک ہم بلجیم ہیں اور ہم بلجیم کی فوج کے سپاہی ہیں، اسی طرح فرانسیسی سپاہی بھاگتے ہوئے آتے اور ان سے پوچھا جاتا کہ وہ کون ہیں، تو وہ بھی بہت غرور سے کہتے کہ وہ فرانس کی فوج کے سپاہی ہیں، برطانیہ کے لوگون کے پندار کا بھی یہی حال تھا، لیکن ہندوستانی سپاہیوں نے فرانس کے ساحل کو اکتوبر سنہ ۱۹۱۴ء میں بڑے نازک موقع پر بچالیا تھا، لیکن جب ان سے پوچھا جاتا کہ وہ کون ہیں؟ تو وہ اس فخر کے ساتھ نہیں کہہ سکتے تھے کہ وہ ہندوستان کے فوجی ہیں، بلکہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ برطانوی رعایا ہیں، اور ہم لوگ برطانوی سرکار کی فوج کے فوجی ہیں۔

میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ ہندوستانی فوج کے جذبات ہیں، جو حق وصداقت پر مبنی ہیں، آپ ہندوستانی فوج سے استصواب رائے کرلیں، جب کہ خدا بھی موجود ہو، برطانوی جاسوس بھی موجود ہوں، ہم میں سے بھی کچھ لوگ موجود ہوں، تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ ہم لوگ ہندوستانی فوج کے جذبات سے زیادہ واقف ہیں، ہند اپنی مدافعت آپ کرسکتا ہے، اگر آپ اس کو مدافعت کرنے کے لئے ایمانداری سے چھوڑ دیں،

Scanned by CamScanner

ہندوستان کی حکومت نے جو سرکاری کاغذات میں ہدایت لکھ بھیجی ہے، وہ سر جان سائمن کی رپورٹ سے بھی کچھ زیادہ ہے، ہدایت یہ ہے کہ فوج اب انگلستان کی حکومت کے بجائے ہندوستان کی حکومت کے ماتحت رہے، یہاں ہندوستان کی حکومت کے تین نمائندے موجود ہیں، ان کے چمڑے میری ہی طرح ہیں، بلکہ مجھ سے بھی زیادہ سیاہ ہیں، اُن میں سے دو میری طالب علمی کے ساتھی ہیں، تیسرے نے بھی اس زمانہ میں انگلستان میں تعلیم پائی تھی، اگر یہ تینوں فوج کو قابو میں رکھ سکتے ہیں، تو سر تیج بہادر سپرو وزیر اعظم بن کر کیوں نہیں اس کو قابو میں رکھ سکتے ہیں، سر محمد شفیع ...... کیوں نہیں وزیر اعظم بن کر فوج کی نگرانی کر سکتے ہیں، اور کیوں نہیں میری جیسی حقیر ذات یا میرے لمبے چوڑے بھائی ہندوستان کے سپہ سالار بن سکتے ہیں؟

میں نے اپنی تقریر سے آپ کو تھکا دیا، اور میں بھی تھک چکا ہوں، میں اپنی جگہ پر واپس جاتا ہوں، اور مجھے یقین ہے کہ مجھ سے پھر اس کانفرنس کے کھلے اجلاس میں تقریر کرنے کو اس وقت تک نہیں کہا جائے گا، جب تک کہ جناب صدر! آپ کی طرف سے یہ اعلان نہ ہو کہ "ہندوستان انگلستان کی طرح آزاد ہے"۔

جدوجہد آزادی میں مسلمانوں کا حصہ

خطیب: حکیم مولانا محمد عبداللہ صاحب مغیثی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَسَلَّمَ، اَمَّابَعْدُ! قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِى الْقُرْاٰنِ الْكَرِيْمِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ ط اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ط بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ط حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِيْمَانِ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

برادران اسلام عزیز طلباء!!

آج جشن آزادی پندرہ اگست کی مبارک تاریخ ہے، جو ہندوستان کی تاریخ میں نہایت اہم تقریب ہے جو تمام ہندوستان والوں کے لئے ہر سال خوشی و مسرت کا پیغام لے کر آتی ہے اور الحمد للہ بلا امتیاز ہندو مسلم نہ صرف یہ کہ اس مبارک تاریخ کی قدر و قیمت اور اس کی اہمیت کو محسوس کرتے ہیں، بلکہ اس کی عظمت و تقدس کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور پورے ملک میں آزادی کے موضوع پر نئے نئے پروگرام منعقد کرتے ہیں اور اپنے بزرگوں کی جانی مالی قربانیوں کی یاد تازہ کرتے ہیں، کیونکہ مسلسل ۹۰ رسال کی جانی مالی قربانیوں کے نتیجہ میں ۱۵ راگست ۱۹۴۷ء کو ملک آزاد ہوا، اور پھر ۲۶ رجنوری ۱۹۵۰ء

میں ہندوستان کی آزادی اور جمہوری دستور کے نفاذ کا دن دیکھا اسی مناسبت سے تفصیلی روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا تا کہ ہمارے بچے اپنے بزرگوں کی قربانیوں سے واقف ہوں، اوران میں ملک کی تعمیر وترقی اوراس کے تحفظ کا جذبہ پیدا ہو۔

عزیز طلباء! ۱۴۹۸ء میں جب یورپین ''واسکوڈ گاما'' نے ہندوستان کی سرزمین کالی کٹ پر قدم رکھا تو اس ملک کے باشندوں کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ پرتگیزی اور بعد میں آنے والے دوسرے یورپی سوداگراس قدر عیار اور ٹھگ ثابت ہوں گے کہ وہ ہندوستان کی دولت کو نہ صرف دونوں ہاتھوں سے لوٹیں گے بلکہ اس پر قبضہ بھی کرلیں گے۔

پندرھویں صدی میں جب یورپین قوموں نے نئی سرزمینوں کی کھوج کا آغاز کیا تو ان کے سامنے کوئی سائنسی تحقیقات یا اپنی تجارت کو فروغ دینے کا مقصد نہیں تھا بلکہ لوٹ مار کے لئے شکارگاہوں کی تلاش ان کا مقصد تھا، چنانچہ سترہویں صدی عیسوی میں ایسٹ انڈیا کمپنی تجارت کے نام پر ہندوستان آئی اور بعد میں یہ ملک کی سیاست میں داخل ہوگئی، مغل حکومت اس وقت بہت کمزور تھی، آخری طاقتور اور بااختیار مغل فرمانرواں اورنگ زیب عالمگیرؒ کا انتقال فروری ۱۷۰۷ء میں ہوا اس کے بعد دلی کی مغل بادشاہت کی تاریخ کمزوری، زوال، اور مایوسی کی تاریخ ہے، چنانچہ غیرملکی تسلط کے خلاف ملک میں غم وغصہ بڑھتا جارہا تھا، اگر ہندوستان کی جنگ آزادی کی مکمل تاریخ لکھی جائے تو اس کا آغاز بنگال کے نواب سراج الدولہ سے شروع ہوتا ہے۔

اور وہ پلاسی میدان کی جنگ ہمیشہ یادرہے گی، ۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی ہوئی تھی، بنگال کے نواب علی وادی خان کا جب ۱۰/اپریل ۱۷۵۶ء میں انتقال ہوگیا تو ان کی جگہ ان کے ناتی مرزا محمد عرف سراج الدولہ گدی نشین ہوئے اس وقت ان کی عمردس سال تھی اس وقت سلطنت مغلیہ کا اقتدار ختم ہو چکا تھا اور بنگال کا نواب خودمختار ہوگیا تھا ۲۱/مئی ۱۷۴۴ء کو جب یورپ میں فرانس اور انگلینڈ کے مابین لڑائی چھڑی تو اس وقت

ہندوستان میں جو فرانس اور انگلینڈ کے لوگ تھے، ان میں بھی لڑائی شروع ہوگئی اور یہ دونوں ہی قومیں ہندوستان میں اپنا قبضہ جمانے کی کوشش میں تھیں، بالآخر فرانسیسیوں پر انگریز غالب آگئے، تو پھر انہوں نے اپنے ہاتھ پیر پھیلانا شروع کردیئے، اس وقت بنگال کا حاکم نواب سراج الدولہ تھا، انگریز اس کی اجازت کے بغیر قلعہ بندی اور اسلحہ جمع کر رہے تھے، نواب سراج الدولہ کو انگریز کی یہ چالاکی کھٹکی اس لئے نواب کی فوجوں نے انگریزوں کی قائم بازار کی فیکٹری پر قبضہ کرلیا اور قلعہ بندی کو روک دیا، ۲۰ر جون ۱۷۵۶ء کو فورٹ ولیم پر نواب نے قبضہ کرلیا، اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کا جنرل ڈائرکٹر لارڈ کلائیو تھا، جو بہت چالاک اور کمپنی کا خیر خواہ تھا، لارڈ کلائیو نے نواب سراج الدولہ کے ایک جنرل میر جعفر کو اپنی سازش میں شریک کر کے سراج الدولہ پر حملہ کردیا۔

۲۳ر جون ۱۷۵۷ء کو پلاسی کے میدان میں لارڈ کلائیو اور نواب سراج الدولہ کی فوجوں کا خوب آمنا سامنا ہوا اس وقت نواب سراج الدولہ کی فوج میں ہندو مسلمان دونوں شامل تھے یہ جنگ نہایت خوفناک جنگ تھی، مگر میر جعفر کی غداریوں کے سبب نواب سراج الدولہ پلاسی کی جنگ ہار گئے اور میر جعفر نے نواب بننے کے لالچ میں ۲ر جولائی ۱۷۵۷ء کو نواب سراج الدولہ کو شہید کردیا، اور پورے بنگال پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا، یہیں سے ہندوستان میں انگریزی حکومت کی بنیاد پڑی ہے۔

تحریکِ آزادی میں علماء کی ناقابلِ فراموش قربانیاں

یہ بھی ایک ٹھوس تاریخی حقیقت ہے کہ ۱۹۰۰ء تک جتنے بھی مجاہدین آزادی پھانسی کے پھندوں پر لٹکائے گئے، انہوں نے یا کالے پانی کی کربناک زندگی گزاری یا عمر قید کی سزا بھگتی یا صفوں میں کھڑا کر کے گولی ماردی گئی یا بغاوت کے جرم میں ان کو شوٹ کیا گیا، تحریک آزادی کے پورے دور میں دوسری قوموں کی قربانیوں کی مجموعی تعداد بھی اس کے برابر نہیں ہوسکتی۔

Scanned by CamScanner

۱۱رمئی ۱۸۵۷ء درحقیقت جنگ آزادی کا نقطۂ آغاز ہے، جب انگریزی فوج کے سپاہیوں نے حکومت کے خلاف بغاوت کی اور اپنے انگریز افسروں کو گولی مار کر دہلی پر قبضہ کرنے کے لئے چلے، لیکن یہ تحریک کامیاب نہ ہو سکی، اس تحریک کی ناکامی کے بعد انگریزوں نے انتقامی کاروائیوں کا آغاز کیا، جس کے نتیجہ میں خصوصیت کے ساتھ انتہائی طور پر مسلمانوں کو کچل دیا گیا، دہلی کا چاندنی چوک ہی نہیں بلکہ شہر کے ہر چوراہے پر سولیاں نصب کردی گئیں، دہلی اور دہلی کے باہر درختوں کی شاخوں پر پھانسی کے پھندے لٹکے ہوئے تھے جو بھی معزز مسلمان انگریزوں کے ہاتھ چڑھ گیا، اسے ہاتھی پر بٹھایا، درخت کے نیچے لے گئے پھندا اس کی گردن میں ڈال کر ہاتھی کو آگے بڑھا دیا جاتا، لاش پھندے میں جھول جاتی، آنکھیں اُبل پڑتیں، زبان منہ سے باہر نکل آتی، ذبح کئے ہوئے مرغ کی طرح جان کُنی کا وہ ہیبت ناک منظر کہ "الامان والحفیظ" مسلمانوں میں خوف و ہراس اور دہشت پھیلانے کے لئے وہ سزا کے نت نئے طریقے ایجاد کرتے کسی بھی سرآوردہ معزز مسلمان کو پکڑ کر توپ کے دہانے پر رسیوں سے جکڑ کر باندھ دیا جاتا اور توپ داغ دی جاتی، جس سے پورے جسم کا گوشت بوٹی بوٹی ہو کر فضاء میں اڑ جاتا تھا، جس طرح تیز ہوا میں کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے، دور تک خون کے چھینٹے اس طرح پڑتے، جیسے فضاء سے زمین پر کسی نے خون کا چھڑکاؤ کیا ہے لاش کا سر فضاء میں میلوں بلندی پر جاکر جب زمین پر گرتا تو بسا اوقات کسی راہ گیر یا جانور کی جان چلی جاتی تھی۔

ہندوستان کے مشاہیر علماء کرام ومشائخ عظام رؤساء، امراء، جن کی راہوں میں عوام آنکھیں بچھاتے تھے، جن کی اعزاز واکرام کا عالم یہ تھا کہ مسلمانوں میں ان کو سر اور آنکھوں پے بٹھایا جاتا تھا ایسی معزز ومحترم شخصیتوں کو جزیرہ انڈمان، کالے پانی کی مسموم فضاء میں بھیج دیا جاتا تھا، یہ جزائر درحقیقت بڑے بڑے قید خانے تھے جن میں چہار دیواریاں اور فصیلیں تو نہیں تھیں لیکن چاروں طرف حد نگاہ تک سمندر لہریں مارتا

رہتا تھا، ان میں علماء مشائخ سے لکڑیاں کٹوائی جاتیں کوڑے کرکٹ کی ٹوکریاں ان کے سروں پر لاد کر پھکوائی جاتیں، مولانا فضل حق خیرآبادیؒ سے غلاظت کے ٹوکری پھنکوائی جاتی تھیں، اس طرح کے مسلم مجاہدین کی تعداد جزیرہ مالٹا میں تقریباً چار ہزار تھی، مولانا جعفر تھانیسریؒ نے اپنی خودنوشت ڈائری میں تحریر کیا ہے کہ جب مولانا یحییٰ علی صادق پوریؒ کی جزیرۂ مالٹا میں وفات ہوئی تو ان کی تجہیز و تکفین میں شریک ہونے والوں کی تعداد چار پانچ ہزار کے درمیان تھی، یہ حضرات علماء کرام ہی کی جسارت و بہادری تھی کہ جب تقریر و تحریر پر سخت پابندی تھی۔

اس وقت بھی سب سے پہلا احتجاجی جلسہ کلکتہ بنگال کے خلاف ہوا اس کے تمام مسلم مقررین میں شاید ہی کوئی ایسا بچا ہوگا جنہوں نے پولیس کی سختیاں اور قید و بند کی معوبتیں نہ جھیلی ہوں، ۱۹۱۵ء میں ریشمی رومال تحریک بھی مسلمانوں کا ایک جرأت مندانہ قدم تھا جو بغاوت کے فرد جرم تک جاتا ہے، کئی سو علماء نے پولیس کے عبرت ناک مظالم سہے، اور قید و بند کی اذیت ناک زندگی گزار کر ہندوستان واپس آئے، ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ بھی اس دور کی یادگار بن گیا، کیونکہ جلیانوالہ باغ امرتسر کا واقعہ اسی سال پیش آیا تھا، اس میں بھی شہید ہونے والوں کی فہرست پر اگر نظر ڈالیں تو مسلمانوں کے ہر طبقہ کے لوگوں کو بڑی تعداد میں خونِ شہادت سے سرخرو پائیں گے، پھر تحریک خلافت میں ترک موالات اور عدم تعاون کا جوش و خروش ابھرا تو اس میں بھی علماء کرام ہی ۱۹۲۵ء تک قیادت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

تحریکِ آزادی میں علماء کا قائدانہ کردار

تحریکِ آزادی میں جن حضرات نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس راہ میں ہر طرح کی قربانیاں پیش کیں ان میں علماء کرام سرفہرست ہیں .... اگرچہ علماء کرام مدارس اسلامیہ دینی، تعلیمی اور تبلیغی خدمات کے لئے مشہور تھے تاہم جب انگریزوں نے ملک

Scanned by CamScanner

پر اپنا قبضہ جمالیا اور ہر طرح سے باشندگان ہند کو ستانا شروع کردیا تو یہ حضرات اپنے آپ کو مدارس کی چہار دیواری یا دینی وتبلیغی کاموں تک محدود نہ رکھ سکے بلکہ وطن عزیز کی بقاء کے لئے میدان میں آگئے، دراصل انہوں نے قطعاً اس بات کو برداشت نہ کیا کہ ظالم انگریز ہندوستان اور باشندگانِ ہند کو اپنا غلام سمجھیں، ملک میں ہر طرح کی لوٹ کھسوٹ کریں اور لوگوں پر ظلم وتشدد کو روا رکھیں اور وہ مدرسوں میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے اطمینان سے بیٹھیں رہیں۔

علماء حضرات کے ملک کے تئیں پُر خلوص جذبات واحساسات اور حب الوطنی کا یہ عالم تھا کہ ابھی انگریز مکمل طور سے ملک پر قابض بھی نہ ہوئے تھے کہ انہوں نے ان کے گھناؤنے کردار، ان کی غلامانہ ذہنیت اور ملک کے حق میں ان کے وجود کے نقصانات کو محسوس کرلیا تھا، چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے فوزا اس وقت کے امراءو حکام کی توجہ کو اس طرف مبذول کیا کہ وہ اپنے حالات کو سنواریں، اپنی طاقت کو بحال کریں، عیش وعشرت کو خیر آباد کہیں اور مرد میدان بنیں، ورنہ وہ دن دور نہیں ہوگا کہ اہل وطن کا گلا گھونٹ دیا جائے گا اور وہ بے بسی کے عالم میں آہ بھی نہ کرسکیں گے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے ان کلمات کے ذریعہ ان کو انگریز سے ہوشیار رہنے کا اشارہ کیا تھا، لیکن اس وقت کے راجا اور نواب آپسی دشمنی اور عیش کوشی سے باز نہ آئے، نتیجہ یہی ہوا کہ انگریزوں کا دائرہ اثر کشادہ ہوتا چلا گیا، کلکتہ، مدراس، بمبئی کے علاوہ اب انہوں نے دہلی پر بھی اپنا اثر قائم کرلیا، اس لئے اب اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ رہ گیا تھا کہ ان کے اثرات کو ختم کرنے کے لئے علماء میدان میں آجاتے۔

خوش قسمتی سے اس کام کی پہل حضرت شاہ عبدالعزیزؒ (متوفی ۱۸۲۳ء) نے کردی اور اہل ہند کو میدان میں لانے کے لئے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ صادر کردیا، اس فتویٰ کا دینا تھا کہ ملک میں ایک کہرام مچ گیا، علماء حرکت میں آگئے، اور مسلمان انگریزی اقتدار سے آزاد ہونے کے لئے تڑپنے لگے، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ

Scanned by CamScanner

کے فتوے کے بعد علماء کی ایک جماعت تیار ہوگئی، جس نے تحریک جہاد کا آغاز کردیا، اس تحریک کے سرخیل حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت مولانا محمد اسماعیلؒ تھے، سرپرستی حضرت مولانا محمد اسحاق دہلویؒ فرمارہے تھے، مگر بدقسمتی سے یہ تحریک ناکام ہوگئی۔

اس تحریک کی ناکامی کے بعد بھی حضرات علماء خاموش نہ بیٹھے، بلکہ حتی الامکان ہندوستان کو آزاد کرانے کی کوشش کرتے رہے، یہاں تک کہ ۱۸۵۷ء کا زمانہ آگیا، ۱۸۵۷ء میں آزادی کی لڑائی چھڑ گئی، ہندو مسلم اور ملک کی دیگر اقوام نے اس لڑائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، لیکن مسلح دشمنوں نے اس بغاوت کو اپنی جارحیت کے ذریعہ کچل دیا، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا ایک اہم جز معرکہ شاملی ہے، اس کے سربراہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (متوفی ۱۸۹۹ء) تھے اور خاص کمانڈروں میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (متوفی ۱۸۷۹ء) اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (متوفی ۱۹۰۵ء) تھے، اس جنگ میں بہت سے علماء شہید ہوگئے تھے۔

اگرچہ علماء کرام جنگ ہار گئے، اور اپنی بے پناہ کوششوں کے باوجود بھی ہندوستان کو اس وقت تک آزاد نہیں کرپائے تھے، البتہ وہ ہمت نہ ہارے، بلکہ تحریک آزادی کو آگے بڑھانے کا حوصلہ رکھتے تھے، حالانکہ یہ وہ وقت تھا جب کہ انگریزوں کے مظالم و جارحیت کے سبب اہل وطن میں ان کے خلاف بغاوت کی جرأت نہ رہی تھی، اس لئے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزی حکومت نے بے شمار ہندوستانیوں کو بغاوت کے جرم میں اتنی سخت سزائیں دی تھیں جن کے تصور سے ہی روح کانپ اٹھتی تھی، ان سزاؤں کو یاد کرکے بڑے اچھے اچھے لوگ خاموش ہوکر بیٹھ گئے تھے اس حالت کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسا کہ اب اہل وطن انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہونے کی کبھی کوشش نہ کریں گے، مگر علماء کرام نے ہمت نہ ہاری اور باضابطہ تحریک آزادی شروع کردی، مولانا قاسم نانوتویؒ اور دیگر اکابرین نے اسلامی روایات کے تحفظ اور ملک کی آزادی کے مقصد کے پیش نظر دیوبند میں ایک درسگاہ کی بنیاد ڈالی، اس کا نام دار العلوم رکھا گیا، بظاہر اس کا مقصد علوم

وفنون کا فروغ تھا لیکن اس کے ساتھ ملک کی آزادی بھی اس کا بنیادی مقصد تھا۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوستان کی جنگ آزادی کی جدوجہد میں علماء کرام کو جو مقام حاصل رہا ہے اس میں کوئی جماعت ان کی حریف فخر نہیں کہی جا سکتی ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ خیز انقلاب کے بعد صرف یہی ایک جماعت تھی جس نے آزادی کے تصور کو ملک میں زندہ رکھا، ان کی مسلسل جدوجہد نے بالآخر پورے ملک میں آزادی کی روح پھونک دی، حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اس تصور کے سب سے بڑے داعی اور اس تحریک کے سب سے بڑے مبلغ تھے انہوں نے جس سرگرمی کے ساتھ اس تصور کو پروان چڑھایا اس کی مثال نہیں ملتی۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے جانباز شاگردوں کی مجاہد جماعت جو دو سو (۲۰۰) برس سے اس سعی میں نہ صرف قلم اور روشنائی سے بلکہ شمشیر اور خون سے اس کی راہ نوادی کر رہی تھی، ۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریزی اقتدار مکمل ہو کر پوری طرح اس ملک پر چھا گیا تو صرف یہی ایک جماعت تھی جس نے آزادی کے تصور کو ملک میں زندہ رکھا اور بالآخر اس تصور کا سب کو دیوانہ بنا کر چھوڑا، مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حافظ ضامن شہیدؒ وغیرہ اکابرین نے اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی قیادت میں تلوار اُٹھائی اور آزادی کی راہ میں سرفروشی کے ساتھ میدان میں اُترے، لیکن راہ کی مشکلات کے باعث فتح کا سلسلہ شاملی کی تحصیل تک ہی رہ گیا اور دہلی کے تخت تک نہ پہنچ سکا، مگر یہ سرفروشی کی جماعت اپنے تصور سے غافل نہ رہی، ان اکابرین کے دنیا سے جانے کے بعد ان کے سچے جانشین حضرت شیخ الہندؒ نے ان کے علم اور نظریات کے جائز وارث تھے، اس پوری جماعت کے ساتھ تحریک آزادی کو جاری رکھا۔

مدینہ منورہ کے گورنر جمال پاشا کے قول کے مطابق شیخ الہندؒ کی مٹھی بھر ہڈیوں اور مختصر سے ڈھانچے میں کیا کرامت رکھی ہوئی تھی کہ اس نے پوری دنیائے اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

Scanned by CamScanner

بہر حال ان اکابرین اور بزرگان دین کا جذبہ انگریزوں کے اقتدار کے خلاف نہ جاہ منصب کے لئے تھا اور نہ وزارت کی کرسیوں کے لئے تھا، نہ کسی ایک پارٹی کے اقتدار کے لئے بلکہ صرف اس لئے تھا کہ جابر قوم کی گرفت سے مظلوم ملک کو نکالا جائے اور حق اقتدار کے طور پر جس کی امانت ہو اسے سپرد کیا جائے، جس سے حق کا کلمہ بلند ہو، ان بزرگوں کا سب سے بڑا مشغلہ یہی ذکر وفکر ہر وقت رہتا تھا کہ انگریزوں کا جوا کس طرح کاندھوں سے اُتارا جائے، اسی کے بارے میں پیشنگوئیاں اور مکاشفات تھے اور اسی کے بارے میں تمام نظام وانتظام تھا، ایک دن چھتہ (دیوبند) کی مسجد میں سب بزرگ جمع تھے انگریزوں کے تسلط اور غیر معمولی طاقت کو دیکھ کر حضرت سید محمد عابد صاحبؒ نے فرمایا کہ انگریزوں نے گہرے پنجے جمائے ہیں، دیکھئے کس طرح اکھڑیں گے اس پر مولانا یعقوب نانوتویؒ نے فرمایا: کہ حاجی صاحب آپ کس خیال میں ہیں وہ وقت دور نہیں جبکہ ہندوستان صف کی طرح لوٹ جائے گا، کوئی جنگ نہ ہوگی، بلکہ بحالت امن وسکون یہ ملک صف کی طرح پلٹ جائے گا رات کو سوئیں گے ان کی عملداری میں اور صبح کریں گے دوسروں کی عملداری میں۔

عزیز طلبہ! آج آزادی کی تمام مساعی ایک عمارت ہے جس کی بنیاد یہ بزرگان دین رکھ گئے تھے اور میں یہ بات ببانگ دُہل کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کی آزادی کی یہ جدوجہد صرف مسلمانوں نے شروع کی تھی، انہوں نے اسے پروان چڑھایا، حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ نے انگریزوں کے خلاف فتویٰ دیا اور ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اس فتویٰ کو استعمال کیا اور اس نسخۂ شفاء کو خاص ترکیب سے پیا اور دوسروں کو پلایا، حضرت شیخ الہندؒ نے اس نسخہ کو معجون مرکب کی صورت میں محفوظ کیا اور اس قابل کر دیا کہ ہر کس وناکس اسے استعمال کر سکے، چنانچہ وہ استعمال شروع ہو کر عام ہو گیا، تحریک

Scanned by CamScanner

خلافت میں بھی یہ نسخہ گو تلخ تھا مگر سب نے استعمال کیا اور بہر حال عام استعمال ہوکر آزادی کا جذبہ مسلمانوں سے گزر کر اپنائے وطن تک پہنچا اور پھر وہ بھی سر گرم ہو گئے اور ہندو مسلمانوں کی انتھک مساعی اور قربانیوں کا ثمرۂ شیریں آج ملک کی آزادی کی شکل میں ہمارے سامنے ہے جس پر ہم ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں، ہر سال جشن آزادی مناتے ہیں، ہم ایسے موقعوں پر ان بزرگان مرحومین کے لئے دُعاءِ خیر کریں، جن کی تخم ریزی سے یہ درخت تناور ہوا اور آج اس کا پھل سب کھا رہے ہیں۔

جنگِ آزادی کے چار دور

جنگِ آزادی میں مسلمانوں کی قربانیاں اور ان کی سرفروشانہ رزم آرائیاں اظہر من الشمس ہیں ان کے روشن اور زرّیں کارنامے تاریخ کے صفحات پر شاہد عدل ہیں، علماء عظام نے بہت ہی جانفروشی کے جذبہ کے ساتھ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور جنگ آزادی کو بین الاقوامی تحریک کی حیثیت دیکر امریکی سامراج کی راتوں کی نیند حرام کردی، اہل علم ودانش اور مؤرخین نے علماء ہند کی جدوجہد آزادی کو چار دوروں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) پہلا دور ۱۸۰۱ء سے ۱۸۵۷ء تک ہے جس کی قیادت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے کی اس دور میں انگریز سامراج نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے لے کر ملکی اقتدار اعلیٰ پر قبضہ کی تاریخ مرتب کی اور ۱۸۰۳ء میں سامراجی قوتوں نے اپنے خونیں پنجے ملک کے دست وبازو میں گاڑ دیئے اور سارے اختیارات کمپنی کے تسلیم کرالئے گئے اور اس کی تعبیر یہ کہی گئی کہ "خلق خدا کی" ملک بادشاہ سلامت کا، اور حکم کمپنی بہادر کا تو پھر حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ نے سامراجی دور حکومت کے دارالحرب ہونے اور مسلمانوں پر جہاد فرض ہونے کا فتویٰ صادر کیا جو اس دور کی عظیم الشان یادگار ہے، اس دور میں مولانا سید احمد شہیدؒ اور مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کی بے مثال خدمات تاریخ ہند کا روشن ترین باب ہیں اس دور میں ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے

Scanned by CamScanner

والوں میں ۹۰ رفیصد مسلمان تھے۔

(۲) دوسرا دور ۱۸۵۷ء سے شروع ہوکر ۱۹۱۱ء پر ختم ہوتا ہے، یہ دور نہایت ابتلاء اور آزمائش کا دور ہے انگریزی سامراج نے اس لرزہ خیز دور میں لاکھوں علماء کو نہ صرف ذلیل ورسوا کیا، بلکہ انہیں قید وبند کی آزمائشوں میں مبتلاء کیا، اوران میں سے اکثر کو موت کی ابدی نیند سُلا دیا، ایک امریکی مصنف کے قول کے مطابق اس عرصہ میں دہلی اوراس کے اطراف کے علاقوں میں تقریبًا تین لاکھ مسلمانوں کوانگریزوں نے شہید کیا اوران کی املاک کوتاراج کیا، مگر علماء کرام پر یہ باتیں اثرانداز نہ ہوسکیں، آزاد ہندفوج کا قیام، مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی زیر قیادت آزادحکومت کا کابل میں قیام اس دور کی تاریخ کا زرّیں باب ہے۔

(۳) تیسرا دور ۱۹۱۲ء سے شروع ہوکر ۱۹۱۹ء تک ختم ہوتا ہے اس دور کی قیادت شیخ المشائخ حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے کی، ریشمی رومال کی تحریک اس دور کی عظیم یادگار ہے، جس کی پاداش میں تحریک حریت کے سرخیل شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ مع اپنے رفقاء مالٹا میں قید کردیئے گئے اور دوران آزادی پچپن ہزار علماء شہید کیے گئے۔

(۴) چوتھا دور ۱۹۱۹ء سے شروع ہوکر آزادی کے سورج طلوع ہونے پر ۱۵راگست ۱۹۴۷ء کو پورا ہوجاتا ہے، یہ دور آزادی کا سنہرا دور ہے، جنگِ آزادی میں مسلمانوں کی جن جماعتوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ان میں کل ہند خلافت کمیٹی، جمعیۃ علماء ہند، کشمیر نیشنل کانفرنس اور خدائی خدمت گزار وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

Scanned by CamScanner

آزادی ہند حقیقت یا سراب

خطیب: مولانا سید سلمان الحسینی ندوی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّابَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ:﴿لَااِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی، لَا انْفِصَامَ لَھَا ، وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ. اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَوْلِیَاؤُھُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَھُمْ مِنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمَاتِ، اُوْلٰئِکَ اَصْحَابُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خَالِدُوْنَ﴾صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ .

آزادی کی پچاس سالہ تقریبات:

میرے عزیز ساتھیو، دوستو اور علمی قافلہ کے رفیقو، اور دینی بھائیو!

کہا جاتا ہے کہ آج آزادی کا دن ہے، پندرہ اگست کی تاریخ کو آزادی کے دن کی حیثیت سے منایا جاتا ہے ہر سال یہ دن آتا ہے، اور اپنی یادوں کے ساتھ آتا ہے، اور آج اس سال میں جب اگست کی پندرہ تاریخ آئی، تو پچاس سال پورے کر کے آئی، یہ پچاس سالہ آزادی کی تقریبات اپنی جھولی میں لے کر آئی، اگست کے آغاز سے ہی بلکہ اس سے بھی پہلے سے ملک کی پچاس سالہ آزادی کی تقریبات کے سلسلہ میں تیاریاں ہو رہی ہیں اور سارا میڈیا اس کی طرف متوجہ ہے، اخبارات میں مضامین ہفتوں سے آرہے ہیں، ریڈیو پر ٹاکس آرہی ہیں، ٹی وی پر بھی پروگرام آتے رہتے ہیں اور ملک

Scanned by CamScanner

کے دانشور، صحافی، مبصر، اہل علم اور اطلاعات ونشریات کے محکمہ سے تعلق رکھنے والے افراد ملک کے عوام کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ پچاس سال آزادی کو گذر چکے ہیں اور یہ ملک اس طرح سے ایک نئے دور میں داخل ہو رہا ہے۔

اس پچاس سال کی مدت میں کیا کھویا کیا پایا، یہ ایک سوال ہے؟

ملک تنزل کے راستے پر

ایک حد تک یہ خوش آئند بات ہے کہ اس وقت مسلمان صحافی ہوں یا ہندو، عیسائی صحافی ہوں یا کسی اور مذہب سے تعلق رکھنے والے، اب اخفائے حال اور کتمان حق کی کوششیں کرنا کسی کے لئے بھی آسان نہیں رہ گیا ہے، یہ سارے کے سارے صحافی اگرچہ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ملک نے بعض پہلوؤں سے ترقی کی ہے، تو سب کے سب اس پر بھی متفق اللسان ہیں کہ ملک تنزل کے جس راستہ پر چلا ہے، اور جس کی بہت سی منزلیں طے کر چکا ہے، اس کا مستقبل بڑا ہی بھیانک ہے، منفی پہلو مثبت پہلو پر بہت غالب آچکا ہے۔

پھوڑا پھٹ چکا ہے

آج صبح ہی ''قومی آواز'' کے اداریہ اور ''ٹائمز آف انڈیا'' کے اداریہ کو میں پڑھتا رہا اور محسوس کرتا رہا کہ درد کا احساس سب کو ہے اور حق بات سب کو کہنا پڑ رہی ہے، اس لئے اب اس کو دبانا انتہائی مشکل ہو گیا ہے، پھوڑا پھٹ چکا ہے، پیپ بہہ رہی ہے، خون رس رہا ہے، اور ملک کی تباہی و بربادی اندھے کو بھی نظر آرہی ہے، جو بے شعور ہیں ان کو بھی باشعور بننا پڑ رہا ہے، جو بے ضمیر ہیں ان کو بھی ضمیر کا حوالہ دینا پڑ رہا ہے، ایک ایسی صورتحال میں اہل قلم کو اپنے قلم کی لاج رکھنی پڑ رہی ہے، اہل زبان کو زبان کا کچھ حق ادا کرنا پڑ رہا ہے، غرضیکہ سبھی جو کہہ رہے ہیں وہی ہم نے بھی اگر کہہ دیا تو کیا کمال کیا۔

Scanned by CamScanner

مادی مفادات کا نقطۂ نظر

لیکن سب جو کچھ کہہ رہے ہیں اور جتنا کہہ رہے ہیں وہ ان کے شعور، ان کی معلومات اور ان کے فکر کے محدود دائرہ کی بات ہے، ان کے نزدیک آزادی کا مفہوم صرف یہ ہے کہ بدیسی طاقت اس ملک سے نکل جائے اور اس ملک کے رہنے والے یا کسی بھی ملک کے رہنے والے خود اپنے اوپر حکمرانی کریں، حکمرانی کا حق ان کے ہاتھ میں آجائے، وہ اپنے عوام کے ووٹ سے اپنی حکومت کے منتخبہ افراد کو طے کریں اور پھر ان کے ذریعہ سے اپنا نظام چلائیں، ان کے مکان ان کی روٹی اور ان کے کپڑے کے مسائل حل ہو جائیں۔

آزادی مادی اعتبار سے بھی نامکمل ہے

جن لوگوں کے ذہن میں آزادی کا صرف اتنا مطلب ہے وہ بھی شکوہ کناں ہیں، وہ بھی ماتم کناں ہیں وہ خود حیران و پریشان ہیں کہ ہم اس پیمانے سے بھی آزادی ناپیں، تولیں، تو آزادی کی پوشاک میں سے ہمارے پاس چند چیتھڑے ہی تو باقی رہ گئے ہیں، چند ٹکڑے ہی تو باقی رہ گئے ہیں، کیا ان کی کوئی تعریف کرے اور کیا ان کا کوئی تذکرہ کرے، کیا روٹی سب کو مل گئی ہے؟ کیا مکان سب کو مل گیا ہے؟ کپڑا سب کو مل گیا ہے؟ کیا ملک نکبت اور افلاس سے نکل چکا ہے؟ کیا لوگ اس ملک میں خوشحال ہو گئے ہیں؟ کیا اب کوئی فاقہ مست نہیں رہ گیا ہے؟ کیا سڑکوں پر اب بھیک منگے نظر نہیں آتے ہیں؟ کیا ایسی بیوائیں نہیں ہیں کہ جو پریشان حال ہوں یا ایسے یتیم نہیں ہیں کہ جن کا کوئی سرپرست نہ رہ گیا ہو، ملک میں سب کی ضروریات پوری کر دی گئی ہیں؟ امن قائم ہو گیا ہے؟ بدامنی ختم ہو گئی ہے؟ اور کیا واقعتاً ملک ایسی طاقتوں سے آزاد ہو گیا ہے جو ملک کو بیچ دینا چاہتی ہیں اور ملک لوٹ لینا چاہتی ہیں؟

Scanned by CamScanner

انگریزوں کے دور سے بھی ابتر حالت

ان تمام پیمانوں سے دیکھئے، ایک ایک کو پرکھئے، پھر حالات کو جانچ کر دیکھئے، تول کر دیکھئے تو آپ کو یہ کہنا پڑے گا کہ نہ تو امن قائم ہوا ہے، نہ بدامنی دور ہوئی ہے، نہ ایسے حکمراں آئے ہیں کہ جو ملک کو لوٹنا کھسوٹنا چھوڑ دیں اور اس کی تجارت اور سوداگری ختم کر دیں، نہ ہر شخص کو روٹی ملی ہے، نہ ہر شخص کو مکان ملا ہے، نہ ہر شخص کو کپڑا ملا ہے، نہ لوگوں کو عزت ملی ہے، بلکہ جو حال انگریزوں کے دور حکومت میں تھا اس سے زیادہ برا حال ہے، اس سے ابتر صورتِ حال کا لوگ سامنا کر رہے ہیں، جو اس وقت نہیں ہوتا تھا، نہ ہو سکتا تھا، اب وہ سب کچھ ہو رہا ہے اور اپنے لوگوں کے ہاتھوں ہو رہا ہے اور روزانہ اس کی رپورٹ آپ بھی اخبار میں پڑھ لیا کرتے ہیں اور کون ایسا شخص ہے جس کو اب حالات نہ معلوم ہوں، حکمرانوں کے حالات، وزیر اعلیٰ کے منصب پر فائز ہونے والوں کے حالات، یہاں تک کہ وزیر اعظم کے منصب پر فائز ہونے والے افراد کے جو حالات سامنے آتے رہتے ہیں، ان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ ملک کس طرح اخلاقی گراوٹ میں مبتلا ہو چکا ہے اور کیرکٹر اور کردار کے اعتبار سے کتنا زیادہ محروم ہو چکا ہے اور قدریں بالکل تبدیل ہی نہیں ہو گئی ہیں بلکہ قدریں مفقود ہو گئی ہیں، نابود ہو گئیں ہیں، ملک کا جو اعلیٰ ترین طبقہ شمار کیا جاتا ہے اور جس کو شمار کیا جانا چاہئے، وہ دنیا میں اخلاق کا بدترین طبقہ بنا ہوا ہے وہ نہایت شقی اور بد بخت ہے۔

آزادی کی حقیقی خوشی مفقود

ایک ایسی صورتِ حال میں آزادی کی خوشی اور آزادی کا جشن وغیرہ الفاظ سب بے معنی ہیں، آزادی کی خوشی آپ کے چہرے پر نہیں ہے، تو اس پر کوئی تعجب نہیں، اس لئے کہ آپ کو آزادی ملی ہی کہاں ہے؟ لیکن جنہیں آزادی ملی جنہوں نے آزادی کا

Scanned by CamScanner

ڈھنڈورا پیٹا، آزادی کے شادیانے بجائے اور آزادی کی واقعی خوشیاں منائیں، آج ان کے بھی چہروں کو آپ پڑھ لیجئے، بسوں پر سفر کیجئے، ریلوں پر جایئے اور آج کے دن جو پندرہ اگست کا دن ہے اور آج کی جو گذری ہوئی رات ہے اگر آپ اس روز وشب میں اس کا جائزہ لیتے اور اب جو کچھ بھی باقی دن ہے اس میں جائزہ لے کر دیکھ لیں تو آپ کو کہیں پر بھی خوشی کی کوئی لہر نظر نہیں آئے گی، کوئی ایسا طبقہ نظر نہیں آئے گا، جو واقعی آزادی کی خوشی میں اس وقت مستغرق ہو اور یہ محسوس کر رہا ہو کہ ہم کو بہت بڑی دولت اور نعمت عظمیٰ ملی ہے۔

ہر شخص کسی نا معلوم خوف کے شکنجہ میں

جن کے ہاتھ میں باگ ڈور ہے وہ اس سے ڈرے سہمے ہوئے ہیں کہ کب یہ باگ ڈور ہاتھ سے نکل جائے، جو اعلیٰ طبقہ کے ہیں ان پر یہ خوف طاری ہے کہ کب ادنیٰ اور پسماندہ طبقے کو کچل کر رکھ دیں گے اور ان کے تاج کو روند دیں گے، جو اکثریت میں ہیں ان کو یہ خوف کھائے جا رہا ہے کہ اقلیت کب اکثریت میں تبدیل ہو جائے گی اور ہم کب اقلیت میں تبدیل ہو جائیں گے، جو طاقت والے ہیں انہیں یہ ڈر ہے کہ کب ہم نہتے ہو جائیں گے، اور ہماری طاقت ختم ہو جائے گی، مالدار کو ڈر ہے کہ نہ معلوم کس وقت ہم ڈاکوؤں کے ہاتھ چڑھ جائیں، نہ معلوم کس وقت چور گھر میں نقب زنی کرے گا اور یہی نہیں بلکہ نہ معلوم کس وقت سی بی آئی کا دیو آکر ہم کو اپنے شکنجہ میں کس لے، اور اس کے بعد نہ عزت رہے نہ مال، اور جو غریب ہیں ان کو ڈر کھائے جا رہا ہے کہ یہ غربت کہاں جا کر دم لے گی، کل کیسا ہوگا، آج جیسا گذر رہا ہے سو گذر رہا ہے کل گرانی اور بڑھے گی، مصیبتیں اور آئیں گی، روٹی، کھانے کے لئے بھی پاپڑ بیلنے پڑیں گے اور اس کے لئے بھی ہمارے پاس خرچہ کے انتظامات نہ ہوں گے، ہر طبقہ سہا ہوا، ڈرا ہوا ہے، ہر طبقہ افسردہ اور پژمردہ ہے۔

Scanned by CamScanner

سازشوں کی کھائیاں اور امن کے مقبرے

یہاں تک کہ وہ بھی جو ملک میں شروع سے سازشیں رچاتے رہے انہوں نے اس دور سے سازشیں رچانا شروع کیں، جب واقعتاً یہاں کے ہندو مسلمان متحد ہو کر رہ رہے تھے اور ان کے درمیان تعصب کی آگ نہیں تھی، ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے، ایک گاؤں میں رہنے والے تمام مذہب کے لوگ اور تمام ملتوں کے لوگ ایک دوسرے کی قدر کرتے تھے ایک چھوٹا غیر مسلم بڑے کو اپنا چچا کہتا تھا اور ایک غیر مسلم لڑکا بزرگ مسلمان کو اپنا چچا کہتا تھا آپس میں اکرام سے ملتے تھے، گاؤں میں، قصبات میں، شہروں میں، عزت نفس اور خودداری کا، وضعداری کا ماحول تھا اور لوگوں سے ملتے تھے، تو اچھی توقعات کے ساتھ ملتے تھے اندیشہائے دور دراز ان کے دل و دماغ میں نہیں رہتے تھے، یہ وہ ماحول تھا جس میں سازشی لوگوں نے سازشیں رچائیں بدیسی طاقت کے ساتھ مل کر، اور اس کے بعد ملک کو خون اور خاک میں خوب لتاڑا، اور نہایت ہی خونچکاں قسم کے فسادات کرائے اور انسانی خون کی ہولی کھیلی، ہندوستان کے شمال میں، جنوب میں، مشرق میں، مغرب میں کوئی ایسا علاقہ چھوڑا نہیں، جہاں کے بسنے والوں کو فسادات کی بھٹی میں نہ جھونکا گیا ہو، اور نہایت بدترین اور وحشیانہ سازشوں کے نتیجے میں انسانوں کی پوری کی پوری آبادی کو ملبہ میں اور قبرستان میں تبدیل نہ کیا گیا ہو، بچوں اور عورتوں تک کو اس ظلم چنگیزی سے بخشا گیا ہو، جن لوگوں نے یہ سازشیں کی تھیں اور جن لوگوں نے خفیہ طور پر ہندوستان کی تقسیم کے عمل کی تکمیل کی تھی، جنہوں نے تقسیم کے لئے اس میں دراڑیں ڈالی تھیں، اور اس کو چیرا پھاڑا تھا اور مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف برانگیختہ کیا تھا، انہوں نے یہ سب کچھ کرنے کے بعد تیس لاکھ انسانوں کی لاشوں پر اس ملک کو تعمیر بھی کر لیا، بالجبر پاکستان بنوا دیا، جنہوں نے یہ سب کچھ کیا اور جو پس پردہ ظلم کرتے رہے اور دنیا کو یہ باور کراتے رہے کہ تقسیم کا مطالبہ تو فلاں کر رہا ہے، تقسیم

کا عمل فلاں نے کروایا ہے، کارستانیوں اور سازشوں پر بڑے بڑے نقاب اور پردے ڈالتے رہے، آج وہ بھی چین کی نیند نہیں سو پارہے ہیں، آج وہ بھی سکھ کی بانسری نہیں بجارہے ہیں۔

گھر کے بھیدی نشیمن کو خاکستر کردیں گے

جن کو سازش کا نشانہ بنایا گیا جن کو باہر آنے والوں نے بھی کچلا اور پیسا اور پھر اندر والوں نے بھی ان پر خوب تباہی مسلط کی وہ اگر پژمردہ ہیں اور بددل ہیں ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہیں اور تن بیمار ہیں تو تعجب نہیں، لیکن وہ بھی جو سازشوں کا کھیل کھیل رہے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس ملک کو نوالۂ تر کی طرح ہضم کرلیں گے آج ان کی بھی نیندیں حرام ہوچکی ہیں، ان کو بھی اس ملک میں چین نہیں ہے، اور خداوند قدوس نے اپنی قدرت سے دکھادیا ہے کہ ان کے خلاف انہیں کے گھر کے بھیدیوں کو بھڑکایا جائے گا وہ اندر سے اٹھیں گے، اور ان کے تخت و تاج کو تہہ و بالا کرکے رکھ دیں گے، بلکہ روند کے رکھ دیں گے، یہ صورتِ حال اس ملک کی سب کے مشاہدہ میں آرہی ہے۔

اسلام کون سی آزادی چاہتا ہے

میرے ساتھیو! آزادی کسے کہتے ہیں؟ اور وہ کون سی آزادی تھی جس کا مطالبہ ہندوستان کے مسلمانوں نے کیا تھا اور کس آزادی کے لئے انہوں نے نہایت ہی جواں مردی اور جانبازی کے ساتھ قدم بڑھائے تھے، اسلام جس آزادی کے لئے آیا ہے، وہ آزادی روٹی، کپڑے، مکان کے حصوں کی اور محض وقتی طور پر امن کے حصول کی نہیں ہے وہ آزادی صرف اس کی نہیں ہے کہ گدی پر ایک شخص کی جگہ دوسرا شخص بیٹھ جائے، ملک ایک کے ہاتھ سے لے کر دوسرے کے ہاتھ میں دیدیا جائے، اسلام اس آزادی کا قائل نہیں ہے۔

دین تھوپا نہیں جاتا

جس آزادی کا اسلام قائل ہے وہ آزادی اس اصول پر قائم ہے کہ "لا اکراہ فی الدین" دین کے معاملہ میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے، دین ایک پیغام ہے، دین اپنی جگہ خود دل میں سماتا ہے، دین خود گھر تیار کرتا ہے، دین عقل و دل کو مسحور کرتا ہے، اگر دین دل سے قبول کیا جائے اور دماغ اس کو تسلیم کر لے وہ دین ہے، اور اگر کسی پر تھوپا جائے، اس کو مجبور کیا جائے تو یہ بے دینی ہے، ایسا دین اللہ کے یہاں معتبر نہیں ہے اور ایسا دین فی الحقیقت مسلمانوں کے نزدیک بھی معتبر نہیں ہے، جو شخص دل سے کلمہ نہ پڑھے دل سے وہ مومن نہ تھے دل سے کلمہ نہ پڑھے اس کے کلمہ کا اعتبار نہ نماز کا اعتبار، تو ظاہر ہے کہ بالجبر تو کوئی مسلمان بنتا ہی نہیں ہے۔

اسلام تلوار سے نہیں پھیلا

اور جن لوگوں نے یہ خواہ مخواہ اڑائی کہ مسلمانوں نے تلوار سے اسلام پھیلایا، ان سے بڑا جھوٹا دنیا میں کوئی نہیں ہے، مسلمانوں نے تلوار سے تو اسلام کبھی پھیلایا ہی نہیں، مسلمانوں نے تو سلامتی پھیلائی، سلامتی کے ڈکیتوں کو ضرور راستے سے ہٹایا ہے۔

کیا مجرموں کو سزا دینا ظلم و جبر ہے

کسی بستی میں اگر آئے دن ڈاکے پڑتے ہوں اور چور وقتاً فوقتاً چوریاں کرتے ہوں اور اس بستی کے باسیوں کا امن تاراج ہو رہا ہو اور وہاں پر مافیا گروپ کے لوگ، اور غنڈے ٹہلا کرتے ہوں جس کی وجہ سے وہاں کے باعزت اور شریف لوگوں کا زندگی گزارنا محال ہو رہا ہو تو ایسی جگہ پر ایسے غنڈوں کو پکڑنا اور شاطروں، بدمعاشوں کو سزا دینا ان کو جیل بھجوانا کیا دنیا کے کسی بھی قانون میں ظلم ہے، کیا یہ عدل و انصاف کے

خلاف ہے؟ یا عمل کے عین مطابق ہے؟

فکری ڈاکہ زنی اور اخلاقی انارکی کیا قابل معافی جرم ہے؟

بالکل اسی طرح انسانوں کی سلامتی پر ان کے صحیح فکر پر ان کی سلامتی عقیدہ پر ان کے حسن اخلاق پر ان کے تعلق مع اللہ پر ان کی شرافت پر ان کی انسانیت پر ان کے آپس کے اچھے اور بہترین تعلقات پر اگر کوئی ڈاکہ مارتا ہو، فاسد عقیدہ کا، منحرف فکر کا، غلط نقطہ نظر کا، اور مسموم ذرائع ابلاغ استعمال کر کے پوری آبادی کو زہر کا انجکشن دینا چاہتا ہو تو کیا وہ سب سے بڑا بدامنی پھیلانے والا انسان نہیں ہے؟ اور کیا انسانیت کے علمبرداروں کا یہ فریضہ نہیں ہے کہ راستہ سے اس کو ہٹائیں تاکہ لاکھوں کروڑوں لوگوں کی آبادی سکھ اور چین سے زندگی گذارے، اور اس کو عافیت نصیب ہو۔

جہاد مجرموں کی سرکوبی کا نام ہے

اسلام جس مقابلہ کا، جس قتال کا، جس جہاد کا داعی ہے وہ بس یہی ہے کہ "قاتلوا اللذین یقاتلونکم" جو لوگ تم سے جنگ کریں یعنی جو لوگ سلامتی کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوں، ان سے جنگ کرو، یہاں دعوت صرف یہ ہے کہ "ادخلوا فی السلم کافۃ" اے لوگو سلامتی میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور امن مکمل قائم کرو اللہ سے جنگ نہ کرو خدائے تعالیٰ سے اور اس کے نظام سے صلح مکمل کر لو، اس دعوت کا جو انکار کرے یعنی جو یہ کہے کہ ہم سلامتی قائم نہیں ہونے دیں گے، ہم غلاموں کی طرح اپنے ملک کے باشندوں کو رکھیں گے، اور ان کی گردنوں میں جوا ڈالیں گے، اور ان کو بیگار میں استعمال کریں گے، اور ان کو پنپنے نہیں دیں گے، بالجبر ان سے مزدوری کرائیں گے، ایسے لوگ، ایسے حاکم، ایسے جابر، ایسے سلاطین پوری قوم کے مجرم ہیں اور پوری قوم کی عدالت میں ان کو ایک ملزم کی حیثیت سے کھڑا کرنا چاہئے۔

Scanned by CamScanner

اسلام کا پیام

اسلام ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ ان سے جنگ کر کے راستہ سے ہٹادو تاکہ دنیا کی اربہا ارب کی آبادی عافیت کے ساتھ امن کے ساتھ اسلام کے گہوارے میں یعنی اللہ تعالیٰ سے تعلق اور بس اسی کو ایک رب اور خالق مان کر اس کے دیئے ہوئے گہوارۂ امن میں زندگی گزارے، یہ اسلام کا پیام ہے اور وہ اس طرح کی آزادی تمام انسانوں کو دینے کے لئے آیا ہے، اس نے ایک طرف اعلان کیا کہ ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ حق واضح ہو چکا ہے اور باطل بھی واضح ہو چکا ہے، راہ راست کیا ہے اور راہ ماسوا کیا ہے؟ حق سے ہٹ کر گمراہی کیا ہے اور صداقت اور رشد و ہدایت کی راہ کیا ہے، دو دو چار کی طرح یہ بات واضح ہو چکی ہے، مسئلہ میں کوئی ابہام نہیں چھوڑا گیا ہے، لہٰذا جو حق قبول کرنا چاہے قبول کرے، جو نہیں کرنا چاہے، اپنے مسلک پر قائم رہے، لیکن امن و سلامتی میں رخنہ نہ ڈالے ﴿قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ﴾ جو بھی طاغوت کا انکار کرے اللہ کے باغیوں، ظالم حکمرانوں خواہ بدیسی ہوں یا دیسی ہوں یا سات سمندر پار سے آئے ہوں یا ملک کے اندر سے پیدا ہوئے ہوں وہ تمام ظالم حکمران جو "ایشور" کو "گاڈ" کو "لارڈ" کو نہ مانیں جو اللہ کی طاقت کو تسلیم نہ کریں اور اس کے انکار پر نہ صرف آمادہ ہوں بلکہ انکار کے لئے اہل حق سے برسر پیکار ہوں ان کے سلسلے میں یہ بات کہی جا رہی ہے کہ ان کا اور ان کے نظام کا برملا انکار کیا جائے ﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ﴾ جو طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان و یقین رکھے، ﴿فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ﴾ وہی مضبوط حلقہ کو تھامنے والا ہے ﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ اللہ ایمان والوں کا دوست ہے کارساز ہے ان سے محبت فرمانے والا ہے، کام بنانے والا ہے، تاریکی سے ان کو

Scanned by CamScanner

نکال کر روشنی میں لے آتا ہے، ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِنَ النُّوْرِ إِلَى الظُّلُمَاتِ، أُولٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ﴾ اور جو لوگ انکار کرنے والے ہیں اس نظام حق کے باغی ہیں طاغوت کے دوست اور اس کے چہیتے بنے ہیں ان کا کام یہ ہے کہ انسانوں کو روشنی سے نکال کر ظلمتوں او اندھیروں میں بھٹکاتے ہیں ایسے لوگ دوزخی ہیں اور انہیں اس میں ہی رہنا ہے۔

آزادی کی للکار

یہ وہ پیام تھا جس کو اسلام نے پیش کیا، اور اسی پیام کی ترجمانی ایک سپر پاور کے دربار میں جس سے لوگوں پر لرزہ طاری ہوتا تھا اور جس سے مقابلہ کی سکت اس وقت کسی کے اندر موجود نہیں تھی حضور اکرم ﷺ کے ایک صحابی نے کی، انہوں نے جو للکار سنائی تھی وہ آزادی کا بڑا طاقتور اور حقیقی پیام تھا، حضرت ربیع بن عامر نے رستم کے دربار میں جو کہا تھا کہ الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد الى عبادة الله وحده کہ اللہ نے ہمیں اُٹھایا ہے اور برپا کیا ہے، ہم اللہ کے سپاہی، اللہ کے فوجدار، اور اللہ تعالیٰ کی پارٹی کے ممبر ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس لئے اُٹھایا ہے کہ ہم تمام انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں داخل کردیں۔

ہمارا مطالبۂ آزادی

تمام انسانوں کے لئے ہمارا یہ پیام ہے ہم صرف ہندوستان کی آزادی نہیں چاہتے ہم پورے عالم اسلام کی آزادی چاہتے ہیں، بلکہ عالم انسانیت کی آزادی چاہتے ہیں، ہمارا آزادی کا نعرہ کسی چھوٹے سے دیس، کسی ملک، یا اقلیم سے وابستہ نہیں ہے اسلام جس آزادی کا داعی اور ترجمان ہے جس کی للکار لگاتا ہے وہ آزادی دیر یا سویر پوری آبادی کو ملتی ہے، اس کا وعدہ اور اس کی پیشین گوئی حضور اکرم ﷺ نے فرمادی تھی:

Scanned by CamScanner

لایبقی علی وجه الارض بیت مدر ولا وبر الا ادخله الله الاسلام بعز عزیز او ذل ذلیل روئے زمین پر کوئی کچاپکا گھر ایسا باقی نہیں رہے گا جس میں اللہ اسلام کو داخل نہ کردے، عزت والا عزت کے ساتھ اسلام میں آئے گا، اور کمینہ اور ذلیل جھک کر، ناک رگڑ کر آئے گا، یہ حضور اکرم ﷺ کی پیشین گوئی ہے جو ابھی پوری نہیں ہوئی ہے اس لئے اسے پورا ہونا ہے، خلافت راشدہ قائم ضرور ہوئی تھی لیکن پوری دنیا اس وقت بھی اس کے سکہ کے تحت نہیں آ گئی تھی، وہ کام ابھی باقی ہے جب اللہ چاہے گا اس کی تکمیل فرمائے گا۔

خاتم النّبیین کی بعثت کا مرکز

لیکن اس نے نبی کی بعثت کے ساتھ ہی یہ کہہ دیا تھا ﴿هُوَ الَّذِىْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ خداوند قدوس نے اپنے پیغمبر برحق کو بھیجا ہے اور اس لئے بھیجا ہے کہ تمام مذاہب پر اور تمام ملتوں پر اس دین کو غالب کردیا جائے چاہے مشرکوں اور کافروں کو یہ بات کھلتی رہے، کتنی ہی کڑوی لگے اور کتنی ناگوار گذرے۔

ایک حقیقت کا اظہار

یہ ایک حقیقت ہے جس کو پیش آنا ہے کسی کو کھلتا ہے کھلے، کسی کو برا لگتا ہے تو لگے، کوئی گھبراتا ہے تو گھبرائے، کسی کا جی اس کے لئے تیار نہیں ہے تو نہ تیار ہو، حقائق منہ چھپانے سے ختم نہیں ہوجاتے، اور شتر مرغ کی طرح ریت کے ٹیلے میں منہ ڈالنے سے سچائی بدل نہیں جاتی ہے۔

عالمی آزادی

آزادی کا اصل پیام تو یہ ہے کہ پوری دنیائے انسانیت کو ظالموں کے شکنجہ سے

آزاد ہونا ہے امریکہ میں بھی اور یورپ میں بھی، ایشیا میں بھی اور آسٹریلیا میں بھی، افریقہ میں بھی اور دنیا کے ہر خطہ میں۔

آزادی کے بنیادی نکات

یہ اہل اسلام کی ذمے داری ہے کہ وہ پوری انسانیت کو ظلم و جور سے، توہمات و خرافات سے اور بداخلاقی اور کرپشن سے آزاد کرنے کے لئے ہر وہ مہم اختیار کریں جو جائز ہو، حضرت ربیع بن عامر نے کہا تھا کہ خدا نے ہم کو اس لئے اُٹھایا ہے کہ ہم انسانوں کو انسانوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کر دیں، اور دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت عطا کر دیں اور مذاہب کے ظلم سے ان کو آزاد کر کے اسلام کا عدل عطا کر دیں، یہی وہ پیام تھا جس کو لے کر مسلمان ہر ملک کی طرف بڑھے۔

اسلام میں جنگ صرف دفاعی نہیں ہے

مسلمانوں نے دفاعی جنگ پر اکتفا نہیں کیا، انگریزوں سے متاثر ہوکر اور مستشرقین سے مرعوب اور مسحور ہوکر ہمارے بہت سے مؤرخین اور سیرت نگار یہ کہنے پر مجبور ہوگئے ہیں، کہ مسلمانوں نے دفاعی جنگیں لڑی ہیں، یعنی اگر کفار نے یلغار کی تو مسلمان بڑھے کہ ہم اپنا تحفظ کرلیں اپنی جان کا اپنے مال کا، اپنی آبرو کا، بس اتنا کام مسلمان کرتے رہے، یہ تو ہر فرد مسلم کی ذمے داری ہے، ہر ہر فرد مسلم کیا بلکہ ہر فرد انسانی کا کام ہے کہ وہ اپنا تحفظ کرے، یہ اس کا طبعی حق، قانونی حق، اخلاقی حق ہے، ہر انسان اس کو جانتا ہے پہچانتا ہے اس کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اپنا دفاع کرے، اور حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ "من قتل دون نفسه فهو شهيد، ومن قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون عرضه فهو شهيد" مال جان اور آبرو کے تحفظ میں جو بھی مار دیا جائے گا وہ شہید ہوگا، لیکن اسلام نے اس پر اکتفا نہیں کیا۔

Scanned by CamScanner

حضور ﷺ کی کاروائی ظلم سے آزادی کے لئے تھی

حضور ﷺ مدینہ منورہ میں بیٹھے نہیں رہے کہ مکہ والے جب چڑھائی کردیں گے تو ہم بھی نکل کر اپنا دفاع کرلیں گے، ہمیشہ آپ ﷺ نے پیش قدمی فرمائی کبھی ایسا ضرور ہوا کہ ان کو طرح دی، ابواء، بواط اور عشیرہ سے لے کر فتح مکہ اور غزوہ تبوک تک جتنی بھی کاروائیاں انجام دی گئیں وہ محض دفاعی جنگیں نہیں تھیں، بلکہ انسانیت کو ظلم کے شکنجہ سے آزاد کرانے کی ابتدائی کاروائیاں تھیں۔

دعوت کو طاقت کا حصار چاہئے

حفاظت دین کے لئے بھی یہ ذمے داری ہے کہ دعوت ایسی پھسپھسی اور کمزور نہ ہو کہ اس کو قوت وشوکت حاصل نہ ہو جو دعوت بہت کمزور بنیادوں پر چلتی ہے اور اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ بس وہ لسانی یا قلمی ہوتی ہے، وہ ایک خوش کن وعظ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی ضرورت ہے کہ دعوت کے ساتھ عساکر بھی ہوں، جنود بھی ہوں، اس کے ساتھ طاقت بھی ہو، شوکت بھی ہو، طاقت کے حصار میں دعوت رہتی ہے اور اس کی حفاظت میں آگے بڑھتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے دعوت کی اگر کوئی بھی مہم روانہ فرمائی تو اس کو غیر مسلح روانہ نہیں فرمایا بلکہ اس کو بھی مسلح روانہ کیا کہ اگر کبھی کوئی موقع آن پڑے تو داعی اپنے کو یوں ہی دوسروں کے ہاتھوں میں نہ دیدیں اپنے ہاتھ باندھ کر نہ کھڑے ہوجائیں بلکہ ان کے پاس مقابلہ کا سامان موجود ہو۔

جہاد دعوت کی ضرورت

دعوت دین کے لئے جہاد بھی ضروری ہے جو دنیا کے مختلف خطوں میں موجود اور

بستیوں میں آباد لاکھوں کروڑوں عوام ہیں جن تک دعوت نہ پہنچنے دینے والے چند طاقت کے ٹھیکیدار ہوتے ہیں، ملک کے چند حکمران ہوتے ہیں، جو یہ چاہتے ہیں کہ ملک ان کے ہاتھ سے نہ نکل جائے، اور ان کے ظلم کے چنگل سے آزاد نہ ہو، لوگ ان کے مزدور بنے رہیں اور بس ان کی مشکیں بھرتے رہیں، وہ چاہتے ہیں کہ کسی بھی نئی دعوت، کسی بھی نئی تحریک، کسی بھی ایمانی طاقت کو ملک میں داخل نہ ہونے دیں، اس لئے اہل حق کو چاہئے کہ ان کو راستہ سے ہٹا کر حق کو عوام تک پہنچائیں اور اگر لاکھوں عوام تک وہ حق کو نہیں پہنچائیں گے تو خدا کی عدالت میں کل فرشتوں کے ہاتھوں ان کا گریبان ہوگا اور خدا ان سے یہ سوال کرے گا کہ اتنے انسان جو میرے بندے تھے وہ اس دعوت حق سے محروم رہے، تم نے یہ دعوت ان تک کیوں نہیں پہنچائی، اور راستہ میں اگر کچھ ملزم کچھ مجرم رکاوٹ بن رہے تھے تو انہیں کیفر کردار تک کیوں نہیں پہنچایا؟

اس ملک کے مسلم فاتحین نے اس کو لوٹا نہیں

اسلامی دعوت اسی بنیاد پہ آگے بڑھی، یہی وہ بنیاد تھی جس کے نتیجہ میں اس ملک میں توحید کے پیامبر اور حق کے علمبردار، مجاہدین، مصلحین اور داعیان اسلام آئے، جنہوں نے یہاں پر آکر بستیوں کو ویران نہیں کیا، بلکہ اس ملک کو منظم کیا مہذب بنایا، اس ملک میں آکر بس گئے اور اپنی قبریں یہاں بنا گئے، اس ملک کو لوٹ کھسوٹ کر انہوں نے اپنے ملک کو نہیں سجایا، ازبکستان سے آنے والے اور افغانستان سے آنے والے یہاں کی دولت لوٹ لوٹ کر اپنے ملکوں میں محل نہیں بنوا رہے تھے، بلکہ وہ یہاں آئے، یہاں آکر بسے اور کتنے ایسے سلاطین ہیں کہ جن کے قافلوں کے ساتھ اچھے داعی اور مبلغ اور صوفی اور اولیاء اللہ آئے جنہوں نے دعوتی کام بھی ساتھ ساتھ کیا، ایک طرف فتوحات آگے بڑھ رہی تھیں اور ایک طرف دعوتی کام کا سلسلہ بھی چل رہا تھا، اس طرح یہ ملک اسلام کی گود میں منتقل کیا گیا، کلمہ لا الہ الا اللہ کی گونج سے یہ ملک گونج

Scanned by CamScanner

اٹھا اور اس کی صدائے بازگشت دور دور تک سنی گئی۔

مسلمانوں نے اس ملک کو نعمتوں سے مالا مال کیا

یہ دور تھا مسلمانوں کا جو ترقی کے ساتھ اور بہبود و فلاح کے پروگراموں کے ساتھ آگے بڑھتا چلا گیا، اس ملک کو نیا نشو ونما ملا، نئی تہذیب ملی، نئی قدریں ملیں، ملک کو وہ کچھ ملا، جو ہرگز نہ ملتا اگر مسلمانوں کے قدم یہاں نہ آتے، جو ہندو منصف مؤرخین ہیں وہ اس کا اقرار کیئے بغیر نہیں رہتے کہ مسلمانوں کی آمد اس ملک کے لئے ایک تحفہ تھی، ملک کو مسلمانوں کے ذریعہ توحید ملی، انسانیت ملی، مساوات ملی، عورتوں کے حقوق ملے، اس ملک میں مسلمان آئے تو اپنے ساتھ اچھی پوشاکیں لائے، اچھی غذائیں لائے، اچھے پودے لائے، انہوں نے باغات یہاں پر کھلائے، سڑکیں بنائیں، اور تمدنی ترقیاں دیں اور اس ملک کو بہت کچھ عطا کیا ایسی ایسی عمارتیں، ایسے ایسے قلعے اس ملک کو دیئے کہ جو آج تک یادگار بنے ہوئے ہیں، آج تک تاج محل کی کوئی نظیر نہیں بن سکی، آج تک اسلامی دور کے قلعوں کی کوئی مثال سامنے نہیں آسکی۔

سیاحت کی ترقی مسلمانوں کی رہین منت

آج بھی سیاح اس ملک میں آکر ڈالر کی شکل میں، یا پاونڈ کی شکل میں اس ملک کو جو دولت دے رہا ہے، وہ مسلمانوں کے طفیل دے رہا ہے، آج بھی سیاح یہاں آکر مسلمانوں کے قلعے دیکھ رہے ہیں، تاج محل دیکھ رہے ہیں، جامع مسجد دیکھ رہے ہیں، لال قلعہ دیکھ رہے ہیں، یعنی مسلمانوں کی تہذیب وتمدن کے نقش و نگار جو صدیاں گذرنے کے باوجود قائم ہیں اور اپنی رونق ابھی تک دکھا رہے ہیں آج ان کی بدولت اس ملک کو اربہا ارب روپے مل رہے ہیں اور کہنا چاہئے کہ جو ہارڈ کرنسی اس ملک کو مل رہی ہے اس میں بہت بڑا دخل اس کو ہے کہ مسلمانوں نے یہاں پر شاندار تعمیری شاہکار

پیش کیے ہیں۔

غیر مسلم مؤرخین کا اعتراف

جواہر لعل نہرو نے ''ڈسکوری آف انڈیا'' میں مسلمانوں کی خدمات کا بھی اعتراف کیا ہے اور انہیں کرنا ہی چاہیئے تھا، اور بھی جس ہندو منصف مؤرخ نے اس موضوع پر قلم اُٹھایا اس نے اس کا اعتراف کیا کہ مسلمانوں نے اس ملک کو بہت کچھ دیا ہے، ٹھیک ہے مسلمانوں نے سب کچھ دیا، مسلمانوں کا اصول یہ ہے کہ جس ملک کو وہ اپنی آغوش میں لیتے ہیں، اس ملک کی حفاظت، اس کی حمایت، اس کی نصرت، اس کا دفاع ان پر فرض ہو جاتا ہے اور اس ملک پر اگر کوئی دوسری طاقت حملہ آوار ہو تو اس وقت ہر فرد مسلم پر جہاد فرض ہو جاتا ہے اور ان کے ذمہ لازم ہوتا ہے کہ اس کے ایک ایک چپہ کا تحفظ کرے۔

ملک میں لالچی اور ظالم انگریز کی آمد

ہندوستان مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا مسلمان اس ہندوستان میں حکمراں تھے اور دیگر غیر مسلم آبادیاں ان کی رعایا تھیں، مسلمانوں نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا اور وہ اس سلوک کی وجہ سے احسان مند بھی تھے، لیکن سترہویں صدی کی ابتداء سے انگریزوں نے (جب ان کی صنعتی ترقی کا دور شروع ہوا) اس ملک میں آمد شروع کی، اس ملک میں وہ لالچ کے ساتھ آئے، سوداگر بن کر آئے، متاع فروش بن کر آئے، اپنے یورپ کا گھٹیا مال لے کر آئے اور اس نیت کے ساتھ آئے کہ تجارت کو ذریعہ حکمرانی بنائیں گے، اور اس ملک کو لوٹیں گے، کھسوٹیں گے، سترہویں صدی کی ابتداء ہی سے انہوں نے آنا شروع کیا اور پھر دھیرے دھیرے وہ موقع آیا کہ کلکتہ میں انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی بنائی، اور تجارت کی یہ کمپنی دھیرے دھیرے حکومت کے خفیہ قلعہ

میں تبدیل ہوتی چلی گئی، اور پھر مدراس اور بمبئی وغیرہ میں بھی کمپنیاں بنائی گئیں، کبھی بڑھتے بڑھتے ایک وقت آیا کہ حکومت کی شکل میں تبدیل ہوگئیں، یہاں تک کہ دلی کی حکومت اور دلی کے حاکم بس ایسے رہ گئے کہ "حکومت شاہ عالم از دلی تا پالم" اور یہ حکومت بھی بس انگریزوں کے رحم وکرم پر تھی، ہمارا حاکم انگریزوں کا پنشن خوار تھا۔

نکمے حاکموں کا زوال

یہ وہ دور تھا جس میں انگریز اس ملک میں مسلمانوں سے حکومت چھین رہے تھے، اور اس میں شک وشبہ نہیں کہ مسلمانوں کے نکمے پن، مسلمانوں کی عیاشی اور ان کی غفلت وانتشار کو اس میں بہت بڑا دخل ہے کہ باہر کے لوگوں کو اس کا موقع ملا کہ انہوں نے تجارت کے اڈے بھی بنائے، قلعے بھی تعمیر کئے اور اپنی فوجیں بھی دھیرے دھیرے بناتے چلے گئے، صوبے خریدنے شروع کئے، اور دھیرے دھیرے شکنجہ ایسا کس کر رکھ دیا کہ یہاں ان کی گرفت سے نکلنا ناممکن ہوگیا، امراء شکست کھاتے گئے، جب سلطان ٹیپو کو بھی شکست دیدی تو پھر ان کو یہ کہنے کا موقع تھا کہ "آج سے ہندوستان ہمارا ہے" سنہ ۱۸۵۷ء میں دار الخلافت دلی کا بھی سقوط ہوگیا۔

شکست وزوال کے اسباب

بہادر شاہ ظفر کی قیادت میں جو آخری جنگ لڑی گئی، اس میں مسلمانوں کو شکست ہوئی، اس لئے کہ مسلمانوں کے پاس نہ ترقی یافتہ ہتھیار تھے نہ جنگ کی بہترین حکمت عملی تھی، نہ انہوں نے انگریزوں کی طاقت کا صحیح جائزہ لیا تھا اور نہ وہ جنگ کے لئے اپنے کو تیار کر سکے تھے، ملک ٹوٹ پھوٹ چکا تھا صوبے دلی کی طاقت سے جدا ہو چکے تھے اور ملک میں انارکی کا دور دورہ تھا مقامی طاقتیں بھی طالع آزمائیوں اور سودے بازیوں میں لگی تھیں۔

Scanned by CamScanner

خونیں تاریخ کا ناپاک دور

انگریزوں کا قبضہ دلی پر کیا ہوا کہ پورے ملک پر ان کا جھنڈا لہرا دیا گیا، اب وہ دن تھا کہ نئی خونیں تاریخ رقم کی جانے لگی، مسلمانوں کا خون سستا ہو گیا، ملک ان سے چھینا گیا تھا، مقابلہ انہوں نے کیا تھا، ''جہاد'' کی غلطی ان سے سرزد ہوئی تھی، اس لئے خاک وخون میں انہیں تڑپا دیا گیا، برسر بازار سولیوں پر ان کو چڑھایا گیا، توپ کے دہانہ پر باندھ کر اڑایا گیا، اور سرزمین ہند کو ان کے خون سے لالہ زار کر دیا گیا، صلیبی جنگوں کی یادیں تازہ کر دی گئیں، اور بدترین انتقام کے مظاہرے پیش کئے گئے، جن کو دیکھ کر انگریزوں کے انسانی ضمیر بھی چیخ پڑے، اس ملک کا چارج جس امت سے انہوں نے اپنے ہاتھ میں لیا تھا اس امت کو تتر بتر کر دینا ان کا مقصود بن چکا تھا۔

ظلم کا ہر ہتھکنڈہ استعمال کیا گیا

اس لئے انہوں نے اکثریت کو، جو رعایا تھی، اس اقلیت پر، جو حاکم تھی چڑھانے کی ہر ممکن کوشش کی، ہندؤں کو اپنے قریب کیا، ان کو اعلیٰ عہدے دیئے، ان کو لندن میں تعلیم کے لئے بھیجا، ان کو اعلیٰ یونیورسٹیوں میں ڈگریاں دلائیں، ان کو تقرب کے مواقع عطا کئے، اور اس کے بالکل برعکس مسلمانوں پر تعلیم کے دروازے بند کئے، ان کے مدارس بند کئے، ان کے اوقاف پر قبضہ کیا، ان کے قوانین اور ان کے قاضیوں کے نظام کو منسوخ کیا اور ان کے تشخص کے سوتوں کو خشک کرنے کی ہر مہم اختیار کی۔

حضرت سید احمد شہیدؒ

اور مسلمان چونکہ ان کے ظلم وستم کا نشانہ تھے اس لئے ظاہر بات ہے کہ مسلمانوں ہی کو ان سے مقابلہ کرنا تھا، لہٰذا مقابلہ کے لئے مسلمان ہی سامنے آئے، جب صوبوں

Scanned by CamScanner

کے حکمران گرتے اور شکست کھاتے چلے گئے تو پھر حضرت سید احمد شہیدؒ کی غیرت کو جوش آیا اور انہوں نے یہ محسوس کیا کہ جب وقت کے حکمران لڑنہیں پار ہے ہیں تو اب مدرسوں کے مولویوں کو کھڑا ہونا چاہئے اور خانقاہ کے صوفیوں کو اُٹھ جانا چاہئے اور جو لوگ سجہ وسجادہ سے تعلق والے ہیں اب ان کو چاہئے کہ میدان جہاد کو گرم کریں اور اپنا خون بہا کر اس ملک کو سینچیں۔

انگریزوں کے خلاف جہاد فرض عین

حضرت سید احمد شہیدؒ نے جہادی کاروائی کی تیاریاں شروع فرمائیں، اور اس سے پہلے ان کے شیخ اور پیر و مرشد شاہ عبدالعزیزؒ نے یہ اعلان کردیا تھا، کہ یہ ملک اب دارالحرب ہوگیا ہے، یعنی اب اس ملک میں انگریز طاقت سے مقابلہ کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور ہر مسلمان کی یہ ذمے داری ہے کہ اب یہ سمجھے کہ انگریز ہمارے دشمن اول ہیں اور وہ اس ملک کے غاصب ہیں اور اس ملک میں انہوں نے مسلمانوں پر، ان کی عزت وناموس پر حملہ کیا ہے اور عزت سے کھلواڑ کیا ہے اور وہ ان کے قتل عام کے مرتکب ہیں، انہوں نے اقتدار اسلامی کی جگہ کافرانہ اقتدار اعلیٰ قائم کردیا ہے۔

شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کا فتویٰ

لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ ان سے مقابلہ کریں اور جہاں جہاں بھی ممکن ہو ان کے خلاف بغاوت کریں، یہ فتویٰ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے دیا، آج تک اس فتویٰ کی یادیں اور اس فتوے کی وجہ سے جو گرمی اور حرارت نصیب ہوئی اس کی آنچ مسلمان محسوس کرر ہے ہیں، ہندوستان کے مسلمان اس کو فراموش نہیں کر سکتے، کہ دلی کی اس روحانی گدی پر جو درویش بیٹھا ہوا تھا، اور علم کے جتنے سلسلے تھے سب جا کر اس پر منتہی ہوتے تھے، ہندوستان کا کوئی قابل ذکر خاندان، ہندوستان کا کوئی مدرسہ،

ہندوستان کی کوئی اعلیٰ درسگاہ ایسی نہیں تھی کہ جس کا تعلق کسی نہ کسی طرح اس سے قائم نہ ہو، وہ وقت کی جابر طاقت کو للکار رہا تھا، اور مسلمانوں کو اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے کے لئے تیار کر رہا تھا۔

انگریزوں کے خلاف جہاد کہاں سے شروع ہو

ان کے فتویٰ کے اثرات علماء کی صفوں پر نہایت ہی گہرے پڑے اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت سید احمد شہیدؒ کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ وہ اس فتویٰ کو عملی جامہ پہنائیں، انہوں نے طے کیا کہ اگر ملک کے اندر رہ کر ہم جہاد کی کاروائی شروع کرتے ہیں اور انگریزوں کے خلاف مہم جاری کرتے ہیں تو انگریزوں کے لئے بہت آسان ہوگا کہ وہ ہم کو اپنی گرفت میں لے لیں، اور ہماری اس مہم کو توڑ کے رکھ دیں، اس لئے کہ ہماری آبادی بکھری ہوئی ہے، مسلمان مختلف صوبوں میں، مختلف ضلعوں میں اور شہروں میں گاؤں اور بستیوں میں رہ رہے ہیں، وہ اگر اس حالت میں جنگ کریں گے کہ غیر منظم ہوں گے اور ان کا متفق علیہ امیر بھی نہ ہوگا اور ان کا کوئی متفق علیہ اور متحدہ پلیٹ فارم نہیں ہوگا تو یہ جنگ اسلامی جنگ نہیں ہوگی، بلکہ ایک ایسی افراتفری ہوگی کہ جس میں مسلمان زیادہ ذبح ہوں گے اور انگریزوں کو اس کا موقع ملے گا کہ وہ مسلمانوں کی طاقت کو کچل کر رکھ دیں۔

جہاد حریت کے لئے ہندو مسلم اتحاد کی پہلی کوشش

لہٰذا حضرت سید صاحبؒ نے یہ طے کیا کہ اس کے لئے ہم کو افغانستان جانا چاہئے، جو ہمیشہ آزاد رہا ہے اور جس نے باہر کی طاقت کو کبھی قبول نہیں کیا ہے، اس کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکے وہاں جا کر وہاں کے مسلمانوں کو آمادہ کیا جائے اور ان کو لے کر پھر دھیرے دھیرے آگے بڑھا جائے، یہاں تک کہ انگریزوں سے منظم اور طاقتور مقابلہ کیا

Scanned by CamScanner

جاسکے، ہندوستان کی سرزمین پر انگریزوں سے بھرپور جہاد کیا جائے اوران کو اس ملک سے بے دخل کیا جائے، حضرت سید صاحبؒ نے راجہ ہندوراؤ کو جو ریاست گوالیار کا راجہ تھا، اس پر آمادہ کرنے کی پہلے کوشش کی تھی کہ وہ ان کے ساتھ آجائے اور اس طرح ہندو مسلم مل کر ایک متحدہ محاذ کی شکل میں انگریزوں کے خلاف بھرپور جنگ کریں۔

تحریک خلافت گاندھی کو مشترکہ لیڈر بنایا

آج اس تاریخ کو فراموش کردیا گیا اور یہ باور کرایا گیا کہ انگریزوں کے خلاف آزادی کی جولڑائی لڑی گئی ہے، اس میں سرفہرست گاندھی جی کا نام آتا ہے، حالانکہ سچی بات تو یہ ہے کہ گاندھی جی تو بہت بعد میں اس میدان میں آئے، اور درحقیقت مسلمان ہی ان کو تحریک خلافت میں لے کر آئے اور تحریک خلافت کے ذریعہ ہی آزادی ہند کا میدان تیار کیا گیا، اگر تحریک خلافت اس ملک میں نہ اٹھتی تو گاندھی جی کو قیادت نہ مل پاتی اور وہ ہندوستان کی آزادی کا نعرہ نہ لگا پاتے اور مسلمان ان کے ساتھ نہ آتے۔

حقائق کی تحریف

آج تاریخ کو مسخ کیا جارہا ہے، کیا نہیں جارہا ہے بلکہ کیا جاچکا ہے، یہ عمل تو پوری طرح ہوچکا ہے، اس جھوٹ کو باور کرادیا گیا ہے، یہاں تک کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے مسلمان اور دانشور وصحافی بھی آج اس جہاد آزادی کی کہانی شروع کرتے ہیں تو بس اسی دور سے شروع کرتے ہیں اور اس کو بھول جاتے ہیں کہ سب سے پہلے آزادی کی تحریک حضرت سید احمد شہیدؒ اوران سے بھی پہلے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے چلائی، وہ اس میں سرفہرست ہیں اور پھر حضرت سید احمد شہیدؒ نے اس کا نظام بنایا اور اس کو نافذ کرنے کی کوشش کی، جس کے لئے انہوں نے سرحد کے علاقہ کو منتخب کیا اور پشاور کی سرزمین پر ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست بھی قائم کردی، جس کے بعد یہ ارادہ تھا کہ براہ

کشمیر ہندوستان میں داخلہ ہوگا، لیکن ’’اے بسا آرزو کہ خاک شدہ‘‘ بالاکوٹ میں اپنے ہی لوگوں کی غداری اور خیانت اور بدعہدی کی بنیاد پر سکھوں سے لڑائی پر مجبور ہو جانا پڑا اور پھر وہ مہم جس کو کشمیر تک آنا تھا اور کشمیر سے آگے بڑھ کر پھر ہندوستان میں داخل ہونا تھا اور یہاں انگریزوں سے اصلاً لڑنا تھا افسوس کہ بالاکوٹ میں سکھوں سے لڑائی کے نتیجہ میں یہ مہم وہیں پر رک گئی اور حضرت سید صاحب اور مولانا اسماعیلؒ شہید ہو گئے۔

بالاکوٹ میں تحریک شہیدین ختم نہیں ہوئی

ان کے بہت سے رفقاء شہید ہو گئے، ان کی شہادت سے تحریک ختم نہیں ہوئی جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بالاکوٹ میں تحریک دفن ہوگئی ان سے زیادہ تاریخ کا نادان طالب علم نہیں، بلکہ بالاکوٹ سے تحریک کو نیا خون ملا، نیا جذبہ ملا، نیا ولولہ ملا، اور تحریک چلتی رہی اور ہندوستان کی آخری جنگ آزادی اسی تحریک کا نتیجہ ہے، اسی تحریک کا نتیجہ مولانا محمود حسن دیوبندیؒ بھی ہیں اور مولانا محمد علی جوہرؒ بھی، مولانا شوکت علیؒ بھی اور مولانا حسین احمد مدنیؒ بھی، مختار انصاری بھی ہیں اور حکیم اجمل خان بھی، ابوالکلام آزاد بھی، اور حفظ الرحمٰن سیوہاروی بھی اور کتنے ایسے لیڈران ہیں جن کے نام بھی آج فراموش کیئے جا چکے ہیں، اب مسلمانوں کو، طلبۂ مدارس کو بھی ان کے نام یاد نہیں رہ گئے اور ان کا کردار یاد نہیں رہ گیا، ریشمی رومال کی تحریک اور جرمنی اور روس جانے والے وفود اور اس کے علاوہ جزیرۃ العرب اور ترکی کے حکام سے ملاقاتیں اور ان کو خلافت اسلامیہ کے تحفظ اور انگریزوں سے مقابلہ کے لئے آمادہ کرنے کی کوششیں یہ سب اسی درخت کی شاخیں اور اسی جہاد کا امتداد تھا، یہ سب کون کر رہا تھا؟ یہ وہی لوگ تھے، جو حضرت سید احمد شہیدؒ سے تعلق رکھنے والے، ان کے خلفاء کے خلفاء، یا خلفاء کے مریدین اور ان سے نسبت رکھنے والے افراد تھے، جو ایک طرف میدان جہاد میں انگریزوں سے نبرد آزما ہو رہے تھے اور دار و رسن کو دعوت دے رہے تھے، یا انڈمان کے جزائر اور مالٹا میں

Scanned by CamScanner

حبس بے جا کے دن کاٹ رہے تھے یا ملک کی خاردار سیاست اور انگریزوں کے خلاف جہاد آزادی میں پیش پیش تھے، جہاں بھی آپ کو نظر آئیں گے پیش پیش یہ اہل اسلام ہی نظر آئیں گے جو قربانی پیش کرتے چلے گئے۔

تحریک خلافت نے قیادت اکثریت کو سونپ دی

لیکن افسوس کہ مسلمان بسا اوقات جوش میں ہوش کھو بیٹھتے ہیں، اور اپنے خلوص میں غیروں سے حسن ظن کر لیتے ہیں اور پھر تحریک کی ناکامی اور دوسروں کی طرف سے تحریک کے اغوا کا رونا روتے جاتے ہیں، یہ مسلمان بسا اوقات نادانی کا شکار ہو جاتے ہیں اور کچھ زیادہ ہی دوسروں سے خوش گمان ہو جاتے ہیں، غلطی مسلمانوں سے یہ ہوئی کہ تحریک خلافت کے سلسلہ میں جس کا مرکز لکھنؤ تھا اور بالخصوص فرنگی محل تھا، مولانا عبدالباری فرنگی محلی اس کی بنیادی اور مرکزی شخصیت تھے جنہوں نے خدام کعبہ کے نام سے ایک انجمن بنائی اور یہی انجمن آگے چل کر خلافت تحریک میں تبدیل ہو گئی، فرنگی محل اس وقت مولانا عبدالباری صاحب کا گھر تھا، جو ہمہ وقت آباد رہتا تھا کانگریس کے لوگ، لیگ کے افراد اور ہندوستان کی ہر پارٹی ہر طبقہ اور ہر مدرسہ کے افراد فرنگی محل میں آکر جمع ہوتے تھے، جہاں تحریک خلافت کے بارے میں گفتگوئیں ہوتی تھیں، مشورے ہوتے تھے، تجاویز پاس ہوتی تھیں، لکھنؤ کے اس مرکز میں اس وقت مسئلہ یہ تھا کہ ترکی میں خلافت اسلامی کا جو حصہ رہ گیا ہے، اسے باقی کیسے رکھا جائے وہ انگریز جو اس خلافت کو تاراج کر دینا چاہتے ہے اس سے صرف ہندوستان ہی نہیں دنیا کے ہر ملک میں مقابلہ کیسے کیا جائے، یہ ان کے پیش نظر تھا، وہ صرف ہندوستان کی آزادی کے لئے جدوجہد نہیں کرر ہے تھے، بلکہ دنیا کے ہر اس ملک کی آزادی کے لئے جدوجہد کررہے تھے، جس پر انگریزوں، یا فرانسیسیوں نے قبضہ جما رکھا تھا یا کسی بھی غاصب طاقت نے جہاں اپنے قدم جما لئے تھے، ہر ایسے ملک کو وہ آزادی سے ہمکنار کرنا

چاہتے تھے اور اس کے لئے انہوں نے زبردست جدوجہد کی تھی لیکن تحریک خلافت میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی نے گاندھی جی کو بھی ساتھ لے لیا بلکہ قیادت کا تاج ان ہی کے سر پر رکھ دیا، مولانا عبدالباری فرنگی محلی کا گھر گاندھی جی کا بھی مرکز بن گیا اور بس یہاں سے "ہندو مسلم ایک" کا نعرہ لگایا گیا۔

گاندھی جی کی ذہانت

گاندھی جی نے کہا کہ خلافت اگرچہ مسلمانوں کا مذہبی مسئلہ ہے لیکن میں اور میرے ساتھ تمام ہندو بھائی اس مسئلہ میں مسلمانوں کے دوش بدوش شریک ہیں، یہ گاندھی کی ذہانت تھی اور یہ گاندھی کی بہترین حکمت عملی تھی کہ ابھی تک ہندو جو قیادت سے بالکل دور تھے وہ قیادت کے منصب پر آ گئے، دھیرے دھیرے گاندھی جی کی شخصیت مرکزی شخصیت بن گئی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی تو اُٹھ گئے، اور مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد اور بڑے بڑے علماء اور قائدین پچھلی صف میں چلے گئے، ان حضرات کے اپنے تحفظات، ان کی اپنی آراء اور ان کے اپنے اجتہاد، اپنی جگہ پر، ان کا اپنا مقام ہے، لیکن یہاں پر مختلف اسباب کی بناء پر غلطی یہ ہوگئی کہ قیادت دوسروں کے ہاتھ میں چلی گئی۔

قیادت کے مار آستین

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگر ایک طرف جواہر لعل نہرو تھے تو دوسری طرف اندر اندر ان صفوں میں ایسے لوگ بھی پرورش پا رہے تھے جو بظاہر گاندھی جی کے ساتھ تھے، لیکن آگے چل کر وہ گاندھی جی کے قاتل بھی بننے والے تھے، گاندھی نے ہندو مسلم ایکتا کی بات کی، عدم تشدد کی بات کی، ترک موالات کی بات کی، لیکن کچھ مار آستین انگریزوں کا دودھ پی پی کر ملک و وطن سے غداری اور ہندو مسلم تفریق کا کارنامہ انجام دے رہے تھے۔

Scanned by CamScanner

الغائے خلافت کی نحوست

۱۹۲۴ء میں الغائے خلافت اور سلطان عبدالحمید کو معزول کرنے کے واقعہ نے مسلمانوں کو ایسا افسردہ کیا کہ ان کا وہ جوش پھر برقرار نہ رہ سکا اور سیاسی جدوجہد میں وہ بہت پیچھے چلے گئے، تعلیمی طور پر بھی وہ پسماندہ تھے، سیاسی طور پر بھی پسماندہ تھے اور مزید ہوتے چلے گئے، جس میں لیگ کی دراڑ نے خاص طور پر سب سے زیادہ نقصان پہنچایا، چند علماء اور قائدین ضرور بھرپور قربانیاں دے رہے تھے، لیکن سیاسی حکمت عملی، سیاسی تدبر اور سیاسی قیادت ان کے ہاتھ میں نہیں تھی، جس کا نتیجہ یہ نکلنا ہی تھا کہ جب انگریزوں کو اس پر مجبور ہونا پڑا کہ اب وہ اس ملک سے چلے جائیں تو انہوں نے تقسیم کے ذریعہ انتقام لیتے ہوئے اپنی قائم کردہ تربیت یافتہ دو تنظیموں کو دو حصوں کی قیادت سونپ دی، علماء اور مجاہدین کی جگہ نہ یہاں رہی اور نہ وہاں، جو قربانیاں دیتے رہے، اور انگریزوں سے لڑتے رہے، عیار انگریز نے چلتے چلتے انہیں ایک طویل عرصہ کے لئے محروم کر دیا۔

۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک جو انگریزوں نے سیاسی، عسکری، قانونی اور معاشرتی اعتبار سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے جو کچھ کیا نئے دور نے نہ صرف اسے برقرار رکھا، بلکہ اس پر مزید اضافے کئے، تاکہ ملت اسلامیہ کا تشخص برقرار نہ رہنے پائے، ہندوستان کو آزادی ملی یعنی انگریز اس ملک سے سیاسی طور پر رخصت ہو گئے ان کی فوجیں، ان کے لشکر یہاں سے چلے گئے، لیکن انہوں نے اس ملک میں اپنے گماشتے اور اپنے ایجنٹ چھوڑ دیئے، اپنا نظام چھوڑ دیا، اور آزادی اگر ملی بھی تو روٹی، کپڑے، مکان کی۔

آزادی کا پہلا تحفہ لاکھوں انسانوں کا قتل عام

اس ملک کو آزادی کی سب سے پہلی جو سوغات ملی وہ یہ کہ انسانوں کا اتنا خون بہایا

Scanned by CamScanner

گیا، جتنا خون شاید کہیں بہایا گیا ہو، ایسی درندگی کے مناظر دیکھے گئے جو شاید کہیں دیکھے گئے ہوں، ایسا وحشیانہ، بلکہ درندوں کو شرما دینے والا، اور ان کے بھی رونگٹے کھڑے کر دینے والا قتل عام ہوا جس کی نظیر دنیا میں کم پیش کی گئی ہوگی۔

زبان کا قتل اور فسادات کے تحفے

دلی اور لکھنؤ اردو کے دو مرکز تھے، ان دو مرکزوں میں اس اردو کو بالکل ہی ختم کر دینے اور نیست و نابود کر دینے کے لئے ہر ممکن پالیسی بنائی گئی، اس پالیسی کا عروج یہ ہے کہ آج یہاں کی حکومت یہ فیصلہ کر چکی ہے ک ہر اسکول میں سنسکرت لازمی ہے، ہر اسکول کے ذمے لازم ہے کہ ''وندے ماترم'' پڑھا جائے اور دیکھئے بات کہاں تک پہنچتی ہے، جو کل تک دوش بدوش شریک تھے جو کانگریس کے بڑے سیکولر افراد تھے، انہوں نے جب اپنے دوسرے دانت نکالے تو پتہ چلا کہ وہ بھی مسلمانوں کے دشمن ہیں، مسلمانوں کی جانیں بھی جاتی رہیں اور ان کے کارخانے بھی لٹتے گئے اور جہاں بھی انہوں نے اقتصادی ترقی کی وہاں پر ایسا فساد تسلط کیا گیا کہ پھر وہ دسیوں سال اُٹھ نہ سکے۔

اچھوتوں پر مظالم

اس ملک میں مسلمانوں کے ساتھ یہ سلوک ہوتا رہا اور انہیں کے ساتھ ''بیک ورڈ کلاسز'' کے لوگ، ''شڈول کاسٹ''، ''شڈول ٹرائبز''، ''ہریجن'' اور وہ جن کو ان کا طبقاتی نظام ''شدر'' قرار دیتا ہے ظلم وستم کا نشانہ بنتے رہے کیونکہ ظالم کو جب ظلم کی عادت پڑ جاتی ہے تو اپنے بھائی کو بھی نہیں بخشتا، لہٰذا جو ہندو مذہب کے ماننے والے ہیں، وہ بھی کب چین اور سکھ دیکھ سکے۔

پسماندہ طبقات میں بیداری

آج ہندوستان کی اس سرزمین پر وہ قومیں اور طبقات بھی کھڑے ہو گئے جن کے

Scanned by CamScanner

ساتھ صدیوں سے ظالمانہ رویہ اپنایا گیا اور اب وہ اس کے لئے تیار نہیں ہیں کہ وہ بڑی طاقت یا بڑے طبقات کے دباؤ میں آئیں، اب وہ اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں، کہ برہمن افضل ہوتا ہے، اب وہ اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں کہ ہم "شُدر" ہیں، ان کے اندر یہ شعور پیدا ہو چکا ہے کہ ہم برابر ہیں اور ان کی سیاسی پارٹیاں بھی ہیں اور وہ اس ملک میں کچھ لینا چاہتے ہیں اور ان کو معلوم ہو گیا ہے کہ یہاں اب کوئی عدل وانصاف کی بنیاد پر نہیں دیتا، یہاں بھیک کے پیالہ میں کوئی کچھ ڈالنے والا نہیں ہے، یہاں دان دینے والے لوگ نہیں ہیں۔

جدوجہد سے کنارہ کشی موت

یہاں اگر خاموش رہیں، سر جھکا کر بیٹھیں تو نہ زبان آپ کی محفوظ رہے گی، نہ تعلیم نہ ملت رہے گی، نہ امت، یہاں تک کہ پرسنل لاء یعنی آپ کے نکاح، طلاق، اور آپ کی معاشرت کا نظام بھی درہم برہم کر دیا جائے گا، بیوی بھی جدا کر دی جائے گی، بیٹا بھی آپ کے ساتھ نہیں رہے گا اور آپ کے اوپر ایک ظالمانہ طاغوتی قانون نافذ کر دیا جائے گا، جس کا خوبصورت نام ہے "یونیفارم سول کوڈ"۔

مسلمانوں کی بے حسی

افسوس ہے ابھی تک مسلمانوں کو اس کا شعور نہیں ہوا کہ ان کے بزرگوں نے کس آزادی کی بات شروع کی تھی، کس آزادی کی للکار لگائی تھی، کیا قربانیاں اس کے لئے پیش کی تھیں، آج ان کا کام بس یہ ہے کہ ریڈیو پر ایک Talk وزیر اعظم کی سن لیں اور اخبارات کے اداریے پڑھ لیں، اور یہ معلوم کر لیں کہ گاندھی جی نے کیا کیا، اور جواہر لعل نہرو نے کیا کیا، انہیں یہ معلوم نہیں کہ سید احمد شہیدؒ نے کیا کیا اور ان کے خلفاء نے کیا کیا، مولانا محمود نے کیا کیا؟ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی نے کیا کیا؟

Scanned by CamScanner

نہ ان کو سرکاری میڈیا بتائے، نہ پرائیوٹ اخبار ٹھیک سے بتائیں، نہ اپنے اداروں میں اس کا تذکرہ ہو، اور مسلمان اس کے عادی ہو جائیں کہ ہم کو ایک مظلوم رعایا بن کر رہنا ہے، جبکہ وہ قومیں جو "شودر" کہلاتی ہیں، آج کھڑی ہیں اور طاقتوروں کے منھ سے نوالہ نکال رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں کہ تمہیں ہمارے حقوق دینے پڑیں گے، پھر آخر یہ مسلمان جو پوری دنیائے انسانیت کے لئے اٹھا تھا کیوں بیٹھا ہوا ہے؟ یہ کیوں آزادی کے لئے مطالبہ کو دوبارہ لے کر کھڑا نہیں ہوتا، اور یہ کیوں نہیں کہتا کہ ہم مکمل آزادی چاہتے ہیں؟

آپ کا مسیحا آپ کے اندر ہے

آزادی بھیک سے نہیں ملے گی، یہ دھرنے سے نہیں ملے گی، کچھ کرنے سے ملے گی، عمل سے ملے گی، اس کے لئے بھرپور محنت کرنی پڑے گی، اور کچھ قربانیاں دینی پڑیں گی اور یہ تہیہ کرنا پڑے گا کہ ہم اپنے عمل سے اللہ کی قدرت، اللہ کی مشیت اور اس کے فیصلہ کے بعد اپنے دست و بازو سے اسے لیں گے، جس دن مسلمان اس کو طے کرلیں گے اور یہ مان لیں گے کہ ان کا مسیحا فلاں فلاں نہیں ہے ان کا مسیحا خود ان کے اندر چھپا ہوا ہے ان کو چاہئے کہ اپنے مسیحا کو دستک دیں اور اپنے اندر جھانک کر پکاریں کہ اے مسیحا باہر آؤ! کم از کم مسلمان اگر یہ بات طے کرلیں کہ ہم کو یہاں پر اس ملک میں ایک اتحادی قوت بن کر ابھرنا ہے اور اپنی ہر ہر چیز کا تحفظ کرنا ہے، ہم کو فریب دینے والے پروپیگنڈے سے متاثر نہیں ہونا ہے اور ہم کو میڈیا کے دھوکے میں نہیں آنا ہے، ہم کو اپنی تاریخ پڑھنا ہے اور تاریخ کے نقوش ابھارنا ہے اور ہم کو اپنا وہی کردار دوبارہ ادا کرنا ہے۔

بدیسی ظلم کے بعد دیسی ظلم

کل اگر بدیسی ظالم تھے تو آج دیسی ظالم ہیں، کیا اخبارات کے اداریئے اور

مضامین ان کے ظلم کی داستانوں سے بھرے ہوئے نہیں ہیں، سرکاری اعداد وشمار کے ہجے کیا اسے تسلیم نہیں کرتے کہ مسلمان تعلیم میں سب سے زیادہ پسماندہ ہیں؟ کیا وہ اسے نہیں مانتے کہ ملازمتوں میں مسلمان سب سے زیادہ بچھڑے ہوئے ہیں؟ کیا یہ واقعہ نہیں کہ سیاسی اعتبار سے مسلمان سب سے زیادہ پست اور سب سے زیادہ حقیر ہیں؟ جن کا کوئی وزن نہیں ہے، یہ ایک واقعہ ہے جس کو سب تسلیم کررہے ہیں، ہر لیڈر مسلمانوں کو یہی کہہ کر پکارتا ہے کہ آجاؤ ہم تمہارے مسیحا ہیں، اور یتیم مسلمان اس کو باپ کہہ کر اس کی انگلی پکڑنے لگتے ہیں۔

حقیقی آزادی کے لئے پھر سے اُٹھنا ہے

آپ کو آزادی کے اس دن میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ہمارے بزرگوں نے جس آزادی کا مطالبہ کیا تھا، وہ آزادی ابھی میسر نہیں آئی ہے، اور وہ آزادی صرف ہمیں کو نہیں بلکہ یہاں کے لاکھوں کروڑوں عوام کو نہیں مل رہی ہے، ابھی یہاں پر کتنے مظلوم ہیں جو سسک رہے ہیں، ابھی کتنی عورتیں ہیں جو اپنے حقوق سے محروم ہیں، کتنے بچے ہیں جن کو تعلیم نہیں مل رہی ہے، کتنے غریب ہیں جن کو قحط کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، فاقوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، تو کیا مسلمانوں کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اس طرح کے مقاصد کے لئے اُٹھیں؟ کیا یہ کام صرف انہیں کا ہے کہ وہ انسانیت کی بات کہیں اور سب کے مسائل حل کرنے کا اعلان کریں اور یہ مسلمان اتنا حقیر اور بے قیمت ہو جائے کہ اپنی بھی بات نہ کہے ! دوسروں کی بات تو کیا کرتا اپنی بھی بات نہیں کہہ پائے ! اس قدر حقیر اور بے حیثیت بن جائے کہ صرف تماشوں اور تفریحات میں لگا رہے اس کو اخبار پڑھنے کو مل جائے اور کہیں جا کر تماشا دیکھ لے کہ آزادی کی کیسی سالگرہ منائی جا رہی ہے، کیسی رونق ہے، اور کیسی روشنیاں ہیں اس کے دانشور طبقہ، پڑھے لکھے طبقہ کی یہ حالت ہو تو ایسی امت پر پھر ماتم ہی کیا جائے!!!

Scanned by CamScanner

اس ملک کے اصل حقدار ہم ہیں

ہمیں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ آزادی کا بھرپور جائزہ لیں اور بے لاگ جائزہ لیں، بے خوف اور نڈر ہو کر جائزہ لیں اور آزادی کے جو کمزور پہلو ہیں ان کو پوری طرح اجاگر کریں اور اپنی تاریخ کو دیانتدارانہ اور منصفانہ طریقہ پر پڑھیں اور اس سے سبق لیں کہ ہمارے قریب کے اسلاف نے کیا کچھ کیا، اپنی نسلوں کو یاد دلائیں، مجمع عام میں لوگوں کو بتائیں، پبلک میں، عوامی جلسوں میں لوگوں کے سامنے حقائق رکھیں اور جن حقائق کو چھپانے کی کوشش کی جارہی ہے ان پر سے پردہ ہٹائیں اور لوگوں کو اس پر آمادہ کریں کہ وہ اپنے حقوق کا مطالبہ پوری قوت اور طاقت سے کریں، اور وہ یہ منوا کر چھوڑیں کے اس ملک کے اصل باشندے ہم ہیں اس کے اصل حقدار ہم ہیں، ہم صرف باشندے نہیں بلکہ حقدار ہیں، ہم صرف رعایا بننے کے لئے نہیں، یہ کیا بات ہے کہ وزیر اعظم ہمیشہ ہندو ہوتا رہے، صدر جمہوری تو کاٹھ کا الو ہوتا ہے، وہ تو مسلمان بھی بنادیا جائے، چاہے نام ہی کا کیوں نہ مسلمان ہو، لیکن وزیر اعظم مسلمان نہ بنایا جائے !!

کامیابی سعی وکوشش سے ہوگی

اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان دوسرے نمبر کے شہری بنائے جاچکے ہیں، مسلمان اپنے حقوق کا مطالبہ کیوں نہیں کرتا ہے، جب یہ ملک سیکولر ہے، ڈیموکریٹک ہے جب اس کا کانسٹی ٹیوشن جمہوریت پر مبنی ہے اور سب کو یہ حق پہنچتا ہے تو ایسا موقع کیوں نہیں آتا ہے، یہ صرف مسلمانوں کی پستی اور خود ان کی اپنے اندرون کی بے وقعتی ہے کہ وہ اپنے مقام کا احساس کھو چکے ہیں، احساس زیاں ان میں باقی نہیں رہا، یہ احساس زیاں اگر بیدار ہو جائے اور وہ اس کا تہیہ کرلیں کہ ہم کو اپنے ملک میں سیاسی، معاشی، تعلیمی اور معاشرتی سارے حقوق لینے ہیں اور یہ حقوق شہریت کی بنیاد پر لینے ہیں، اپنے برادران وطن کے ساتھ شرکت کی بنیاد پر بھی لینے ہیں اور دستور کی بنیاد پر لینے ہیں، تو وہ دن دور

نہیں جب وہ حقوق کی لڑائی میں کامیابی سے ہمکنار ہوں گے۔

آزادی خواب میں ملی اور راتوں رات سلب ہوگئی

یہ آزادی کا اصل پیام ہے اور یہی وہ آزادی ہے جس سے ابھی ہم محروم ہیں اور جس آزادی کے حصول کے لئے ابھی ایک لمبی لڑائی، ہم کو لڑنی پڑے گی، آپ کے بڑوں نے بڑی لمبی لڑائی لڑی، یعنی انیسویں صدی کے اوائل سے جو جہاد شروع کیا گیا تھا وہ جہاد چلتا رہا، یہاں تک کہ بیسویں صدی شروع ہوئی اور بیسویں صدی کا بھی تقریباً وسط گذر گیا، اس طرح لگ بھگ سوا سو سال، ڈیڑھ سو سال کی مکمل جدوجہد کے بعد آزادی ملی، لیکن راتوں رات وہ ہم سے سلب بھی کر لی گئی۔

مستقبل کے لئے کام کیجئے

اب دوبارہ صورت حال کا جائزہ لے کر اور تاریخ کا مطالعہ کر کے اور مستقبل کی منصوبہ بندی اور پلاننگ کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے، آپ میں سے ہر نوجوان کم سے کم یہ ضرور طے کرے کہ اس دور کی تاریخ کو ہمیں بہت ہی گہری نگاہ سے پڑھنا ہے اور اس کی روشنی میں مستقبل کا خاکہ بنانا ہے، سب سے پہلے ہم اپنے اندر شعور بیدار کریں، تعلیم کو عام کریں ذہن سازی کریں، اور پھر اپنے عہد گذشتہ کی بازیافت کریں، اللہ تعالیٰ اس کی توفیق ملت اسلامیہ کے فرزندوں کو نصیب فرمائے۔ آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین،

وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی الہ وصحبہ اجمعین.

Scanned by CamScanner

آزادی ہند کا صحیح مفہوم

خطیب: مولانا سید سلمان الحسینی ندوی

(مولانا سلمان صاحب کی یہ تقریر لڑکیوں کے ایک مدرسہ میں ہوئی تھی)

الحمد لله و کفی و سلام علی عباده الذین اصطفیٰ، اما بعد!

یوم جمہوریہ کی اصلی خوشی کس کو؟

عزیز معلمات اور طالبات جامعۃ المؤمنات! یوم جمہوریہ کے سلسلے کی آج تقریب منعقد ہو رہی ہے، پورے ہندوستان میں، یونیورسٹیوں میں، کالجوں میں، اسکولوں میں، سرکاری اداروں میں، پرائیوٹ اداروں میں اس وقت یوم جمہوریہ کے سلسلے کی تقریب کا انعقاد ہو رہا ہے، ملک کی اکثریت اس بات پر خوش ہے کہ اسے اس ملک میں جمہوری حکومت ملی، اس کو پندرہ اگست کی ایک خوشی حاصل ہوئی تھی کہ یہ ملک انگریزوں سے آزاد کرایا گیا، دوسری خوشی یوم جمہوریہ کی حاصل کی گئی، یہ ملک جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے اور انگریزوں کے ذریعہ سے اقتدار جن کو ملا وہ خواص ہوں یا عوام ان کو آزادی کی خوشی اور جمہوریت کی خوشی ہے، واقعہ یہ ہے کہ انہیں خوش ہونا چاہئے، اس لئے کہ ایک بنا بنایا ملک انہیں حاصل ہوا۔

انگریزوں کی پالیسی

جس ملک کے حاصل کرنے کے لئے انہوں نے وہ جدو جہد نہیں کی تھی جو جدو

جہد مسلمانوں نے کی تھی ایک سجا سجایا اور بنا بنایا ملک جس پر مسلمانوں نے صدیاں خرچ کی تھیں اور انگریزوں نے بھی تقریباً ۹۰ رسال ملک کے اکثر حصہ پر حکمرانی کی ۱۸۵۷ء میں دہلی پر ان کا جھنڈا لہرایا گیا اور ۱۹۴۷ء تک ملک ان کے قبضہ میں رہا یہ ۹۰ رسال کی مدت ایسی مدت ہے، جس میں انہوں نے ایک طرف تو اس ملک میں اپنے قبضہ کو مستحکم کرنے کے لئے ظلم اور دار و گیر کا سلسلہ چلایا، دوسری طرف اس ملک میں ''تفریق کرو اور حکومت کرو'' کی پالیسی پر عمل کیا، مسلمانوں کو جو اس ملک کے اصل حاکم تھے انہوں نے بدنام کیا۔

مسلمانوں پر الزام تراشی

خاص طور پر وہ مسلمان حکمراں جنہوں نے اس ملک کی ترقی کے لئے بھرپور کوششیں کیں اور اس کو متحد کیا، پہلی مرتبہ کشمیر سے لے کر چین تک اور ممبئی کے ساحل سے لے کر بنگال کے ساحل تک، جنہوں نے اس ملک کو ایک اکائی کی شکل دی، متحدہ ملک بنایا اور عدل وانصاف کی حکومت چلائی، اور حکومت کی گدی پر رہتے ہوئے درویشی اور فقیری اختیار کی یعنی سلطان اورنگ زیب عالمگیر، ان کو سب سے زیادہ بدنام کیا گیا، انہیں ظالم بتایا گیا، ستمگر بتایا گیا، اور یہاں کی اکثریت کے حقوق سلب کرنے والا سلطان بتایا گیا، نہ صرف سلطان اورنگ زیب عالمگیر بلکہ ہندوستان کے اکثر حکمرانوں اور ہندوستان میں آنے والے غازیوں کی تصویر انہوں نے ہندوؤں کے سامنے اور اقوام عالم کے سامنے اس قدر بدنما بنا کر پیش کی کہ جس کے نتیجہ میں یہاں کی ہندو اکثریت کے دلوں میں مسلمانوں سے نفرت اس قدر گہری ہو جائے جس کو پھر کبھی بھرا نہ جا سکے۔

مغالطہ انگیز تاریخ سازی

تاریخ کی جو کتابیں لکھی گئیں ان میں جھوٹ بولا گیا، اور کورس کے لئے جو کتابیں

Scanned by CamScanner

تیار کی گئیں زبان کی کتابیں، ادب کی کتابیں، تاریخ کی کتابیں ان میں ایسا مسموم اور زہریلا مواد بھر دیا گیا کہ جس کو ہضم کرتے ہوئے جو نسلیں بھی تیار ہوں وہ ہمیشہ آپس مین نفرت اور عداوت کو بڑھاتی رہیں۔

ملک کے دو ٹکڑے اور دل پارہ پارہ

اسی پالیسی کا یہ نتیجہ تھا کہ یہ ملک دو نیم ہوگیا، اس ملک کے ٹکڑے کردیے گئے اور ہندوستان کی تحریک آزادی دو حصوں میں بٹ گئی ایک حصہ کانگریس کی شکل میں اور ایک حصہ لیگ کی شکل میں اور ان دونوں تنظیموں نے ہندو اور مسلمانوں کے درمیان تفریق کی کھائی کو بڑھانا شروع کیا، ملک ٹوٹا اور دل بھی ٹوٹے اور دونوں قوموں کے درمیان بہت بڑی خلیج حائل ہوگئی، جس کو پاٹنا نہ صرف یہ کہ بہت مشکل ہے بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس خلیج کو بڑھانے والے مسلسل کامیاب ہوتے چلے جارہے ہیں، آزادی کے بعد کا جو وقفہ گزرا ہے اس میں اس کو بہت بڑھایا گیا ہے۔

صحیح تجزیہ اور واقفیت کی ضرورت

بہرحال یوم جمہوریہ اور پندرہ اگست کی آزادی سے متعلق تقریبات منعقد ہوتی ہیں لیکن ایسی تقریبات کم ہوتی ہیں جن میں حقائق کا صحیح طور پر جائزہ لیا جائے، جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو ان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ حقائق کو سمجھیں، تاریخ کو سمجھیں، اپنی اہم شخصیات کو سمجھیں، اپنے ماضی سے واقف ہوں، تاکہ وہ سب مل کر تعمیری کردار کرسکیں، طلباء ہوں یا طالبات، معلمین ہوں یا معلمات، سب کی ذمہ داری ہے کہ ان کی اسلامی ثقافت وسیع ہو، معتبر ہو، گہری ہو، عام طور پر اپنی ثقافت وکلچر سے واقفیت کی کمی بہت سے نقصانات کو جنم دیتی ہے اور ایسے تصورات وتخیلات پیدا ہوجاتے ہیں جو کوئی اصل واساس نہیں رکھتے۔

Scanned by CamScanner

اسلام کا آزادی سے تعلق

ہم مسلمانوں کو بالخصوص مدارس اسلامیہ کے طلباء اور طالبات کو پہلے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ اسلام کا آزادی سے کیا ربط و تعلق ہے، اور اسلام نے اس سلسلے میں کیا کیا ہے اسلام کی جو چودہ سو سالہ تاریخ ہے وہ اس سلسلے میں کتنی روشن اور تابناک ہے، اس سے انہیں واقف ہونا چاہئے پھر اس کے بعد یہ دیکھنا چاہئے کہ جس ملک میں وہ بسے ہوئے ہیں اس ملک میں ان کی تاریخ کیا ہے۔

موحدانہ نظام

جہاں تک اسلام کے بنیادی نقطۂ نظر کا تعلق ہے تو یہ ایک حقیقت ہے کہ ایک موحدانہ مذہب ہے، یہ ایک ایسا مذہب ہے جو ابتداء انسانیت سے شروع ہوا اور قیامت تک اس کا سلسلہ چلتا رہے گا، تمام انبیاء اسی کے داعی تھے، آخری پیغمبر محمد ﷺ نے اس کی دعوت کو انسانوں کے سامنے بڑی قوت کے ساتھ اور بڑی وضاحت کے ساتھ پیش کیا آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنایا: ﴿يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ ترجمہ: اے انسانوں اپنے اس پروردگار کی بندگی کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے پہلے جو لوگ گزرے ان کو پیدا کیا تاکہ تم بچ سکو۔

حریت و آزادی کی دعوت

موحدانہ نظام اس بات کا داعی ہے کہ غلامی اور بندگی کے جتنے بھی بندھن ہیں سب توڑ دیئے جائیں، اور صرف ایک بندھن باقی رہے، وہ اللہ کی غلامی کا اور اللہ کی عبدیت کا بندھن ہے، یہ بات حضور ﷺ نے اور تمام انبیاء کرام نے اپنی قوموں کو سمجھائی، اور اس کے نتیجہ میں نہ صرف دیومالائی بندھنوں سے آزاد کیا گیا، بلکہ وقت

کے سلاطین وملوک امراء اور بڑے بڑے قاہر وجابر بادشاہوں کے شکنجے سے بھی ان کو آزاد کیا گیا، اور یہی وہ بات ہے جس کو رستم کے دربار میں حضرت ربیع بن عامرؓ نے کہا تھا، جب رستم نے ان سے جو مسلمانوں کے سفیر تھے اور رستم سے بات کرنے گئے تھے، مذاق کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ کہئے جناب! کیسے آنا ہوا تو ربیع بن عامرؓ نے کہا کہ: "الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد الى عبادة الله وحده ومن ضيق الدنيا الى سعتها ومن جور الاديان الى عدل الاسلام"

حضرت ربیعؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھیجا ہے، اللہ نے ہمیں برپا کیا ہے اللہ نے ہمیں اُٹھایا ہے، اور ہمارے برپا ہونے کا مقصد یہ ہے کہ ہم تمام انسانوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کردیں اور دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعتیں عطا کریں، مذاہب کے ظلم سے آزاد کردیں اسلام کا عدل عطا کریں۔

رستم کے دربار میں صدائے حریت

یہ بات حضرت ربیع بن عامرؓ نے فرمائی، واقعہ یہ ہے کہ ان کا یہ جملہ جس کو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف یہ کہ "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر" نامی کتاب میں بہت اہتمام سے ذکر کیا بلکہ بار بار اپنی کتابوں میں اس جملہ کا حوالہ دیا اور بہت سے علماء، مبلغین اور داعیان دین کا یہ احساس ہے کہ اس جملہ کو حضرت مولانا نے جس طرح اجاگر کیا کسی اور مؤرخ، مفکر یا مصنف نے اس طرح سے اس کو نہیں نمایاں کیا تھا، واقعہ یہ ہے کہ یہ اسلامی فکر کا عنوان بن گیا، اسلام یہ چاہتا ہے کہ پوری دنیا میں انسان کو آزادی ملے ایسی حقیقی آزادی جس میں ان کی گردن پر کسی کا جوا نہ ہو سوائے اللہ کی عبادت اور بندگی کے جوئے کے جو فی الحقیقت خدا تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہی رحمت ہے، سارے انسان اللہ کے بندے بنکر زندگی گزاریں، کسی سلطان، کسی حاکم، کسی امیر، کسی ولی، کسی ڈکٹیٹر

کی حکمرانی ان پر اس طرح نہ مسلط کی جائے کہ ان کے انسانی حقوق سلب ہو جائیں اور اللہ کی عبدیت کے جو تقاضے ہیں ان کو پورا نہ کر سکیں۔

اسلامی فتوحات حریت کی پیامبر

مسلمان اسی جذبہ کو لے کر پوری دنیا کے ممالک کی طرف آگے بڑھے، افریقہ کے شمالی علاقوں میں گئے، ترکستان کے علاقوں میں گئے، خراسان کے علاقوں میں گئے، ایران، افغانستان اور ہندوستان آئے اور اسی طرح دنیا کے مختلف ممالک میں پہونچے، ان کا جو شعار تھا، ان کا جو منشور تھا اور یہ کہنا چاہئے کہ ان کا جو موٹو گرام تھا وہ بس اسی عبارت تھا کہ "اللہ ابعثنا لنخرج من شاء من عبادۃ العباد الخ" ان کا مقصد ملک گیری نہیں تھا، ان کا مقصد سلطنت کو حاصل کرنا نہیں تھا، ان کا مقصد اقتدار نہیں تھا، بلکہ ان کا مقصد خدمت خلق تھا اور انسانوں کو صحیح آزادی سے ہمکنار کرنا تھا۔

مسلم فاتحین کا عوامی استقبال

اور اسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ جہاں بھی مسلمان گئے عوام نے ان کا استقبال کیا، حکام لڑے، فوجیں لڑیں، لیکن عوام الناس کہیں پر بھی مسلمانوں کے خلاف باغی بن کر نہیں اٹھے، ایران اتنی قدیم سلطنت ساسانی حکومت کا مرکز تھا اور پرشین امپائر کا وہ مرکز رہا لیکن اس امپائر کے حدود میں جب مسلمانوں نے پیش قدمی کی تو ان کا مقابلہ رستم سے ہوا، یزدگرد سے ہوا، حکومت کے کار پردازوں سے ہوا، لیکن ایران کے شہروں کے عوام نے ان کے خلاف ادنیٰ بغاوت نہیں کی۔

بیت المقدس کی چابی لاٹ پادری نے حضرت عمرؓ کو پیش کی

یہی صورت حال شام میں ہوئی جو رومن امپائر کے ماتحت تھا، وہاں کے عوام نے

Scanned by CamScanner

مسلمانوں کے خلاف بغاوت نہیں کی، بلکہ یہ بھی ایک بڑا اہم واقعہ ہے جو سنہرے حروف سے لکھنے کے قابل ہے، کہ حضرت عمرؓ کو فلسطین کے بڑے کلیسا کے پادریوں نے بلایا، ان کا یہ کہنا تھا کہ ہم اپنے کلیسا کی چابی آپ کے خلیفہ کو دیں گے اور حضرت عمرؓ نے ان کے اسی مطالبہ کی بنیاد پر مدینہ منورہ سے شام کا سفر فرمایا اور فلسطین کی سرزمین میں داخل ہوئے، جس وقت حضرت عمرؓ "القدس" شہر میں داخل ہو رہے تھے مسجد اقصیٰ کو واگزار کرانے کے لئے، جس کو کلیسا بنا دیا گیا تھا، تو وہاں کے پادریوں، بطریقوں، بشپوں نے ان کا شاہانہ استقبال کیا اور انہوں نے اس بات کا صاف اظہار کیا کہ ان کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے، کہ یہ آسمان کے فرشتے ہیں جو اتر آئے ہیں، انہوں نے ان کا استقبال کیا اور چابی ان کے ہاتھ میں نہایت ہی تواضع کے ساتھ رکھ دی۔

حضرت عمرؓ کی شفقت اور انصاف

حضرت عمرؓ کلیسا میں داخل ہوئے وقت نماز آیا تو پادریوں نے کہا حضرت! آپ نماز یہیں پڑھیں، لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نہیں! میں یہ نہیں چاہتا ہوں کہ آپ کے اوپر ظلم ہو اور آپ کے حقوق سلب ہوں، میں اگر یہاں نماز پڑھ لوں گا تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ آئندہ مسلمان اسے مسجد بنالیں گے یا اس جگہ کو مسجد میں تبدیل کریں گے، جس سے آپ پر زیادتی ہوگی اس لئے میں اس سے ہٹ کر فاصلہ پر نماز پڑھتا ہوں، نماز انہوں نے وہاں پڑھی جہاں اصلاً مسجد اقصیٰ کی جگہ تھی، اور جو اس وقت ملبہ میں تبدیل کر دی گئی تھی، کوڑا بھی وہاں سے ہٹایا گیا، اور وہاں پر حضرت عمرؓ نے نماز ادا فرمائی، ان کے اس عدل کا جب منظر سامنے آیا تو کتنے لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

افریقہ کے بربری اسلامی تہذیب کے علم بردار

غرض یہ کہ مسلمان جس علاقہ میں بھی گئے، اس علاقہ کے لوگوں نے ان کا استقبال

Scanned by CamScanner

کیا مصر میں قبطی رہتے تھے، اور مراکش، الجزائر، لیبیا وغیرہ میں بربری قومیں تھیں، جو تہذیب سے بہت دور تھیں، بڑی وحشی اور جنگلی قومیں تھیں، لیکن مسلمانوں کی ان علاقوں میں آمد ہوئی تو ان قوموں نے مسلمانوں کا استقبال کیا، مذہب قبول کیا، تہذیب قبول کی، زبان قبول کرلی اور مسلمانوں کی ثقافت کو قبول کیا اس کو سینہ سے لگایا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سو فیصد ممالک نہ صرف یہ کہ مسلمان ہوگئے بلکہ عرب ملک ہوگئے، یعنی مراکش بربری ملک تھا، عرب ملک ہوگیا، الجزائر بربری ملک تھا عرب ملک ہوگیا، افریقہ کے شمال کے یہ علاقے ہمیشہ یورپ کے مظالم کی چکی میں پستے رہے تھے لیکن مسلمانوں کے پہونچنے سے اتنی زبردست تبدیلی آئی، کیونکہ مسلمان فی الحقیقت آزادی کا پروانہ لے کر گئے تھے۔

آزادی فکر کا مطالبہ

ہر انسان فکری طور پر آزادی چاہتا ہے، کوئی انسان بھی یہ نہیں چاہتا ہے کہ اسے بیل بنادیا جائے، اس کی گردن پر جو رکھ دیا جائے اس کا استیصال کیا جائے، اور اس کے مفادات پر ضرب لگائی جائے، ہر آدمی فطرتاً یہ چاہتا ہے کے اس کو حقوق ملیں، اس کو راحت ملے مسلمانوں نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی اور کبھی بھی ظلم نہیں ہونے دیا۔

فتح سمرقند کا تاریخی واقعہ

اس معاملہ میں مسلمان کس قدر حساس تھے اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں جب ان کی افواج ترکستان کو فتح کرتی ہوئی سمرقند شہر میں داخل ہوگئیں، اور اسلامی طریقۂ جہاد پر عمل میں کوتاہی ہوئی کہ پہلے دعوت نہیں پیش کی، پہلے ہی انہوں نے پیش قدمی کر کے شہر میں داخلہ حاصل کرلیا، اور اس کی اطلاع حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو دی گئی، کہ آپ کی افواج شہر سمرقند میں دعوت پیش

کیے بغیر داخل ہو گئیں، تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے کمانڈر انچیف کو ایک پرچہ لکھا اور اس میں یہ حکم فرمایا، کہ جس وقت میرا یہ پرچہ تم تک پہونچے فوراً حکم دو کہ تمام افواج شہر کا تخلیہ کردیں، سب شہر سے باہر آجائیں، اور پھر دعوت پیش کی جائے، اور دعوت اگر قبول نہ کی جائے تو ان کو امان دیا جائے، عادلانہ نظام قائم کیا جائے، یہ پرچہ پہونچا کمانڈر انچیف نے افواج کو حکم دیا کہ پورا شہر خالی کردیا جائے، جس شہر میں قبضہ ہو چکا ہو افواج کا اسے اپنے اختیار سے خوشی خوشی خالی کردینا یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو تاریخ میں کبھی پیش نہیں آیا، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے اس حکم کا نتیجہ یہ ہوا کہ کمانڈر نے حکم دیا اور ساری افواج شہر خالی کر کے باہر آگئیں، لیکن عجیب منظر سامنے تھا کہ شہر سے فوجیں باہر آرہی تھیں اور شہر والے فوجوں کے پیچھے پیچھے آرہے تھے اور ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور انہوں نے کہا کہ بھئی ہم نے تو وہ عدل دیکھ لیا جس سے زمین و آسمان کا نظام قائم ہوتا ہے اور ہم سب اسلام قبول کرتے ہیں، تاریخ کا یہ ایک عجیب واقعہ ہے کہ سمرقند کا شہر بیک وقت اسلام میں داخل ہو گیا، پورا کا پورا شہر، پوری آبادی نے مسلمانوں کے اس عدل کو دیکھ کر اسلام قبول کرلیا۔

ظلم کے خلاف تحریک

واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے ہمیشہ انسانون کو آزادی سے ہمکنار کیا دوسری طرف اسلام کا ایک یہ بھی کردار رہا ہے کہ مسلمانوں نے کبھی ظلم کو برداشت نہیں کیا، ہمیشہ ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، چاہے حالات کتنے ہی سنگین ہوں، چاہے کتنی ہی قربانیاں دینی پڑیں، لیکن چونکہ حضور پاک ﷺ نے فرمایا تھا ''انصر اخاك ظالماً أو مظلوماً'' کہ اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم! تو صحابۂ کرامؓ کو بہت ہی تعجب ہوا کہ حضور ﷺ تو ہمیشہ ظلم کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں، اور مظلوم کی مدد فرماتے ہیں، تو یہ کیسے کہہ رہے ہیں کہ اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو، صحابہؓ نے

Scanned by CamScanner

عرض کیا کہ حضور ﷺ ہم مظلوم کی مدد کریں یہ تو سمجھ میں آرہا ہے، لیکن ظالم کی مدد کریں یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑلو اسے ظلم نہ کرنے دو یعنی اسلام جب ظلم کو روکنے کی بات کہتا ہے، تو اس کے سامنے صرف یہ نہیں ہوتا ہے، کہ ظالم کا پنجہ توڑ دیا جائے، سارے شکنجوں کو توڑ دیا جائے اور اس کو تباہ و برباد کردیا جائے بلکہ پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ظالم تائب ہوجائے، ظالم کی اصلاح ہوجائے، ظالم رجوع کرلے، اپنے ظلم سے تائب ہوکر نجات کا مستحق ٹھہرے، ظالم کی جنت فوت نہ ہوجائے، پہلی کوشش یہ ہوتی ہے، لیکن اگر اس کوشش میں ناکامی ہوتی ہے تو پھر ''آخر الدواء الکی'' آخری علاج داغنا ہے، یعنی پھر سخت ایکشن ضروری ہوجاتا ہے۔

ہندوستان میں جہاد حریت کی کاروائیاں

بہر حال مسلمانوں نے ہندوستان میں جو بھی ترک تازیاں کیں، یہاں جو بھی انہوں نے کوششیں کیں، ان کا بھی مقصد فی الحقیقت یہی تھا کہ ہندوستان کے مظلوم انسانوں کو اس ظلم سے آزاد کرایا جائے جو یہاں کے حکمرانوں کی طرف سے ان کے اوپر روا رکھا جارہا تھا، لہٰذا باہر سے جو فاتحین آئے ان کے پیش نظر اکثر و بیشتر یہ مقصد تھا اور جو مجاہدین اس ملک میں آئے ان کا بھی مقصد یہی تھا کہ یہاں کے بہت سے ظالم حکمرانوں سے، راجاؤں سے عوام الناس کو آزادی دلائی جائے۔

مغل حکومت کا زوال

اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس ملک میں اسلام کے جھنڈے کو بلند کیا، ایک مستحکم حکومت شہاب الدین غوری کے بعد دہلی میں قائم ہوگئی، آخر مغل امپائر کا دور آیا اس میں ظلم کے دور بھی رہے، عدل کے دور بھی رہے، اسلام کے دور بھی رہے، الحاد کے دور بھی رہے،

Scanned by CamScanner

مختلف ادوار سے مغل حکومت گزرتی رہی اور آخر میں مغل حکومت داخلی اعتبار سے کھوکھلی ہوتی چلی گئی، عام طور پر حکومتوں کا زوال اس بنیاد پر ہوتا ہے کہ عیاشی شروع ہو جاتی ہے، عوام سے غفلت ہونے لگتی ہے اور توجہ ساری ساری مادی مفادات پر مبذول ہو جاتی ہے، رشوتیں لی جانے لگتی ہیں اور لوگوں کے حقوق چھینے جانے لگتے ہیں، جب کسی بھی حکومت میں یہ ہوتا ہے تو دیر سویر حکومت زوال پذیر ہو جاتی ہے، ہلاکت وتباہی کے گڑھے میں گر جاتی ہے، مسلمانوں کی مغل حکومت نے بھی یہی وطیرہ اختیار کیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان زوال کی طرف بڑھتے چلے گئے، علاقے چھوٹتے چلے گئے اور ریاستیں الگ ہوتی چلی گئیں اور دراڑ پڑتی گئی اور بڑھتی گئی یہاں تک کہ دار الخلافت دلی کے مرکز لال قلعہ کا حال یہ تھا کہ وہ آپس کی تفریق کی سیاست کا مرکز بن گیا جب مسلمان خود اپنے داخلی اسباب سے اس منزل اور اس مرحلے کو پہنچے تو پھر اس کے مواقع باہر کی طاقتوں کو ملے کہ جو بھی اپنی قوت اور شباب سے بھرپور تھیں کہ وہ اس ملک کا رخ کریں۔

سقوط اندلس شکستوں کا عہد بن گیا

اس سلسلہ میں ایک خاص پس منظر یہ ہے کہ اسپین میں مسلمانوں کی جو حکومت تھی جو شاید مسلم حکومتوں میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ تھی، سب سے زیادہ متمدن تھی، سب سے زیادہ خوش حال تھی، اس حکومت کا پندرہویں صدی عیسوی میں زوال ہوا اور جب اندلس کی مسلم حکومت کا زوال ہوا تو اس سے اسپینیوں، فرانسیسیوں، جرمن اور برطانوی قوموں کے حوصلے بہت بڑھ گئے، خاص طور پر چونکہ مسلمانوں کا زوال اسپینیوں کے ذریعہ ہوا جو عیسائی تھے ان سے ملک چھینا گیا تھا، اب انہوں نے مسلمانوں کو نکال باہر کیا، لہٰذا ان کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے کہ انہوں نے پھر یہ طے کیا کہ مسلمانوں کی ایک ایک حکومت کو تاراج کر دینا ہے تو نہ صرف یہ کہ انہوں نے اندلس سے مسلمانوں کو

نکالا بلکہ افریقہ میں مسلم ریاستوں کو نشانہ بنایا، ایشیا کی مسلم ریاستوں کو نشانہ بنایا۔

سقوط ہند

ہندوستان کی سرزمین پر بنگال میں سراج الدولہ اور میسور میں سلطان ٹیپو جیسے شیر مردوں کو انہوں نے شکست دی، یہ دو ایسے شیر مرد تھے کہ ان کی شکست نے جو اٹھارویں صدی کے اواخر میں ہوئی مسلمانوں کے حوصلے پست کر دیئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو دیگر ریاستیں تھیں ان میں پھر یہ ہمت نہ رہی، کہ انگریزوں سے آنکھیں چار کر سکیں، اور ان سے مقابلہ کریں، بلکہ انہوں نے پھر انگریزوں سے معاہدے شروع کر دیئے یہ سلسلہ بڑھتا رہا آخر ۱۸۵۷ء تک انگریز نے دلی میں اس قدر اپنے قدم جمالئے کہ مسلمانوں کے سلطان کو اپنا وظیفہ خوار و پینشن خوار بنا دیا۔

لال قلعہ پر ان کا قبضہ ہو گیا، اور پورا دلی ان کے ہاتھ میں آ گیا، یونین جیک لہرا دیا گیا، اور حکم "بہادر" کمپنی کا چلنے لگا بس وہ دن تھا کہ ہندوستان سے اسلامی سلطنت کا زوال ہو گیا اس زوال کے زمانہ میں اور اس زوال کے مابعد جو کوششیں بھی ہوئیں ان میں سب سے زیادہ علماء پیش پیش رہے، اس زوال کے بعد اور اس سے پہلے جبکہ صورت حال یہ تھی، کہ انگریز ملک پر قابض ہوتے چلے جا رہے تھے اور اکثر ریاستیں ان کے ہاتھوں میں آ گئی تھیں، شاہ عبد العزیزؒ نے یہ فتویٰ صادر کیا کہ ہندوستان دار الحرب ہو چکا ہے، یعنی اب جو مسلمان یہاں ہیں انہیں سمجھنا چاہئے کہ ہم حربی ہیں، ہم محارب ہیں، ہمیں جنگ کرنا ہے جو قوم باہر سے آ کر یہاں قابض ہوئی ہے، انہیں بے دخل کرنا ہے، اس ملک کو اس سے آزاد کرانا ہے۔

تحریک جہاد

یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت شاہ عبد العزیزؒ کے مقابل میں دور دور تک کسی دوسرے

Scanned by CamScanner

مذہب کا کوئی شخص ایسا موجود نہیں تھا جو انگریزوں کے تخلیہ کی یا انگریزوں کو اس ملک سے نکالنے کی بات سوچ بھی سکتا ہو چونکہ ملک مسلمانوں سے چھینا گیا تھا اس لئے انگریزوں سے مقابلہ مسلمانوں کو ہی کرنا تھا اس لئے مسلمانوں کے سر پرست، مسلمانوں کے رہبر، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اعلان فرمادیا کہ جنگ شروع ہوچکی ہے اور انہیں کے خلیفہ اور انہیں کے تربیت یافتہ اور انہیں کے شاگرد رشید اور انہیں کے مدرسہ کے فارغ حضرت سید احمد شہیدؒ نے انہیں کے مشورے، اشارے اور تحریک کے نتیجے میں جہاد کی عظیم تحریک شروع کی، سید صاحبؒ نے پہلے دعوت وتبلیغ کی تحریک چلائی جب دعوت وتبلیغ کے نتیجہ میں ملک میں راہیں ہموار ہوئیں، مسلمان تحریک سے وابستہ ہوئے، ذہن ان کے آمادہ ہوئے، شعور ان کا بیدار ہوا، تب جہاد کی تحریک شروع کی گئی۔

انگریزوں کے ایجنٹوں سے جنگ

جہاد کی تحریک کے لئے انہوں نے افغانستان کو اور اس میں بھی بالخصوص پشاور کو اپنا مرکز بنایا جہاں انہیں ابتداءً بڑی کامیابی حاصل ہوئی، لیکن جب انگریزوں سے مقابلہ کے لئے کشمیر کی طرف بڑھنا شروع کیا، کہ وہاں سے آگے بڑھ کر انگریزوں سے اس ملک کو خالی کرانا ہے تو بالاکوٹ کے میدان میں سکھوں سے لڑائی ہوگئی، جو انگریزوں کے ایجنٹ تھے اور جنہوں نے انگریزوں کا ابتداء سے ساتھ دینا شروع کردیا تھا، اس لڑائی میں حضرت سید احمد بریلوی اور حضرت مولانا اسماعیل شہید ہوئے اور بہت سے افراد شہید ہوئے، بالاکوٹ کی پہاڑی کی بلندی پر ایک مدفن ہے جو گنجینۂ شہداء ہے وہاں وہ خزانہ دفن ہے جو ہندوستان کا سب سے زیادہ قیمتی خزانہ ہے۔

شاہ عبدالعزیزؒ جہاد حریت کے داعی اور سید احمد شہیدؒ اس کے بانی

حقیقت یہ ہے کہ آزادی کی تحریک حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے شروع فرمائی اور

حضرت سید احمد شہیدؒ اس کے سب سے بڑے مجاہد جانباز اور کمانڈر تھے، اور پھر حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کی شہادت کے بعد ان علاقوں میں تحریک کے ذمہ دار اپنی جگہ کام کرتے رہے، دلی میں حضرت شاہ اسحاق صاحب کو ذمہ داری سونپی گئی، اب حکومت کی طرف سے دار و گیر کا بازار گرم ہوا جو لوگ بھی حضرت سید صاحب سے وابستہ تھے ان کی گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں، ان کو کالا پانی بھیجا گیا ان کو مالٹا اور جزائر انڈمان روانہ کیا گیا، ان کو پھانسیاں دی گئیں اور ہر شخص جو اس تحریک سے جڑا ہوا تھا اس کو پکڑنے کی کوششیں کی گئیں ان پر الزام لگایا گیا کہ یہ باغی ہیں اور ان کے ساتھ ہر ظلم روا رکھا گیا۔

علماء سولیوں پر اور جیلوں میں

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دلی سے ایک طرف مراد آباد تک اور دوسری طرف خیبر تک درختوں پر علماء کو سولیاں دی گئیں، درختوں پر پھندے لٹکے ہوئے تھے اور ان سب کو جو اس تحریک سے وابستہ تھے، پکڑ پکڑ کر سولیوں پر چڑھایا جارہا تھا اور نہ صرف سولیوں پر چڑھایا جاتا تھا، بلکہ بڑی دردناک سزائیں دی جاتی تھیں اس سلسلہ میں ولیم میور اور ڈبلیو ہنٹر اور دیگر انگریزوں کے اعترافات موجود ہیں، مولانا طفیل احمد منگلوری اور دیگر مسلم مؤرخین کی کتابوں میں واقعات کو تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔

انتقام کے بدترین وحشیانہ مناظر

انگریز اور مسلمان مؤرخین نے لکھا ہے کہ سب سے زیادہ خوفناک منظر وہ ہوتا تھا، جب کسی عالم کو پکڑ کر اس کو گٹھری بنا کر، ہاتھ پیر باندھ کر، توپ کے دہانے سے باندھ دیا جاتا تھا، اس کے بعد توپ کی نالی سے بارود کو داغا جاتا تھا، جس سے اس کے پرخچے اور چیتھڑے اڑ اڑ کر چاروں طرف پھیل جاتے تھے اور اس کو دیکھ کر انگریز ہنستے اور لطف

Scanned by CamScanner

اٹھاتے تھے، اسی پر بس نہیں بلکہ سور کی کھالوں میں علماء کو ڈال کر اور کھال سی کر اس کو آگ میں بھون دیا جاتا تھا، واقعہ لکھا ہے کہ چالیس علماء کو ایک موقع پر پکڑا گیا اور ان کے کپڑے اتروا دیئے گئے، اور اس کے بعد دہکتی ہوئی آگ میں انہیں ڈال دیا گیا جو کام کسی دور میں اصحاب الاخدود نے کیا تھا وہ اس دور کے عیسائیوں نے کیا، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عیسائی ایک طرف رحمت وکرم کی بات کہتے ہیں لیکن جب ظلم پر آتے ہیں تو شاید دنیا کا کوئی وحشی بھی ایسے ظلم کا تصور نہیں کرسکتا جس کو وہ روا رکھتے ہیں، پھر دوسرے چالیس علماء کو لایا گیا ان کے بھی کپڑے اتروائے دیئے گئے اور کہا گیا کہ تمہیں بھی اسی طرح بھون دیا جائے گا، لیکن خود انگریز مؤرخ کا کہنا ہے کہ کسی عالم نے ہماری بات تسلیم نہیں کی خدا گواہ ہے کہ ہم نے انہیں آگ میں ڈال دیا، انہوں نے جلنا گوارہ کیا لیکن اپنے اس حق سے، جس کو مانتے تھے رجوع کرنا گوارہ نہیں کیا۔

پورے ہندوستان میں علماء کی قربانیوں کے اتنے واقعات ہیں کہ ان کو اگر جمع کیا جائے تو جلدیں تیار ہوجائیں، اصلاً وہی انگریزوں کے حریف تھے اور انہیں سے انگریزوں نے ملک چھینا تھا، اور وہی واپسی کی ساری جدوجہد کر رہے تھے، آج جس طرح مسلمان امریکہ و برطانیہ کے نشانہ پر ہیں دنیا میں جہاں بھی گرفتاریاں ہورہی ہیں مسلمانوں کی ہورہی ہیں، افریقہ کے کسی ملک میں گرفتاری ہو، پاکستان میں گرفتاری ہو، افغانستان میں گرفتاری ہو، ایران میں گرفتاری ہو، جہاں گرفتاری ہورہی ہے نام پڑھئے تو مسلمان ہیں اور مسلمانوں میں بھی وہ جن کا تعلق دین سے اور دینی تعلیم سے ہے، جن کا تعلق دینی جہدوجہد سے ہے وہ آج پوری دنیا میں گرفتار کئے جارہے ہیں، شاید صحیح اعداد وشمار تو کسی زمانے میں معلوم ہوں گے، ابھی تو صحیح طور پر معلوم بھی نہیں ہیں۔

تحریک شہیدین کا تسلسل

بہرحال تحریک آزادی میں تنہا مسلمان تھے، جو انگریزوں کے ظلم سہہ رہے تھے،

Scanned by CamScanner

اور مقابلہ کر رہے تھے، تحریک سے پیچھے ہٹنے کو وہ تیار نہیں تھے، اور یہی تحریک تھی جو آگے بڑھتی گئی، مولانا غلام رسول مہر صاحب نے سیرت سید احمد شہیدؒ میں اور سرگزشت مجاہدین میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ جو تحریک حضرت سید صاحب نے شروع کی تھی وہ پاکستان کے قیام کے دن تک چلتی رہی، اس میں انقطاع کبھی نہیں ہوا، یہ الگ بات ہے کہ وہ تحریک محدود ہوگئی تھی، چھوٹے پیمانے پر تھی لیکن تسلسل سے چلتی رہی، حضرت شاہ اسحاق صاحبؒ، حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ، حضرت شاہ امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا قاسم نانوتوی صاحبؒ، حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، ان حضرات کی کوششوں کا نتیجہ تھا ۱۹۴۷ء میں اس ملک کو آزادی حاصل ہوئی یہ حضرات حضرت سید احمد شہیدؒ کے وارث تھے۔

تحریک ریشمی رومال

آخری دور میں اس سلسلہ کی سب سے اہم کڑی حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ ہیں، جنہوں نے عالمی سطح پر انگریزوں کے خلاف تحریک چلائی تھی، جو بعد میں ریشمی رومال تحریک کے نام سے یاد کی جانے لگی، کیونکہ ریشمی رومالوں کی شکل میں جو خطوط بھیجے جاتے تھے وہ ایسی تحریر پر مشتمل ہوتے تھے جس کو مخصوص مخاطب ہی سمجھ سکے، اسی لئے یہ تحریک ریشمی رومال تحریک کے نام سے معروف ہوگئی، اس تحریک کا تعلق افغانستان، جرمنی، روس، ترکی اور حجاز سے تھا، مولانا نے اپنے نمائندے ان ملکوں میں بھیجے اور اس بات کی بھرپور کوشش کی، کہ انگریزوں کے خلاف ان ملکوں کو تیار کر کے ایک بلاک بنا لیا جائے، وہ انگریزوں کے خلاف زبردست محاذ تیار کرنا چاہتے تھے اور اس سلسلے میں خاصی پیش رفت ہو چکی تھی، لیکن اپنے ہی جاسوسوں اور منافقوں نے مخبری کر دی، اور حجاز سے مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا حسین احمد مدنیؒ وغیرہ گرفتار کر کے مالٹا بھیج دیئے گئے، جہاں سے ۱۹۲۰ء میں ان کو رہائی ملی، اور وہ ہندوستان واپس آئے،

Scanned by CamScanner

ہندوستان واپس آنے کے بعد ان کی عمر نے تو وفا نہ کی لیکن ان کے شاگرد رشید مولانا حسین احمد مدنیؒ اس جدوجہد آزادی سے آخری دم تک وابستہ رہے، وہ اس تحریک میں پوری قوت کے ساتھ شامل رہے، وہ انگریزوں کے خلاف ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ جدوجہد کے قائل تھے اور اس پر آخری وقت تک عامل رہے۔

ہندو مسلم عداوت کا آغاز

ضرورت اس بات کی تھی کہ جو ہندو مسلم ہزار سال سے مسلم حکومتوں کے سائے تلے زندگی گذارتے چلے آرہے تھے وہ آپس میں متحد رہیں اور اس ملک کو ملکر آزاد کرائیں، لیکن انگریزوں کی لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی یہاں پر بھی کامیاب ہوئی، ان کی کوشش یہ تھی کہ تحریک آزادی کو ناکام کردیا جائے اگرچہ وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے لیکن ملک کے دو ٹکڑے ضرور کردیئے، اور ان دو آبادیوں کے درمیان انہوں نے نفرتیں اور عداوتیں ضرور قائم کردیں، اس میں وہ کامیاب ہوئے آج تک یہ عداوتیں ختم ہونے کو اور آگ بجھنے کو نہیں آتی۔

تحریک خلافت

بہرحال مسلمانوں اور ہندوؤں نے مل کر اس دور میں انگریزوں کے خلاف تحریک چلائی اس جدوجہد میں سب سے زیادہ کامیابی خلافت تحریک کو حاصل ہوئی بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ کانگریس کو بھی خلافت تحریک نے ہی طاقت دی۔

گاندھی جی کو خلافت تحریک نے نمایاں کیا، مولانا عبدالباری فرنگی محلی کا گھر خلافت تحریک کا مرکز بنا ہوا تھا وہاں گاندھی جی ہوتے تھے، مولانا محمد علی ہوتے تھے، مولانا شوکت علی ہوتے تھے، اور مولانا ابوالکلام آزاد ہوتے تھے، اس وقت لکھنؤ مرکز بنا ہوا تھا۔

Scanned by CamScanner

گاندھی جی کی ذہانت

یہ گاندھی جی کی ذہانت اور بہت ہی گہری سیاست تھی کہ جو عناصر ابھی تک نمایاں نہیں تھے ان کو دھیرے دھیرے ابھار کر سب سے زیادہ اوپر کی سطح پر لے آیا گیا اور مسلمانوں کی سطح دھیرے دھیرے نیچے ہوتی چلی گئی، نقصان مسلمانوں کو خود اپنوں سے پہونچا۔

لیگ کی تنگ نظری اور علمائے حق کا الہامی فیصلہ

لیگ نے جو دراڑ پیدا کی تھی اس کے نتیجہ میں قیادت کا بڑا حصہ پاکستان کی تحریک سے وابستہ ہو گیا، اور قیادت کا چھوٹا سا حصہ جس میں مولوی زیادہ تھے دانشور کم، وہ کانگریس کے ساتھ وابستہ رہا چونکہ اس کے پیش نظر مسلمانوں کے مادی مفاد سے زیادہ دینی اور ملی مفاد تھا وہ دیکھ رہے تھے کہ ملک میں لاکھوں کی تعداد میں مسجدیں ہیں، مراکز ہیں، خانقاہیں ہیں، مقابر ہیں، انہیں چھوڑ کر صرف بلوچستان، سرحد پنجاب اور سندھ پر اکتفا کر لینا بڑی نادانی ہے، واقعہ یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے یہ الہام تھا، اللہ نے انہیں توفیق دی، ایک طرف وہ لوگ تھے جو میدان سیاست میں ملت کی نمائندگی کر رہے تھے دوسری طرف وہ لوگ تھے جو سیاست سے بظاہر دور تھے لیکن ملت کی فکر میں برابر کے شریک تھے، بلکہ ان کے اثرات زیادہ گہرے اور مؤثر تھے ان میں مولانا عبدالقادر رائپوریؒ، حضرت مولانا تھانویؒ، مولانا الیاس صاحب اور مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ کا نام لیا جا سکتا ہے، انہوں نے مسلمانوں کو سنبھالا، مسلمانوں کو دینی وملی سہارا دینے میں سب سے زیادہ ان کا ہاتھ رہا وہ پنجاب کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے، وہاں مہاجرین کے ریلے کو روکنے کا کام ان حضرات نے کیا، مسلمان اس قدر اکھڑ گئے تھے کہ ان کو اس ملک میں اپنا مستقبل بالکل تاریک نظر آرہا تھا، اس وقت یہ لوگ

Scanned by CamScanner

سد سکندری بن گئے، انہوں نے پورے عزم کے ساتھ کہا کہ یہاں سے ہجرت نہیں کرنا ہے ہمیں یہیں رہنا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تاریخی تقریر

انہیں میں مولانا ابوالکلام آزاد بھی ہیں کہ جن کی دلی کی جامع مسجد کی تاریخی تقریر آج بھی روشن منار کی حیثیت رکھتی ہے، انہوں نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں کیا وہ دن بھول گئے، جب گنگا کے کنارے تمہارے قافلے نے وضو کیا تھا، آج تم اس ملک کو چھوڑ کر بھاگنا چاہتے ہو، تمہیں یہیں رہنا ہے، اس تقریر نے بھی قدم جمائے اور مسلمان بھگدڑ سے محفوظ رہے، کتنے ملہم تھے یہ لوگ! کیسے باتوفیق تھے یہ رہنما! انہیں کا طفیل وتصدق ہے، کہ آج ہم ہندوستان میں اپنے حقوق کا خم ٹھونک کر مطالبہ کر رہے ہیں۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے حوصلے بلند ہیں

ہمارے بڑے بڑے ادارے اسی ہندوستان میں ہیں، اصلاحی تحریک کے مراکز ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر اس بھگدڑ میں سب شریک ہو جاتے تو ہمارے عظیم دینی ادارے مندر بن چکے ہوتے وہاں گھنٹے بج رہے ہوتے، جامع مسجد ایک بڑا مندر بن چکا ہوتا، اور نہ معلوم کیا کیا ہوتا، واقعہ یہ ہے کہ یہ صرف اللہ کی توفیق تھی کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد کو کھڑا کر دیا جنہوں نے اس ملک میں مسلمانوں کے قدم جمائے، اللہ نے ان سے کام لیا، تقسیم نے تقریباً ۳۰ لاکھ انسانوں کی جانیں لیں، لیکن اس خون کے دریا سے گذر کر مسلمانوں کو ایک نئی زندگی ملی، پاکستان بھی قائم ہو گیا اور اس ملک میں مسلمان دھیرے دھیرے ترقی کرتے رہے، اور آج ماشاء اللہ مسلمان اس ملک میں اپنا باوزن وجود رکھتے ہیں، ان کے سامنے مستقبل کی امیدیں ہیں وہ حوصلہ

Scanned by CamScanner

مند ہیں، ان کے ارادے اور عزائم بلند ہیں، جب خون کا دریا بہہ رہا تھا اس وقت مسلمان جمے رہے آج کل کے حالات اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔

انتقام کے بدترین وحشیانہ مناظر

مسلمانوں کو چاہئے، مردوں کو، عورتوں کو، لڑکوں کو، لڑکیوں کو کہ ماضی کی تاریخ پڑھ کر مستقبل کے لئے دلوں میں حوصلے پیدا کریں، اور یہ طے کریں کہ انشاء اللہ ہمیں ترقی و حقیقی آزادی کے دیئے جلانے ہیں، چراغ روشن کرنے ہیں، جھنڈے بلند کرنے ہیں، ادارے قائم کرنے ہیں، مراکز وجود میں لانے ہیں، دین کی تعلیم کو عام کرنا ہے، فکر دین کو پھیلانا ہے، دین کے حلقہ میں لوگوں کو سمیٹنا ہے، اور عورتوں، مردوں، بچوں، جوانوں کو روشن مستقبل کے لئے تیار کرنا ہے ماضی کے جب اتنے خطرناک حالات میں مسلمانوں نے کامیابی حاصل کی تو انشاء اللہ ان حالات میں بھی کامیابی ان کے قدم چومے گی۔

اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے

ہمارا دین باقی رہنے کے لئے آیا ہے، دوسرا کوئی دین باقی رہنے کے لئے نہیں آیا، ہمارے نبی ﷺ آخری نبی ہیں، جن سے ہمارا رشتہ جاوداں ہے، ہماری شریعت آخری شریعت ہے، جس کے بعد کسی شریعت و قانون کی گنجائش نہیں ہے، تو ہمیں مایوس نہیں ہونا ہے، شریعت بھی ہماری ہی غالب آئے گی، دین بھی ہمارا غالب آئے گا، اور ملت اسلامیہ کو اللہ تعالیٰ عروج عطا فرمائے گا، یہ کبھی گرتے ہیں تو پھر اُٹھتے ہیں، کبھی ڈوبتے ہیں تو پھر اُبھرتے ہیں، کبھی غروب ہوتے ہیں تو پھر طلوع ہوجاتے ہیں اس امت کا یہی حال رہا ہے۔

توفیق کی دُعا مانگئے

لہٰذا جمہوریت کے اس دن میں آپ کو چاہئے کہ ماضی کو یاد کریں محض حال کا مرثیہ

Scanned by CamScanner

نہ پڑھا کریں، محض شکوہ وشکایت ہی نہ ہو بلکہ یہ طے کریں کہ انشاء اللہ بڑے بڑے عزائم لے کر ہم آگے بڑھیں گے اور اپنی محدود اور چھوٹی سی صلاحیت سے اللہ کی توفیق کی بنیاد پر بڑے کام کریں گے، چھوٹے سے چھوٹا آدمی بھی بڑے سے بڑا کام کر لیتا ہے، وہ اپنے دست و بازو کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ اللہ کی توفیق کی بنیاد پر کرتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ سے اہتمام سے دُعا کرنا چاہئے کہ ہم کتنے ہی حقیر سہی تُو تو بہت بڑا ہے، اگر توفیق عطا فرمائے تو ہم چھوٹوں سے بھی بڑے بڑے کام ہوں گے، جب اللہ سے اس طرح مانگا جائے گا تو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا اور وہ بہت بڑے بڑے کام لے گا، اور ہمارا مستقبل انشاء اللہ روشن ہوگا، اللہ تعالیٰ ہم سب کے لئے ایسی تاریخوں کو بھی مبارک فرمائے اور آئندہ کام کرنے کے سلسلے میں ہمیں عزم دے حوصلہ دے ہمت نصیب فرمائے۔

و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

Scanned by CamScanner

اکابرِ دیو بند اور آزادیٔ ہند

خطیب: حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهُ اللّٰهُ اِلٰى كَافَّةِ لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا، وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا، اَمَّا بَعْدُ!

شیریں ثمر کے حصول پر تبریک

بزرگانِ ملت! علمائے کرام اور عزیز طلبائے دار العلوم!

آج کا مبارک دن ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا، ایک عظیم الشان سلطنت جس کے متعلق مُسلّم تھا کہ اس میں کسی وقت آفتاب غروب نہیں ہوتا اور جس کے بارے میں خود اس سلطنت کے ایک مغرور اور متکبر نمائندہ گلید سلون نے اپنے ایام زندگی میں کہا تھا کہ ہماری سلطنت آج اس قدر طاقت ور ہے کہ اگر آسمان بھی اس پر گرنا چاہے تو ہم اُسے بھی اپنی سنگینوں کی نوک پر روک لیں گے اور وہ ہماری سلطنت کا کچھ بگاڑ نہ سکے گا، وہی سلطنت آسمان کے گرنے سے نہیں محض زمین کے چند ذرّوں کے اُڑنے سے اس سہولت سے ختم ہو رہی ہے تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی، ہم اس انقلاب پر پورے ملک کو مبارک باد کے مستحق ہیں جن کی قربانی اور مساعی نے یہ

شیریں ثمر ہندوستان کے سامنے رکھا۔

اکابرِ ملت اور جہادِ آزادی

ناسپاسی ہوگی اگر اس موقعہ پر ہم ان اکابرِ ملت کی مساعی کا تذکرہ نہ کریں جنہوں نے حقیقتاً اس آزادی کا سنگ بنیاد رکھا اور اس وقت رکھا جب کہ آزادی کے تصور سے بھی اس ملک کے دل و دماغ خالی تھے اور وہ شاہ ولی اللہؒ کے جانباز شاگردوں کی جماعت ہے جو دو سو برس سے اس سعی میں نہ صرف قلم اور روشنائی سے بلکہ شمشیر اور خون سے اس کی راہ نوردی کر رہے تھے، آخر میں ۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریزی اقتدار مکمل ہو کر پوری طرح اس ملک پر چھا گیا تو صرف یہی ایک جماعت تھی، جس نے آزادی کے تصور کو اس ملک میں زندہ رکھا اور بالآخر اسی تصوّر کا سب کو دیوانہ بنا کر چھوڑا۔

۱۸۵۷ء میں بانی دار العلوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ بقول مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اس تصور کے سب سے بڑے حامل اور اس جوش کے سب سے بڑے امین تھے، انہوں نے اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ کی قیادت میں تلوار اُٹھائی اور آزادی کی راہ میں سرفروشی کے ساتھ میدان میں اُترے لیکن وقت مقررہ نہیں آپہنچا تھا اس لئے فتح کا سلسلہ شاملی کی تحصیل تک رہ گیا اور دہلی کے تخت تک نہ پہنچ سکا، ملک آزاد نہ ہوا، لیکن یہ جماعت اپنے تصور سے الگ نہ ہوئی یہ وہ زمانہ ہے کہ اس وقت ہندوستان کی دنیا وفاداری کے جذبہ سے سرشار تھی، انگریزوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے قرآن سے آیاتِ جہاد کو خارج کر دینے کے مشورے اور منصوبے قائم کئے جا رہے تھے، دیوبند کے لمبے کُرتے والے مولویوں کا باغی نام رکھ کر مطعون کیا جا رہا تھا، لیکن یہ جماعت اپنی دُھن میں تھی حضرت مولانا محمد قاسمؒ صاحب اس دُنیا سے گئے تو ان کے صحیح اور سچے جانشین حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہٗ نے جوان کے علم اور نظریات کے جائز وارث تھے، اس پوری جماعت کی

Scanned by CamScanner

سرپرستی کے ساتھ تحریک آزادی اس وقت جاری رکھی جب کہ انگریزی کی مخالفت کا تصور بھی گھروں کے کونوں تک میں نہ تھا، صرف قلم یا زبان کی حد تک بلکہ عمل کے پردوں میں اور عمل بھی معمولی نہیں بلکہ ایسے ہمہ گیر عمل کے ساتھ جس کی لپیٹ میں ہندوستان کی متعدد ریاستیں، اسلامی ممالک، متعدد فرماں روا اور انگریزی فوجوں کے کتنے ہی افسر بھی آگئے اس عمل کا حال ہندوستان سے گذر کر روس کی سرحدوں تک پہنچ گیا، مدینہ منورہ کے گورنر جمال پاشا کے قول کے مطابق:

"شیخ الہند" کی مٹھی بھر ہڈیوں اور مختصر سے ڈھنچے میں کیا حرارت رکھی ہوئی تھی کہ اُس نے پوری دُنیائے اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا"۔

بہرحال ان بزرگوں کا جذبہ اقتدار کے خلاف نہ جاہ ومنصب کے لئے تھا، نہ وزارت کی کرسیوں کے لئے تھا، نہ کسی ایک پارٹی کے اقتدار کے لئے تھا، بلکہ صرف اس لئے تھا کہ ایک جابر قوم کی گرفت سے مظلوم ملک کو نکالا جائے اور حق بحقدار کے طور پر جس کی امانت ہو اسے سپرد کیا جائے۔

شیخ الحدیث دارُالعلوم کی پیشین گوئی

اِن بزرگوں کا بروقت یہی ذکر تھا اور یہی فکر، اسی کے بارے میں پیشین گوئیاں اور مکاشفات تھے اور اسی کے بارے میں عام نظم اور انتظام چھتہ کی مسجد میں یہ سب بزرگ جمع تھے اور انگریزوں کے تسلط اور غیر معمولی طاقت کو دیکھ کر حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ نے فرمایا کہ انگریزوں نے گہرے پنجے جمائے ہیں دیکھئے کس طرح اُکھڑیں گے؟

اس پر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ جو دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے فرمایا:

"حاجی صاحب آپ کس خیال میں ہیں؟ وہ وقت دور نہیں جب کہ ہندوستان صف کی طرح لوٹ جائے گا، کوئی جنگ نہ ہوگی بلکہ حالتِ امن وسکون یہ ملک صف کی

Scanned by CamScanner

طرح پلٹ جائے گا اور انقلاب ہو جائے گا، رات کو سوئیں گے ان کی عملداری میں اور صبح کریں گے دوسری عملداری میں"

لیکن آج دنیا نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ۱۵ر اگست کی رات لوگ حسبِ معمول دس گیارہ بجے سوئے، تو انگریزوں کی عملداری میں تھے، اور جب ۱۵ر اگست کی تاریخ شروع ہوئی تو ٹھیک ۱۲ر بج کر ایک منٹ پر دوسری عملداری تھی، سوئے ایک عملداری میں اور جاگے دوسری عملداری میں۔

آزادیٔ ہند کی جدّ وجہد کی ابتداء صرف مسلمانوں نے کی

میں آج کے جانبازوں کی ناقدری نہیں کرتا لیکن اس سے کسی حالت میں بھی نہیں ہٹ سکتا کہ آج کی آزادی کی تمام مساعی ایک عمارت ہے جس کی بنیاد یہ بزرگ رکھ گئے تھے اور اس لئے میں بانگ دہل کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد صرف مسلمانون نے شروع کی، انہوں نے اسے پروان چڑھایا، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے انگریزوں کے خلاف فتویٰ دیا کہ "ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا"، حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی نے اس فتویٰ کو استعمال کیا اور اس نسخۂ شفا کو خاص ترکیب سے پیا اور پلایا، شیخ الہندؒ نے اسی نسخہ کو معجون مرکب کی صورت میں محفوظ کیا اور اس قابل کر دیا کہ ہر کس و ناکس اسے استعمال کر سکے، چنانچہ وہ استعمال عام شروع ہو کر عام ہو گیا، تحریک خلافت میں بھی نسخہ گو تلخ تھا مگر سب نے استعمال کیا اور بہرحال استعمال عام شروع ہو کر آزادی کا جذبہ مسلمانوں سے گذر کر ابناء وطن تک پہنچا وہ بھی سرگرم ہو گئے اور ہندو مسلمانوں کی انتھک مساعی اور قربانیوں کا ثمرۂ شیریں آج ملک کی آزادی کی شکل میں ہمارے سامنے ہے جس پر ہم ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں اور ان بزرگانِ مرحومین کے لئے دعاءِ خیر کرتے ہیں، جن کی تخم ریزی اور ترڈد سے یہ درخت تناور ہوا اور آج اس کا پھل سب کھا رہے ہیں۔

Scanned by CamScanner

ہندوستان کی آزادی کے عالمی اثرات

ہندوستان کی آزادی تمام دنیائے اسلام کی آزادی ہے اس لئے ہماری مبارکباد کا دائرہ بھی وسیع سے وسیع تر ہے، ملک کی آزادی کی یہ پہلی قسط ہے، اس کی دوسری قسط جون ۴۸ء میں سامنے آنے والی ہے، لیکن ان اکابر مرحومین کا مقصد اس سے بھی آگے ہے، ہمیں آزادی کی دوسری قسط اور پاک نصب العین کی تکمیل کا انتظار بھی کرنا چاہئے، اور اس کے لئے تیار رہنا چاہئے، ابھی کمر کھولنے کا وقت نہیں آیا ہے، ہماری مبارک باد کی مستحق ہندوستان و پاکستان دونوں سلطنتیں ہیں۔

''ہم پاکستان کو مسلمان کی حیثیت سے اور ہندوستان کو وطن کی حیثیت سے مبارکباد دیتے ہیں''

ہندوسانی مسلمانوں کا مستقبل

میں اس تصور کو ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہندوستان میں مسلمان اب ایک معمولی اقلیت کی صورت میں رہ گئے ہیں اور آج کی آزادی میں جہاں ان کے لئے یہ انتہائی خوشی کا مقام ہے کہ انگریز کا دوسو سالہ اقتدار ختم ہوگیا جس کے لئے وہ بے چین تھے۔

ہندوستان کی آزادی کے عالمی اثرات

وہیں اس فکر کا موقعہ بھی ہے کہ ان کی حیات اجتماعی کی اس ملک میں اب کیا صورت ہوگی؟ اس کے لئے انہیں ابھی سے قدم اُٹھانا چاہئے، شریعت مقدسہ کی روشنی میں صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ اپنے شرعی نظام کو قائم کرنے کے لئے اپنے میں سے کسی امام اور متدین امیر کا انتخاب کرکے ہندوستان کی مسلم جماعتیں منتشر رہنے کے بجائے متحد ہوجائیں اور اسلام کے کلمہ پر ایک ہوں ایک امیر کے ماتحت شرعی زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کریں، صرف ظاہری طور پر ایک نہ ہوں بلکہ حقیقی طور پر ایک

Scanned by CamScanner

ہوں، اسی ایک جملہ میں ان کی حیات اجتماعی کی لمبی چوڑی داستان پنہاں ہے ان کے لئے سب سے مقدم یہ چیز ہے کہ ماضی کے واقعات فراموش کر دیئے جائیں، طعن وطنز کا سلسلہ ترک کر دیا جائے ایک دوسرے پر الزام رکھنے کی فکر نہ رکھیں، بلکہ صرف مستقبل کو سامنے رکھ کر اس پر غور کریں کہ انہیں متحد ہو جانے کے لئے اخوت ومساوات کی کتنی تدابیر ہو سکتی ہے جو وہ آج عمل میں لا سکتے ہیں۔

نئے ہندوستان میں وحدۃ جماعت کی ضرورت

میرے خیال میں پہلے سے زیادہ اب وقت ہے کہ ہم متحد ہوں پہلے سے زیادہ اب امکانات ہیں کہ ہم متحد ہو سکیں، وہ پارٹیاں جن پر آویزشوں کی بنیادیں ہیں، اس انقلاب سے منقلب ہو چکی ہیں اور حقیقتاً ہندوستان کے بدلنے سے وہ بھی بدل گئی ہیں اس لئے اب بجائے اس کے کہ ہم نئی پارٹیوں کی بنیادیں رکھ کر اختلاف کی تخم ریزی کریں یہ مناسب بلکہ ضروری ہے کہ وحدت جماعت کا سنگ بنیاد رکھ کر ان تمام مسائل کو حل کریں جو نئے ہندوستان میں پیدا ہو گئے ہیں۔

میں آخر میں مکرر مبارک باد پر جو مسلمانوں کے لئے اور پورے ایشیاء کے لئے ہے اس تقریر کو دعا پر ختم کرتا ہوں۔

آزادیٔ ہند کا خاموش راہنما

(دارالعلوم دیوبند - منتخب مضامین)

خطیب: حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ط اَرْسَلَهُ اللّٰهُ اِلٰى كَافَّةٍ لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا، وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا، اَمَّا بَعْدُ!

آزادی کی خوشی کی تکمیل

آج ۱۵ راگست ۱۹۵۷ء ہے جو ہندوستان کا یومِ آزادی ہے، ملک کا ہر ایک باشندہ خوشیاں منا رہا ہے، اور کوئی شبہ نہیں کہ آزادی سے بڑھ کر خوشی منانے کی اور کوئی چیز ہو بھی نہیں سکتی جبکہ آزادی ہی ہر خوشی کا سرچشمہ ہے، لیکن یہ آزادی ہمیں اچانک نہیں مل گئی، اور آسمان سے بارش کی طرح ایک دم برس نہیں گئی، بلکہ کتنے ہی صبر آزما دنوں، مہینوں اور سالوں، کتنے ہی دار و رسن کے ہنگاموں اور قید و بند کے ہیبت ناک کٹھروں بلکہ کتنی ہی تڑپتی ہوئی لاشوں سے گذر گذر کر یہ آزادی کی دولت ہم تک پہنچی ہے، گو آج کی تاریخ میں آزادی کا پارسل ہمیں بیک دم اور پُر امن طریق پر اچانک شب کے بارہ

بچے موصول ہو گیا لیکن وہ کتنے تاریک سمندروں سے گذرتا ہوا ہندوستان پہنچا، کتنے طوفانوں میں سے نکلا اور کتنی خطرناک خلیجیں اس کی راہ میں حائل ہوئیں، جن کا کتنے ہی آہنی قسم کے انسانون نے مقابلہ کیا، ایسے اہم سوالات ہیں جن سے ہماری تاریخ وابستہ ہے، جسے فراموش نہیں کیا جاسکتا، اس لئے آزادی کی خوشی کے ساتھ اگر ان غموں کی اور غم سہنے والی عظیم المرتبت شخصیتوں کی داستان سامنے نہ لائی جائے جو آزادی کے اوّلین علم بردار تھے تو نہ آزادی کی خوشی ہی مکمل ہو سکتی ہے، اور نہ یوم آزادی کوئی روشن دن ہی بن سکتا ہے، کیونکہ ہماری خوشی کی تعمیر ان ہی کے غموں اور غم خواریوں کی اساس پر کھڑی ہوئی ہے اگر وہ قید و بند اور دار و رسن کا غم نہ کھاتے تو یہ آزادی کی خوشبو ہمارے دماغ تک نہ پہنچتی، اس لئے ہماری خوشی ان کی آزادی خواہانہ روشوں کے تذکرہ کئے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔

آزادی کا ہیرو

ایسی بلند پایہ شخصیتیں کافی تعداد رکھتی ہیں جنہوں نے اپنے اپنے موقعہ پر سرفروشی کے جوہر دکھلائے اور ایثار و قربانی سے گو اپنے کو ختم کرلیا۔

مگر آنے والی نسلوں کے لئے آزادی کی خوشیاں منانے کی فضائیں ہموار کر گئے، ان میں متعدد شخصیتیں آزادی کے ہیرو کی حیثیت رکھتی ہیں جن کے تذکرں سے تاریخ کا دامن بھرپور ہے۔

میں اس موقعہ پر ایک ایسی نامور اور عظیم القدر شخصیت اور اس کی اصولی شاہراہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ جس نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں نہ صرف ذاتی طور پر حصہ ہی لیا اور نہ صرف ایک ہیرو بلکہ امیرِ لشکر و سپہ سالار فوج کی حیثیت سے شاملی کے میدانِ جنگ مین پیش قدمی کی کہ اس میں اور شخصیتیں بھی پیچھے نظر نہیں آتیں بلکہ جنگ کی فتح و شکست کو آنکھوں میں رکھ کر آزادی پسندی اور آزادی خواہی کی ایک ایسی اصولی شاہراہ

ڈال دی جس سے جماعتیں کی جماعتیں آزادی کے میدانوں میں مارچ کرتی ہوئی نظر آنے لگیں، بلکہ دلوں اور دماغوں کی تربیت ہی آزادئ ضمیر، آزادئ زبان وقلم اور آزادئ ملک وملت کے جذبات کی اساس پر ہوتے رہنے کی راہ پڑ گئی اور جو فتح شاملی کا میدانِ کارزار تیغ وسناں سے نہیں پاسکا تھا وہ ان اصول کے ہتھیاروں سے قلم وزبان کے میدان میں نظر آ گئی اور نظر بازوں سے ہمکنار ہو گئی۔

میری مُراد اس سے حضرت اقدس حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ بانئ دارالعلوم دیوبند کی ذاتِ گرامی ہے جو اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ کے دل ودماغ کے اور علماً وعملاً امدادِ الٰہی لسان کی حیثیت سے اولاً شاملی کے ۵۷ء کے میدان میں سامنے آئے، اور اس ہنگامۂ رُست وخیز کے خاتمہ پر انہوں نے علم وعمل کی رونمائیوں کے لئے دارالعلوم دیوبند کی تاسیس کی۔

شاملی کے میدان کی تلافی

گویا شاملی کا میدان اور دارالعلوم کی زمین ایک ہی حقیقت کے دو رُخ تھے، فرق تیغ وسناں اور قلم وزبان کا تھا وہاں تشدّد کے ساتھ آزادئ ملک وملت اور آزادئ مذہب ودین کا نصب العین سامنے تھا اور یہاں عدم تشدد کے ساتھ علمی، اخلاقی اور آئینی رنگ میں وہی منصوبہ پیشِ نظر تھا وہاں اس نصبُ العین کے لئے افراد استعمال کئے جا رہے تھے اور یہاں اس کے افراد بنائے جانے لگے وہاں نام میدانِ جنگ کا تھا اور یہاں نام مدرسہ اور مکتب امن وصلح کا تھا، وہاں قلب ودماغ کے اشاروں پر ہاتھ پیر کام کر رہے تھے اور یہاں براہ راست دل ودماغ نے خود اپنے تصرفات دکھلائے۔

غرض حضرت والا نے میدانِ شاملی کے نتائج پیش نظر رکھ کر دارالعلوم دیوبند کی تاسیس کی اور اس کے اصول اور نظام کار کو ایسے انداز پر اُٹھایا کہ شاملی کے میدان کی تلافی ہو اور جو منصوبہ اس وقت کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکا تھا وہ اب ہو جائے۔

Scanned by CamScanner

سیاسی محکومیت کے ازالہ کی واحد تدبیر

حضرت والاؒ نے دارالعلوم دیوبند بلکہ ۵۷ء کے بعد تمام دینی مدارس کے لئے آٹھ اصول کا ایک دستورِ اساسی مرتب فرمایا جو دارالعلوم کی معنوی تاسیس تھی، اس کی ہشت گانہ دفعات میں اپنے ذہن کا وہ جمہوری نظام جس کو آپ وقت کی پُکار سمجھ رہے تھے، اور جو ایک طرف اگر علاقۂ خواص پر مشتمل تھا تو دوسری طرف اس کی روح رابطۂ عوام تھی، ذہن سے نکال کر کاغذ پر رکھ دیا۔

حضرت والا ان اصول کے راستہ سے قوم کو حکومت وقت اور اُمراء عصر سے بے نیاز کر کے حقِ خود ارادیت اور حقِ خود اختیاری کے ساتھ اپنے قدموں پر کھڑا کرنا چاہتے تھے کیونکہ جو قوم خود اپنی قدرت سے قادر نہ ہو وہ ہمیشہ دوسروں کے رحم وکرم پر جیتی ہے اور وہ جینا زندگی نہیں، موت بصورتِ حیات ہے۔

حضرت نے ۱۸۵۷ء کے بعد بھانپ لیا تھا کہ اگر قوم میں ملک وسیاست کے ساتھ علم واخلاق اور ذہن وفکر میں بھی حقِ خود ارادیت باقی نہ رہا تو اس قوم کی بنیاد ہی منہدم ہو جائے گی، اور وہ کبھی بھی اجتماعی طور پر خود اختیار بن کر نہ اُبھر سکے گی، اس لئے حضرت والا کے نزدیک قوم کی سیاسی محکومی اور اجتماعی غلامی کے ازالہ کی واحد تدبیر ہی یہ تھی اور واقعۃً یہی تھی کہ قوم کو علم ودین کے راستہ سے اجتماعیت کی لائنوں پر ڈال دیا جائے۔

اور یہ جب ہی ممکن تھا کہ تعلیم وتربیت کے نظام کو شخصیاتی لائن کے بجائے جماعتی اصول پر قائم کیا جائے تا کہ ایک طرف تو عوام کی قوت اس کے ساتھ ہو جائے اور دوسری طرف اس تعلیم اور نظمِ تعلیم کے پروردوں میں دینی حدود کے ساتھ جمہوری تنظیم کا مذاق پیدا ہو جائے۔

حضرت والا دل کی آنکھ سے دیکھ رہے تھے کہ زمانہ عوام کو اُبھارنے والا ہے حکمرانی کی قوتیں عوام کی طرف منتقل ہونے والی ہیں، اگر یہ صورتِ حال خود رَو طریق پر ہوئی تو

Scanned by CamScanner

اس عوامیت میں لادینی کے جراثیم کارفرما ہو جائیں گے جس سے اس دین شعار قوم کی حقیقی بنیادیں ہی ختم ہو جائیں گی اور اس کا قومی وجود ہی سرے سے باقی نہ رہے گا۔

اس لئے آپ نے اس ادارہ میں تعلیم تو خالص دین کی جاری فرمائی اور نظام تعلیم یعنی نظم ادارہ کے اصول اجتماعی اور جمہوری رنگ کے رکھے تاکہ دین اور نظم دونوں کے مجموعہ سے قوم میں دینی خود اختیاری قوت پیدا ہو جائے کہ "اَلْمُلْکُ وَالدِّیْنُ تَوْاَمَانِ" (ملک اور دین دو۲ جڑواں بچے ہیں) ایک سے دوسرا جدا نہیں ہو سکتا۔

جہادِ شاملی کے رُخ کی تبدیلی

حضرت والا کے ان اصولِ ہشت گانہ کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اصول لکھتے وقت آپ گویا شاملی کے میدان میں کھڑے ہوئے ہیں، قوم کی ہزیمت وشکست کا منظر آپ کے سامنے ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ حکومتِ متسلطہ شکست خوردہ قوم کے حقوقِ آزادی کو کچل رہی ہے اور اس کے بنیادی تشخص اور حقِ خود ارادیت کو اور ساتھ ہی اس کے مذہب اور قومی بنیادوں کو جن پر اس کی قومی شخصیت کی عمارت کھڑی ہوئی ہے پامال کرنے پر تلی ہوئی ہے جیسا کہ اس کی تفصیلات سوانحِ قاسمیؒ میں ملیں گی جن کا سلسلہ ۵۷ء سے پہلے شروع ہو چکا تھا۔

حضرت والا نے ۵۷ء کی شکست کے بعد محسوس کیا کہ اب تلوار سے تلوار کے مقابلہ کا وقت نہیں ہے تو آپ لوہے کی تلوار میان میں رکھ لیتے ہیں اور تعلیمی لائن کے ہتھیار میان سے نکال کر میدانِ مقابلہ میں آجاتے ہیں، گویا شاملی کا جہاد ابھی ختم نہیں ہوا، صرف رُخ بدلا ہے اور ہتھیاروں کی نوعیت تبدیل ہوئی ہے۔

اس ٹھنڈے مقابلہ کا پہلا قدم قدم کی سنبھال اور رکھوالی تھی جب کہ اُسے ناتربیتی اور لاتعلیمی ہی کی وجہ سے شکست اور ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑا تھا، اس لئے اس جذبہ اقدام میں تعلیم وتربیت کے راستہ سے قدیم ناتربیتی اور لاتعلیمی کے اثرات زائل کرنے

Scanned by CamScanner

تھے، احساسِ کمتری کو دلوں سے دُور رکھنا تھا تاکہ حوصلوں میں فرق نہ آجائے۔

آزاد نظام برپا کرنے کا فیصلہ

دوسرا قدم دین کی اخلاقی تربیت، صفائی قلب، پاکیزگی نفس اور جذبات حب فی اللہ اور بغض فی اللہ سے قوم کی تعمیر تھی تاکہ آزادی ضمیر کی روح اس میں مستحکم ہو جائے، اور تیسرا قدم علم و عمل اور اخلاق کے ان سانچوں میں حریتِ نفس اور آزادیٔ ملک وملت کے ایسے جذبات کا رنگ بھرنا تھا جن میں فکر و بصیرت کے ساتھ اخلاص وایثار اور قوم پروری کی روح دوڑ رہی ہو۔

دار العلوم کے یہ بُنیادی اصول اجتماعی روح کے ساتھ حضرت نے اس وقت وضع فرمائے جبکہ نئے تسلّط واقتدار کے زیر اثر سربرآوردگانِ مملک، عوام کے جذبات سے الگ ہو کر طاقت متسلّطہ کی گود میں اپنے کو ڈال رہے تھے ''حرّیت کاری'' کے بجائے ''وفاداری'' کا خمار خود سَروں میں بھر چکا تھا اور قومی رشتے حکومتی رشتوں پر بھینٹ چڑھائے جا رہے تھے، حضرت نے اس وقت اِن آٹھ اصول کے راستہ سے استغنائی رنگ میں اس ادارہ کی بُنیاد رکھی اور اس علمی تنظیم سے خواص کے ذریعہ عوام کو اُبھارنے اور مضبوط بنانے کا پرواز ڈالا، اور ملک کے اُونچے طبقہ سے ہٹ کر جو حکومت کی گود کی طرف بڑھ رہا تھا، ایک آزاد نظام برپا کرنے کا فیصلہ ان اُصول کے راستہ سے کرلیا۔

ان اصول اور ان کے بنائے ہوئے علمی اداروں یعنی دار العلوم دیوبند اور اس کی فروعات سے ملک کی علمی اور دینی خدمات کیا ہوئیں؟ اور ۱۸۵۷ء کے بعد ملک کے ایک ایک کونے بلکہ پوری دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں علم واخلاق اور قال اللہ و قال الرسول کی روشنی کس حد تک پہنچی اور پھیلی؟

اس تحریر میں میرا موضوع بحث نہیں، میری غرض صرف یہ ہے کہ اس کے علاوہ اجتماعی لائنوں میں ان اصول نے کیا اثر دِکھلایا اور اس دار العلوم سے علمی تنظیم کی صورت

Scanned by CamScanner

سے اجتماعی رجحانات اور ان کے عملی نتائج کس حد تک ظاہر ہوئے؟

خاموش راہنمائی کے آٹھ اصول

سوان کا اجمالی خاکہ سامنے لانے کے لئے پہلے ان اصول ہشت گانہ کا متن پڑھئے اور پھر ان کے پیدا کردہ ذوق اور ذوق سے پیدا شدہ عملی آثار کو دیکھئے۔

اصول کا متن جو حضرت والاؒ کے قلم کا لکھا ہوا، خزانہ دار العلوم میں محفوظ ہے حسب ذیل عنوان سے شروع ہوتا ہے۔

وہ اصول جن پہ یہ مدرسہ اور نیز اور مدارسِ چندہ مبنی معلوم ہوتے ہیں

اس عنوان کے نیچے حسب ذیل آٹھ اصول قلم بند فرمائے گئے ہیں :

(۱) اصل اول یہ ہے کہ تامقدور کارکنانِ مدرسہ کو ہمیشہ تکثیر چندہ پر نظر رہے، آپ کوشش کریں اوروں سے کرائیں، خیراندیشانِ مدرسہ کو یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے۔

(۲) ابقاء طعام طلبہ مل کر افزائش طعام طلبہ میں جس طرح ہو سکے خیر اندیشان مدرسہ ہمیشہ ساعی تر رہیں۔

(۳) مشیرانِ مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور اسلوبی ہو، اپنی بات کی پچ نہ کی جائے، خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی کہ اہل مشورہ کو اپنی مخالفتِ رائے اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہو تو پھر اس مدرسہ کی بناء میں تزلزل آجائے گا، القصہ تہ دل سے بروقت مشورہ اور نیز اس کی پس وپیش میں اسلوبیِ مدرسہ ملحوظ رہے، سخن پروری نہ ہو اور اس لئے ضروری ہے کہ اہل مشورہ اظہار رائے میں کسی وجہ سے متامل نہ ہوں اور سامعین بہ نیت نیک اس کو سنیں یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات سمجھ میں آجائے گی تو اگرچہ ہماری مخالف ہی کیوں نہ ہو بدل وجان قبول کریں گے، اور نیز اسی وجہ سے یہ ضروری ہے کہ مہتمم امور مشورہ طلب میں

اہل مشورہ سے ضرور مشورہ کیا کرے، خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ مشیر مدرسہ رہتے ہیں، یا کوئی وارد وصادر جو علم وعقل رکھتا ہو اور مدرسوں کا خیر اندیش ہو اور اسی وجہ سے ضروری ہے کہ اگر اتفاقاً کسی وجہ سے کسی اہلِ مشورہ سے مشورہ کی نوبت نہ آئے اور بقدر ضرورت اہل مشورہ کی مقدار معتد بہ سے مشورہ کیا گیا ہو تو پھر وہ شخص اس وجہ سے ناخوش نہ ہو کہ مجھ کو کیوں نہ پوچھا، ہاں اگر مہتمم نے کسی سے نہ پوچھا تو پھر ہر اہلِ مشورہ معترض ہوسکتا ہے۔

(۴) یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسینِ مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علماء روزگار خود بین اور دوسروں کے درپے توہین نہ ہوں خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی تو پھر اس مدرسہ کی خیر نہیں۔

(۵) خواندگی مقررہ اس انداز سے جو پہلے تجویز ہو چکی ہے یا بعد میں کوئی اور انداز مشورہ سے تجویز ہو پوری ہو جایا کرے ورنہ یہ مدرسہ اول تو خوب آباد نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو بے فائدہ ہوگا۔

(۶) اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں جب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی جیسے جاگیر یا کارخانۂ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف ورجاء جو سرمایۂ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امداد غیبی موقوف ہو جائے گی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہو جائے گا، القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔

(۷) سرکار کی شرکت اور اُمراء کی شرکت بھی مضر معلوم ہوتی ہے۔

(۸) تا مقدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے چندہ سے اُمید ناموری نہ ہو بالجملہ حسنِ نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔

Scanned by CamScanner

جمہور کا ادارہ اور عوام سے رابطہ

ان اصولِ ہشت گانہ کی رُو سے حضرت والاؒ نے:

(۱)___ سب سے پہلے اس ادارہ کو عوامی اور جمہوری قرار دیا اور اس کی کفالت کا بار عوامی چندوں پر رکھا تا کہ یہ ادارہ سرکاری یا کسی مخصوص پارٹی کا کہلانے کے بجائے جمہوری اور عوامی کہلائے، پھر اس کی ضروریات کی اپیل بھی براہِ راست عوام ہی سے رکھی جس کا سلسلہ واسطہ بلا واسطہ قائم رکھنے کی ہدایت فرمائی تا کہ کسی وقت بھی ادارہ عوام اور جمہور سے مستغنی نہ ہو اور عوام کی توجہ کسی آن ادارہ سے ہٹنے نہ پائے، ساتھ ہی تکثیر چندہ کی مساعی جاری رکھنے کی بھی تلقین فرمائی جس کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی تا کہ جس رفتار سے چندہ بڑھے اسی رفتار سے ادارہ کا حلقۂ اثر بھی وسیع ہوتا چلا جائے اور زیادہ سے زیادہ عوام کا رابطہ اس سے قائم ہوتا رہے۔

یہی علماء ۱۸۵۷ء کے بعد ان اصول کے زیرِ سایہ اس خلوت گاہوں میں برائے چندے خاموش بیٹھ گئے تھے وہ بالآخر انہیں کی جلوت گاہوں میں اس شان سے اچانک نمایاں ہوئے کہ چارو ناچار ان کے کارآمد ہونے کو تسلیم کرلیا گیا اور پھر عوامی تحریکات اکثر و بیشتر انہیں کی قوت کے ہاتھوں چلیں اور آگے بڑھیں۔

عدمِ تشدد کے راستہ سے انقلاب کا ذہنی خاکہ

ان اصول کے زیرِ اثر تربیت پانے والے علماء بالآخر آزادئ ملک کا جھنڈا لے کر سب سے پہلے سامنے آئے اور جو کام شاملی کے میدان میں تلواروں سے پورا نہ ہوسکا تھا وہ امن کی زبان و قلم سے پورا ہوگیا۔

مولانا محمد یعقوب صاحبؒ صدر مدرسِ اول دارالعلوم دیوبند نے جو مسجد چھتہ کے عناصر اربعہ میں سے ایک عنصر تھے، حاجی محمد عابد صاحبؒ کے اس خلجان کے

ذکر پر کہ ''اب ہندوستان کی حکومت انگریزوں جیسی مد برقوم کے ہاتھ میں آ گئی ہے اور ان کے پنجے ایسے جم گئے ہیں کہ اب وطن کا استخلاص بظاہر ممکن نظر نہیں آتا''

ارشادفرمایا :

''حاجی صاحب! آپ کیا فرمار ہے ہیں؟ ہندوستان صف کی طرح لوٹ جائے گا لوگ سوئیں گے انگریزوں کی حکومت میں اور صبح کو جاگیں گے دوسری حکومت میں''

یعنی تشدد اور تلوار کے راستہ سے نہیں جو حکومتوں کے لوٹنے کا متعارف اور واحد طریقہ سمجھا جاتا ہے بلکہ امن اور عدمِ تشدد کے راستہ سے یہ لوٹ پوٹ عمل میں آئے گی جس سے واضح ہے کہ یہ بزرگ ۵۷ء کے بعد ہی سے عدمِ تشدد کی راہ سے انقلاب کا خاکہ ذہنوں میں لئے ہوئے تھے اور حضرت نانوتویؒ نے اس خاکہ کو ان اصولِ ہشتگانہ کی دفعات میں تعلیمی رنگ سے بھر دیا جس کو اس وقت کے ماحول میں اپنے بیگانے سمجھے ہوئے تھے اور بقول صاحبِ سوانح مخطوطہ مخالف بھی معقول اور مؤثر تسلیم کر چکے تھے۔

یورپ کے مشاہدات میں حضرت نانوتویؒ کے اصول کی قدر و قیمت

اس مختصر مضمون کی حد تک میرا یہ موضوع نہیں ہے کہ ملک کی آزادی میں ان علمائے آخرت کا کتنا اور کیا کیا حصہ تھا؟ اسے پوری بالغ نظری کے ساتھ مولانا محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ناظم جمعیۃ علمائے ہند نے اپنی مشہور تصنیف ''علمائے ہند کا شاندار ماضی'' میں تاریخی حوالوں سے کھول دیا ہے، نیز دوسرے اہلِ قلم بھی اس موضوع پر کافی تحریری سرمایہ فراہم کر چکے ہیں، تاہم اتنا کہے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ ملک کے استخلاص اور آزادی کا یہ نیا نقشہ انہی مجاہدین شاملی نے بنایا اور ۵۷ء کے بعد ان کے پیشرو حضرت اقدس مولانا نانوتویؒ تھے جن میں یہ جوش امتیازی شان سے اُبھرا ہوا تھا اور انہوں نے اپنے اس جوش کو ہوش کی شکل دے کر آئینی رنگ سے ان اصولِ ہشت گانہ کے اساسی نظام میں بھر دیا تھا، جو اس اقامتی تربیت گاہ (دارالعلوم دیوبند) کے لئے آپ

نے وضع فرمائے۔

دار العلوم کے ان فضلاء کے ذریعہ جنہوں نے ان اصول کے زیر سایہ تربیت پائی یہ رنگ ملک میں پھیلنا شروع ہوا، یہاں تک کہ ملک کے ایک بڑے طبقہ کا جو عوام پر اثر رکھتا تھا ذہن ہی یہ بن گیا اور عوامی رابطہ کی وہ عمومیت یا جمہوریت جو ان اصول میں پنہاں تھی ان تربیت یافتوں کے راستہ سے سو برس پہلے کی ہنڈیا کا اُبال چھلکا تو چولہے کے گرد و پیش چاروں ہی سمتوں کو تر کر کے رہا۔

مولانا عبید اللہ مرحوم سندھیؒ فرمایا کرتے تھے جس کو احقر نے خود بلا واسطہ سے سُنا کہ ”میں نے حضرت نانوتویؒ کے اصول کی قدر و قیمت یورپ جا کر سمجھی، بالخصوص یورپ و ایشیا کے متعدد انقلابات کی بنیادوں کو میں صرف انہی اصول کی روشنی میں پا سکا ہوں اور میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر میں ان اصول کی شرح لکھنے بیٹھ جاؤں تو دو ضخیم جلدیں تیار کر دوں“

رئیس الاحرارؒ کا غایتِ تاثر

رئیس الاحرار مولانا محمد علی مرحوم ۱۹۲۴ء میں جب بسلسلۂ تحریکِ خلافتِ دیوبند تشریف لائے اور احقر ہی کے مکان پر حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے مہمان کی حیثیت سے فروکش ہوئے تو حضرت کے ان اصول ہشت گانہ کو دیکھ کر جو دار العلوم کا سنگِ بنیاد ہیں رو پڑے اور غایتِ تاثر سے بے ساختہ فرمایا کہ:

”یہ اصول تو الہامی معلوم ہوتے ہیں ان کا عقل محض سے کیا واسطہ؟“

چنانچہ ان اصول کی دفعات میں نتائج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت نانوتویؒ کے قلم سے بھی باوجود ذوقِ اخفا کے جگہ جگہ یہ الفاظ نکل گئے ہیں کہ ”یوں معلوم ہوتا ہے“ اور ”یوں نظر آتا ہے“ اور ”ایسا ہو جائے گا“ وغیرہ جو ان اصول کے الہامی ہونے کی گویا خود صاحبِ اصول کی طرف سے بھی شہادت ہے۔

Scanned by CamScanner

انقلاب ۴۷ء کے اوّلین ہیرو

بہر حال ان اصول کی روشنی میں جو کچھ ہوا اس پر ۱۹۴۷ء شاہد ہے، اور اس انقلاب ۱۹۴۷ء کے اوّلین ہیرو قدرتاً وہی سمجھے جا سکتے ہیں جو ۱۹۵۷ء میں بھی اسی اسٹیج پر تھے، جس پر آزادی خواہ، طبقے بعد میں آئے اور ۱۸۵۷ء کے بعد بھی اپنے اساسی اصول وعمل کی راہ سے اسی اسٹیج پر رہے۔

بہر حال حضرت نانوتویؒ نے اگر ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کے لئے یہ دار العلوم قائم کیا تھا جیسا کہ حضرت شیخ الہندؒ کا مقولہ اس بارے میں معروف ہے اور رسالہ دار العلوم مین شائع ہو چکا ہے، تو حقیقت یہ ہے کہ اس ادارہ اور اس کے اصولِ تربیت نے یہ تلافی کر دکھائی اور زیادہ نہیں صرف نوے سال کی مدت میں جو ایک ملک کی نہیں بلکہ ایک فرد کی عمر ہوتی ہے ایک عظیم ترین طاقت کو جو ۱۸۵۷ء میں ایک ملک کے جائز حقدار کو پامال کر چکی تھی، ۱۹۴۷ء میں مسکینانہ ضعف اور مظلومانہ فروتنی سے نیچا دیکھایا، صف کی طرح ہندوستان لوٹ گیا، ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کی شب میں لوگ سوئے انگریزوں کی حکومت میں اور صبح کو جاگے قومی حکومت میں اور اسی طرح ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی ہوگئی، گو متسلطہ طاقت نے جاتے جاتے بھی آزادی کے نقشہ کو بگاڑ دینے کے کافی سامان فراہم کر دیئے، جن کا بگاڑ کافی نمایاں ہوا اور ابھی تک ہے لیکن جن اصول کی صداقت نے اصل نصب العین کو رونما کیا تھا انہیں اصول کی صداقت اس بگاڑ کے دفعیہ کی بھی کفیل ہو سکتی ہے، بشرطیکہ ان اصول پر اسی سابقہ رنگ سے عمل کیا جائے۔

پھر اصول ہی نہیں مدرسہ کے عملی پروگرام کی تشکیل میں بھی حضرت والا نے وہی ''تلافی'' والا نصب العین پیش نظر رکھا، آپ نے ایک طرف فنِ سپہ گری کی مشق کا شعبہ طلبہ کے لئے بہ تقاضائے وقت ضروری سمجھا، جس سے طلبہ میں جہاد کی قوت قائم رہے، اور اعلاء کلمۃ اللہ کا جذبہ پائیدار ہوتا رہے، اس میں بعض لوگوں نے یہ اعتراض

Scanned by CamScanner

بھی کیا کہ یہ مدرسہ عربیہ کیا ہوا، مدرسہ حربیہ ہوگیا تو حضرت والا نے بقول صاحب سوانح مخطوطہ اس پر مبسوط تقریر فرمائی اور عصری اور شرعی تقاضوں کو جواب میں پیش کیا۔

عدالتِ شرعیہ کا قیام

دوسری طرف قومی محکمۂ قضا قائم فرمایا تاکہ مدرسا اپنے متعلقین متعلقین اور حلقۂ اثر میں عدل وقسط اور انصاف پسندی قائم رکھنے کے ساتھ ان میں اپنے باہمی جھگڑوں کو خود نمٹانے اور شرعی اصول کو ہر معاملہ میں حکم بنانے کا سلیقہ اور جذبہ اُبھرا رہے، چنانچہ سوانح مخطوطہ کے مصنف نے اس تحریری معاہدہ کا ذکر کرتے ہوئے جس میں اہل دیوبند سے آپ نے مختلف معاشرتی امور کے بارے میں عہد کرایا، ایک دفعہ یہ بھی ذکر کی ہے کہ:

"کوئی مقدمہ یا معاملہ جس میں فریقین مسلمان ہوں سرکاری کچہری میں نہ جاوے اور اس کے حاکم مولانا محمد قاسمؒ صاحب تھے"

چنانچہ سینکڑوں مقدمات جو برسہابرس سے کچہریوں کی دفتری طوالتوں میں اُلجھے پڑے تھے، منٹوں میں فیصل ہونے لگے، یہ شرعی کچہری چھتہ کی مسجد میں قائم ہوئی، معاملات اور مقدمات کی تعداد جب زیادہ ہونے لگی تو فصلِ خصومات کا یہ کام مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ صدر مدرس دار العلوم کے سپرد فرمایا گیا، اور انہیں کو مستقل قومی قاضی قرار دیا گیا، اور جب اس سلسلہ کا کام بڑھا تو اسی نسبت سے دیوبند کی سرکاری منصفی کی رونق گھٹنی شروع ہوگئی، اور یہی مقصد بھی تھا کہ مسلط قوت کا اثر ورسوخ ہر سمت سے کم اور کمزور ہوتا چلا جائے۔

دار العلوم میں صنعت وحرفت کے شعبہ کا مقصد

اسی کے ساتھ حضرت والا نے دار العلوم میں صنعت وحرفت کا شعبہ بھی قائم فرمایا کہ سوانح مخطوطہ میں اس کا تذکرہ موجود ہے، تاکہ ادارہ کے فضلاء معاشی ضروریات میں خود کفیل بن سکیں۔

Scanned by CamScanner

بظاہر یہ مقابلہ تھا اس رد کا کہ اس وقت کی تعلیم کا انتہائی نقطہ ملازمت تھا، اور وہ بھی سرکاری جس کا مآل اس کے سوا دوسرا نہیں ہوسکتا تھا کہ اسکولی اور کالجی تعلیم سے لوگ سرکاری ملازمت کرنا سیکھیں اور اس ملازمت سے اپنی غلامی کی جڑوں کو مضبوط بنائیں، اس کارِ دعمل صحیح معنی میں یہی ہوسکتا تھا کہ لوگ اس غلامی آموز تعلیم سے ہٹ کر اس تعلیم میں لگیں جو غناء و استغناء کا جوہر پیدا کرے اور جہاں تک معاش کا تعلق ہے سرکاری ملازمتوں سے الگ رہ کر صنعت وحرفت یا قومی ملازمت سے اپنے گزر بسر کا سامان کریں۔

دار العلوم کے ذریعے ''ہندو مسلم'' کا پرواز

ایک طرف دار العلوم کے چندوں کا دائرہ اتنا وسیع رکھا گیا کہ ان میں غیر مسلم بھی شریک ہوسکیں، چنانچہ دار العلوم کی ابتدائی روداد میں بہت سے ہندوؤں کے چندے بھی لکھے ہوئے ہیں۔

حضرت والاؒ کی تجویز پر یہ بھی تحریک کی گئی کہ ملک کے تمام مطابع اور پریس بلا تفریقِ مذہب وملت اپنی مطبوعات کا ایک ایک نسخہ کتب خانہ دار العلوم کو عنایت کریں۔

چنانچہ سب سے پہلے اس صدا پر لبیک کہنے والی شخصیت ایک ہندو کی تھی اور وہ منشی نول کشور مالک مطبع نول کشور لکھنؤ تھے، جنہوں نے اپنے پریس کی تمام مطبوعات کا ایک ایک نسخہ دار العلوم میں بھیجا، جس پر دار العلوم کی جانب سے ان کے حق میں شکریہ د دعاء کا ہدیہ پیش کرنے کے لئے دار العلوم کی مجلسِ شوری منعقد ہوئی، جس میں حضرت نانوتویؒ قدس سرہٗ بھی شریک تھے اور شکریہ کی ایک مستقل تجویز پاس کر کے ان کے پاس بھیجی گئی جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت والا اس ادارہ کو عوامی نہیں بلکہ ایک ایسا ہمہ گیر ادارہ بنانا چاہتے تھے، جس میں غیر اقوام کی ہمدردیاں بھی شامل ہیں، گویا ہندو مسلم اتفاق کا پرواز بھی ڈال دیا گیا۔

دار العلوم میں بین الاقوامیت کا عنصر

بلکہ سوانح مخطوطہ کی تصریحات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت والا اس دار العلومی تحریک کو نہ صرف ملک گیر ہی بنانا چاہتے تھے، جس میں اس ملک کی ہر قوم کی ہمدردیاں اس ادارہ اور اس کی تحریک کے لئے حاصل ہوں بلکہ اسے عالمگیر بھی دیکھنا چاہتے تھے اور اس علمی حلقہ کا رشتہ بیرونی ممالک کے مسلمانوں اور ان کی حکومتوں سے بھی جوڑنا چاہتے تھے، چنانچہ ترکی کی خلافت (جو اس وقت پورے عالم اسلامی پر اثر رکھتی تھی) سے انتہائی شدومد سے اپنے تعلقات کو دینی اور علمی حیثیت سے وابستہ فرمایا، سلطان عبد الحمید خان والی ترکی کی مدح میں قصائد لکھے اور ہندوستانی مسلمانوں کو ان کی ہمدردی پر ابھارا، حتی کہ جب ترکی کی جنگ روس سے ہوئی تو حضرت والا نے ترکی کے لئے چندہ شروع کیا اور اپنے گھر کا سارا اثاثہ، اپنی اہلیہ محترمہ کا تمام جہیز، کپڑا، زیور، برتن سب کچھ ترکوں کی حمایت کے لئے قربان کر دیا۔

تنظیم ملت کا نیا خاکہ

اس سے اندازہ کر لیا جائے کہ اس دار العلوم کی تحریک کا مرکب نصب العین صرف تعلیم ہی کی حد تک محدود نہ تھا، بلکہ اس کے ضمن میں آزادی پسندی، غلامی شکنی، اسلامی اتحاد وطنی اتحاد، قومی خود مختاری، حق خود ارادیت، معاشی استغناء وسائل قوت کی فراہمی، رابطۂ عوام، تالیف خواص وغیرہ کے ملے جلے جذبات کارفرما تھے۔

اور دار العلوم کی تاسیس ایک خاص مکتب فکر کی تاسیس تھی جیسا کہ حضرت والا کے اصول ہشت گانہ اور جاری کردہ نظام کار سے واضح ہے۔

حاصل یہ ہے کہ آپ اس مدرسہ کے کارکنوں اور پروردوں میں استغناء کی روح پھونکتے ہوئے انہیں حکومت وقت سے بے پرواہ اور قوم کے غریب افراد اور عوام سے

Scanned by CamScanner

زیادہ سے زیادہ مربوط فرمانے کی راہ ڈال رہے تھے ورنہ کثیر چندہ اور وہ بھی زیادہ تر غرباء سے، پھر افزائشِ طعام طلبہ کی سعی جو قوم کے غریب بچے ہی ہو سکتے تھے اور ادھر حکومت وقت کی امداد سے کلی استغناء بلکہ ممانعت اور امراء اور جاگیرداروں پر تکیہ کر کے ان کے فخور انہ عطیات سے اعراض کا مطلب آخر اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ حکومت وقت کے علی الرغم رابطۂ عوام کو مستحکم اور مضبوط کیا جائے تاکہ ملک کے عوام اس مدرسہ کو اپنی چیز سمجھیں اور اس کے مقاصد سے ہم آہنگ ہو کر اپنی عوامی طاقت سے انہیں آگے بڑھائیں ورنہ محض درس و تدریس کی حد تک تنظیمِ ملت کے اس نئے خاکہ کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی تھی؟

پھر اگر محض مذہبی تعلیم و تعلم ہی نصب العین کی آخری حد تھی تو مدرسہ میں فن سپہ گری کے شعبہ کے قیام کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی تھی جسے حضرت والا نے اہتمام کے ساتھ خود قائم فرمایا، نیز محض مذہبی تعلیم ہی پیشِ نظر ہوتی تو حضرت والا صنعت و حرفت کا شعبہ اس مدرسہ میں قائم نہ فرماتے جو خالص معاشی مسائل سے تعلق رکھتا ہے، پھر اگر یہ محض ایک مذہبی مکتب تھا تو حضرت والا شرعی محکمۂ قضا قائم فرما کر اعضاء مدرسہ کو اس کا جج مقرر نہ فرماتے جو خالص ایک سیاسی مسئلہ تھا، اسی طرح صرف مذہبی تعلیم ہی کا خاکہ مدرسے کے کاروبار کی آخری حد ہوتی تو مدرسہ کے چندہ دہندوں میں غیر مذہب کے لوگوں کے عطیات شامل کئے جانے کا کوئی تصور سامنے آنا چاہئے تھا، نہ ہندو مسلمانوں کے بلا تخصیص مذہب و ملت چندے قبول کئے جاتے اور نہ ہندو چندہ دہندگان کی دُعا و شکریہ سے ہمت افزائی کی جاتی، پھر اگر کاروبار مدرسہ کی انتہائی غرض محض کتابی درس و تدریس تھی تو حضرت والا اس مدرسہ کے سرپرست اور ہمہ اوست ہوتے ہوئے سلطانی چندہ کی بنیاد ڈال کر اور خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالحمید خان والیٔ ترکی کی مدح میں قصائد لکھ کر خلافت ترکی سے رشتہ ارتباط قائم کرنے کی صورتیں پیدا نہ فرماتے، گویا آپ نہ صرف ملک کی اندرونی اقوام ہی سے رشتۂ یگانگت قائم فرمانے کے داعی تھے،

بلکہ بیرون ملک سے بھی رشتہ اتحاد کا سلسلہ پھیلانا چاہتے تھے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ مدرسہ محض کتب درسی کی تعلیم کا مدرسہ نہ تھا بلکہ حضرت اُسے ایک ملی جلی تحریک کے مرکز کی حیثیت سے قائم فرمارہے تھے، جن کے نظامِ کار میں علم وعمل، معاش ومعاد، قوم ووطن اور دین ومذہب کی حمایت ونصرت کے ملے جلے جذبات ایک دم پیشِ نظر تھے جو حضرت والاؒ کے وسیع اور ہمہ گیر ذہن سے نکل کر اس مدرسہ کی بنیادوں میں پیوست ہوئے اور اس کے اثرات تعلیمی راہوں سے اس ادارہ کے تربیت یافتہ فضلاء متوسلین میں حسبِ استعداد وقابلیت نفوذ پذیر ہوتے رہے۔

قیامِ دارالعلوم کا بنیادی محرک

بہر حال دارالعلوم کے یہ اساسی اصول اور اس کا نظامِ کار اس ہمہ گیر حکمتِ عملی اور وسیع نظام کی غمازی کر رہا ہے جو حضرت نانوتویؒ ۱۸۵۷ء کی شکست کے بعد شاملی کے میدان سے لے کر آئے اور اس کی ناکامی کی تلافی کے لئے بقول حضرت شیخ الہندؒ یہ مدرسہ قائم فرمایا، غور کیا جائے تو یہ اس امانت کی ادائیگی تھی جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حضرت سید احمد شہید بریلویؒ سے حضرت شاہ عبدالرحیمؒ میں اور ان سے بواسطہ حضرت میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانویؒ، حضرت حاجی امداد اللہؒ تک منتقل ہوئی اور حاجی صاحبؒ کے لوگوں میں بالآخر پوری قوت کے ساتھ حضرت نانوتویؒ کے قلب ودماغ کا جوہر بن گئی جنہیں حاجی صاحبؒ نے اپنی زبان اور اپنے مقاصد کا ترجمان فرمایا تھا جیسا کہ اس کی تفصیلات سوانح قاسمی میں دیکھی جاسکتی ہیں، اس لئے حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے ہجرت کر جانے کے بعد ان کے ترجمانِ خاص ہی سے ان جذبات کے بقاء وترویج اور اظہار واعلان کی توقع ہو سکتی تھی اور وہی ایسے ہمہ گیر ادارہ کے اصول ونظم کا تصور باندھ سکتے تھے۔

Scanned by CamScanner

اصولِ آزادی کی امین شخصیت

بہر حال ان اصول ہشت گانہ کے مرکب نصب العین کی یہی وہ اصولی اور عملی خصوصیات ہیں جن کی مادّی اور معنوی شکل کا نام دارالعلوم دیوبند ہے اور جس نے بالآخر ۱۸۵۷ء کی پسپائی کی موعودت تلافی کر دکھائی اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ بالآخر دنیا اس کے نصب العین پر آ کر رہی اور آزادی ملک وملت کے لئے جو خاموش راہنمائی اس نے کی وہ اشتہاروں، پوسٹروں، رسالوں اور اخباروں اور عمومی پروپیگنڈوں کے شورِ محشر میں نظر نہیں آتی۔

اس لئے اس یومِ آزادی کے موقع پر جب کہ دُنیا مختلف اندازوں سے اس کی یاد منا رہی ہے اور مختلف انداز کی یادگاریں قائم کرنے کے مشورے دیئے جا رہے ہیں، ہم نے مناسب سمجھا کہ ان اصول کے تذکرہ سے یاد منائیں جن پر چل کر دُنیا آزادی کی منزل پر پہنچی اور اس شخصیت کا ذکرِ خیر کریں جن کا وسیع اور ہمہ گیر ذہن ان دواعی آزادی کا نہ صرف جذبات بلکہ اصول کے درجہ میں بھی امین تھا اور جو ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہو ہو کر ملک کا ذہن آزادی پسندی اور حریت طلب بناتے رہے تا آنکہ آزادی سامنے آ کھڑی ہوئی اور آج ہر ایک کو اس کی خوشی منانے کا موقعہ ملا

ع: خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

محمد طیب غفرلہٗ

مدیر دارالعلوم دیوبند

۱۵/اگست ۱۹۵۷ء

آزادی کا سپنا

خطیب: مولانا عبدالواحد قاسمی ارریادی

احساس عنایت کر آثارِ مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے (اقبال)

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم ، اَمَّابَعْدُ !

کتنی بربادی مقدر میں تھی آبادی کے بعد
کیا بتائیں ہم پہ کیا گذری ہے آزادی کے بعد

ہمدردانِ قوم! برادرانِ وطن!!

آزاد ہندوستان کی فضا میں ہر سال یومِ آزادی، یوم جمہوریت وہ ایسے تاریخی دن آتے ہیں جب ہمارے دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں اور ہم تصورات کے سہارے ماضی کے اس تاریخی دور میں پہنچ جاتے ہیں جب ملک ڈیڑھ سو برس طویل مدت پر محیط غلامی سے آزاد ہوا، نئے ہندوستان کا قیام عمل میں آیا، لوگوں نے آزادی کے میٹھے نغمے گائے اور تمام لوگوں کو جمہوری حقوق ملا، اب جب کہ ملک کو آزاد ہوئے نصف صدی گذر چکی ہے اور ہم نصفِ ثانی کی پہلی دہائی میں قدم رکھ چکے ہیں ضرورت ہے کہ ایک لمحہ رُک کر ہم بیتے دنوں کا محاسبہ کریں اور جائزہ لیں کہ آزادی کے اس طویل عرصہ میں ملی نقطۂ نظر سے ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ کیا آزادی دلانے والے جیالوں نے ملک کی تعمیر و ترقی کا جو خواب دیکھا تھا وہ شرمندۂ تعبیر ہوا؟ امن وانصاف کے جو سپنے سجائے تھے، وہ پورے ہوئے؟ قوم کے جو مطالبات تھے وہ تکمیل کو پہنچے؟ لوگوں کو سچی آزادی

Scanned by CamScanner

نصیب ہوئی؟ جمہوریت کی روح باقی رہی؟ آئین وعدلیہ کا پاس ولحاظ برقرار رہا؟ تعلیم کا تناسب پورا ہوسکا؟ پسماندگی دور ہوئی؟ بے روزگاروں کو روزگار فراہم ہوسکے؟ غریب عوام کی ضروریات اور اُن کے طبعی حقوق کو پورا کیا گیا؟ حقیقت یہ ہے کہ کچھ پانے کی تمنا میں ہم نے بہت کچھ کھودیا، منزل تک پہنچ کر بھی ہمیں منزل نہ مل سکی:

بہار آئی اگر گلشن میں تو کس کام کی آئی
نشیمن شاخ پہ باقی رہا نہ دل ہی سینے میں

جشن آزادی منانے والو! آزادی کی یہ خوشیاں یوں ہی نہیں مل گئیں، آزادی کی بہاروں سے ہمکنار کرنے اور غلامی کی خوفناک تاریکیوں سے نکالنے کے لئے ہمارے اکابر اور ہمارے بزرگوں نے مسلسل ایک صدی تک اپنی جان و مال کا نذرانہ پیش کیا۔ ہزاروں سہاگ اُجڑ گئیں، لاکھوں گھر تباہ و برباد ہوگئے اور کروڑوں لوگوں کو اپنی زمین و جائیداد سے ہاتھ دھونا پڑا، جلیان والا باغ کا دردناک منظر ہمارے سامنے ہے، جیل کی کال کوٹھریوں کی داستان سے ہم واقف ہیں، جلاوطنی اور پھانسی کے پھندوں کے واقعات کو ہم بخوبی جانتے ہیں، ہمارے قائد اور ہمارے رہنما مخلص تھے، ملک وقوم کے ہمدرد تھے، وہ ظالم انگریز سے ملک کو چھڑا کر امن وانصاف قائم کرنا چاہتے تھے، انہیں ظلم وتشدد سے نفرت تھی وہ ملک کے رہنے والوں کو ہر اعتبار سے مطمئن دیکھنا چاہتے تھے، ان کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور پندرہ اگست ۱۹۴۷ء کو ملک آزاد ہوا اور ملک کا اپنا آئین ودستور بنا۔

لیکن افسوس! صد افسوس! کہ ارباب اقتدار اور پست ذہنیت سیاست دانوں کی بدنیتی نے آزادی کے مقاصد کو ختم کردیا اور آج ہم اور ہمارا ملک جن بھیانک حالات سے گذر رہا ہے وہ انتہائی تکلیف دہ اور مایوس کن ہے، کیا سیکولرزم اسی کا نام ہے کہ لوگوں کو امن وانصاف سے محروم کردیا جائے؟ کمزوروں کے حقوق دبا لئے جائیں؟ کیا جمہوریت اسی کو کہتے ہیں کہ ملک میں رہنے والی اقلیتوں خصوصاً مسلمان کے لئے عزت

و آبرو کے ساتھ رہنے کی تمام راہیں تنگ کر دی جائیں؟ ان کے تشخص کو مٹانے کی ہر ممکنہ کوششیں کی جائیں؟ کیا انہی مقاصد کے لئے جنگ آزادی لڑی گئی تھی؟

جب وقت پڑا تھا گلشن پر، مجھ سے ہی لہو کا دان لیا
میرے ہی لہو کے چھینٹوں سے، ہولی بھی منائی لوگوں نے

دوستو! تاریخ کے اوراق پلٹو اور دیکھو کہ ہندوستان سے انگریزوں کا تسلط ختم کرنے کے لئے جتنا خون پسینہ مسلمانوں نے بہایا تھا اس میں کسی دوسرے مذہب کے ماننے والوں کا اتنا حصہ نہیں ہے، تاریخ کی کتابوں سے صفحات اور اوراق نوچ کر پھینک دینے سے حقیقت مٹ نہیں جائے گی، دنیا جانتی ہے، دنیا کے سارے لوگ جانتے ہیں کہ آزادی کی خاطر مسلمانوں نے کتنی قربانیاں پیش کی ہیں۔ اگر تم تاریخ سے چشم پوشی کرتے ہو تو کرو، بھارت کی دھرتی کی ایک ایک شئی ہماری آزادی کی داستان سے واقف ہے:

پتہ پتہ بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے کوئی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

انصاف پسند لوگو! تاریخ گواہ ہے کہ سنگھی ذہنیت کے حامل افراد نے ماضی تا حال ہندوستان کی تحریک آزادی میں نہ تو کوئی کردار ادا کیا، نہ گنگا جمنی تہذیب کی کوئی قدر کی، نہ ہی ملک کے کثیر مذہبی تشخص کو قبول کیا اور نہ ہی موجودہ دستور و قوانین کی پاسداری ان کا طور بن سکا، سنگھ پریوار اپنی عمر کے پون صدی گذار چکا ہے، ۱۹۲۵ء سے لے کر آج تک اس نے وطن عزیز کی تعمیر اور ہندوستانی قوم کی فلاح کے لئے کوئی کام نہیں کیا سوائے اس کے کہ اقلیتوں خصوصا مسلمانوں کو تنگ اور تباہ و تاراج کرنا اس کا مطمح نظر رہا، آزادی کے بعد سے اب تک جن لوگوں کے ہاتھوں میں عنانِ حکومت رہی انہوں نے اپنے ذاتی مفادات پر ملک و قوم کے مفادات کو قربان کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ حکومت و اقتدار کا یہ چانس ان کے لئے گولڈن چانس ہے، جتنا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے

اٹھالیں پھر موقع ہاتھ آنے والا نہیں ہے، جس کا نتیجہ اس صورت میں ہمارے سامنے ہے کہ آج سیاست کے بازار میں اخلاقی دیوالیہ پن کا بول بالا ہے، گذرے ہوئے چند برسوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو محسوس ہوگا کہ کبھی سونے کی چڑیا کہلانے والے ہمارے اس ملک کا حال طائر بے بال و پر جیسا ہو چکا ہے، قدرتی ذخائر سے مالا مال یہ خطہ جمہوری حکمرانوں کی بدنیتی کی وجہ سے کھوکھلا ہو چکا ہے، رشوت خوری، گھوٹالہ اور اقربا پروری کا زہر ہمارے رگ رگ میں سرایت کر چکا ہے، تعصب و امتیاز اور فرقہ وارانہ ذہنیت ایک عام بات ہو چکی ہے، پولیس سیاست دانوں کی غلام اور عوام کا دشمن بن چکی ہے، اور قانون عوام کا اعتبار کھو رہے ہیں، امیر و غریب میں فاصلہ اتنا بڑھ گیا ہے کہ ایک طرف رئیس سیاست داں ایئر کنڈیشنڈ کاروں میں گھومتے ہیں اور عالیشان بنگلوں میں رہتے ہیں تو دوسری طرف کروڑوں بے روزگار اور بے پناہ مفلس ٹوٹی جھونپڑیوں میں شکستہ چھتوں کے نیچے یا اس سے بھی بدتر کھلی فضا میں آسمان تلے پیٹ بھرنے کے لئے ایک ایک ٹکڑے کے محتاج، حیوانوں کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں، آزادی کا ایک لمبا عرصہ گذر چکا، نہ آج تک غربت دور کی جا سکی، نہ فسادات پر قابو پایا جا سکا اور نہ عوام کی پریشانیوں کو دور کرنے کی مؤثر کوشش کی جا سکی، ارباب اقتدار نے اِن مسائل کے حل کرنے کے بجائے اس دھرتی پر ہر طرح کے فساد و بگاڑ کی تخم ریزی کر کے زہریلے اور کانٹے دار درخت لگا دیئے ہیں جن کے کڑوے، کسیلے اور زہریلے پھل نے عوام و خواص کے ذہن اور ان کے افکار و خیالات کو تباہ و تاراج کر دیا ہے اور اگر کبھی مسائل کے حل کے لئے قدم بڑھایا تو نسلی امتیاز اور گندی ذہنیت کے حامل عناصر نے اس کے قدموں پر قدغن لگا دی، آہ......!

کتنی بربادی مقدر میں تھی آبادی کے بعد
کیا بتائیں ہم پہ کیا گذری ہے آزادی کے بعد

بھارت کی دھرتی پر مسلمانوں کو ان سب کے علاوہ اور بھی مسائل و مشکلات کا سامنا

Scanned by CamScanner

ہے، یہ مشکلات اپنی شدت کے لحاظ سے مختلف ہیں، مولانا اسرار الحق قاسمی کہتے ہیں کہ:

''مسلمانانِ ہند کو درپیش مسائل میں ایک تشویشناک مسئلہ فرقہ پرست عناصر کی طرف سے ان کی غلط تصویر کشی اور ان پر بہتان طرازی کا ہے کہ وہ قومی دھارے میں شامل نہیں ہوتا، ان کی وفاداریوں پر مسلسل شک کیا جاتا ہے اور اُن پر علیحدگی پسندی کا الزام لگایا جاتا ہے، آر ایس ایس اور اس کی فروعی تنظیمیں مسلمانوں کی تصویر مسخ کرنے، ان کے عقائد، ان کے اداروں، ان کے دینی مدرسوں اور ان کی ثقافتی طرز وادا کی غلط تصویر کشی کے لئے ایک منظم اور متواتر مہم چھیڑ رکھی ہے، مسلمانوں کے خلاف تعصبات اور بدگمانیاں، درسی کتابوں، علاقائی زبانوں کے میڈیا اور اشتہاروں کے ذریعہ عام کیا جاتا ہے، سنگھ پریوار کی پالیسی یہ ہے کہ مسلمانوں کو قربانی کا بکرا بنا کر انہیں ملک کے تمام مسائل کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے، تاکہ اکثریتی فرقے کی رائے عامہ ان کے حق میں ہموار ہو اور ہندو راشٹر کے دیرینہ خواب کی تکمیل ہو سکے''

بھارت کی دھرتی پر بسنے والو کان کھول کر سن لو ! ملک وقوم پر ایسا برا وقت کبھی بھی نہیں آیا تھا جیسا کہ آج آیا ہوا ہے، حکومت دھکے کھا رہی ہے، سیاست داں ہچکیاں لے رہے ہیں، اقتصادی، بحران، سیاسی اتھل پتھل، اندرونی دہشت گردی، پڑوسیوں کے خلاف جوشیلے بیانات، بموں کی گھن گرج، میزائلوں کا دور دورہ اور نہ جانے کیا کیا، عجیب وغریب صورتِ حال ہے، غلام بھارت کو بیرونی عناصر سے جو نقصانات پہنچے تھے آزاد بھارت کو اندرونی افراد سے اس سے کئی لاکھ گنا نقصان پہنچ رہا ہے، انگریزوں کی تعذیب وتخریب کاری کی داستان اگر دل خراش تھی تو ان خودغرضوں کی داستان خراش تر، انہیں بھارت کی تعمیر وترقی سے قطعاً دلچسپی نہیں اور باشندگانِ وطن سے کچھ بھی ہمدردی نہیں۔

لہٰذا ــــ موجودہ حالات کے پیش نظر ضرورت ہے کہ اربابِ حل وعقد، دانشور، عوام وخواص دلی تڑپ اور خلوص وللّٰہیت کے ساتھ آگے بڑھیں، اپنا احتساب کریں اور

Scanned by CamScanner

دیکھیں کہ ملک کی تباہی کے دہانے کہاں کہاں کھلے ہوئے ہیں، تعمیری کام کو کن افراد سے زک پہنچ رہی ہے، تخریب کا دروازہ کہاں کھلا ہوا ہے اور رخنہ اندازی کہاں نہیں ہو رہی ہے اور بلاتفریق مذہب وملت وطن کی تعمیر میں لگ جائیں تاکہ ملک ترقی وخوشحالی کا ایک درخشندہ باب بن سکے، اگر ہم نے جلد اس کی طرف توجہ نہیں کی تو یہ جشن آزادی، یہ جمہوریت کے نعرے، تابناک مستقبل کی امید اور بلند عزائم کے خواب سبھی بکھر جائیں گے اور ہمیں خبر بھی نہ ہوگی۔

احساس عنایت کر آثارِ مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے
بے لوث محبت ہو، بے باک صداقت ہو
سینوں میں اُجالا کر، دل صورتِ مینا دے

وما علینا الا البلاغ

''نایاب موتی''

''نایاب موتی'' ایک ایسی کتاب ہے جس میں زندگی کے روزمرہ پیش آنے والے امور میں نہایت مفید ومعاون اقوال ونصائح اور صحابہ وتابعین کے نادر ونایاب اقوال کا عظیم ذخیرہ ہے۔ اس مجموعہ میں حضرت اقدس مولانا محمد صفوان بن آدم صاحب پالن پوری نے علماء وصلحاء کے نایاب اقوال وتجربات نیز نصائح غالیہ کو جمع کیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ موصوف کو ان کی کاوشوں وتحریروں کا اجر عظیم عطا کرے، اور بین العوام والخواص آپ کی محنتوں کو مقبول وماجور بنائے، اس کتاب میں مختلف واقعات دلوں کو گداز دینے والے علمی لطائف اور اثر انگیز عبارتوں کا جو مجموعہ ہے وہ اگرچہ کوئی تحقیقی یا فکری مضامین سے متعلق نہیں ہے، بلکہ دوران مطالعہ جو واقعات وتجربات دل کو بھائے انھیں اس مجموعہ میں جمع کردیا گیا، تاہم اس مجموعہ میں جن چیزوں کا انتخاب ہے وہ کسی خاص معیار کو پیش نظر رکھ کر نہیں کیا گیا بلکہ اس مقصد کے تحت اس کی اشاعت عمل میں آئی کہ جن واقعات وجذبات نے دل ودماغ پر کاری ضرب لگائی، خوابیدہ امنگوں کو بیدار کیا، اور غفلتوں کے خاکستر میں دبی ہوئی جنگاریوں کو فروزاں وتاباں کیا وہ سب آپ کے مطالعہ میں مفید ومعاون ہوں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے قارئین وناشرین کو اجر عظیم عطا فرمائیں!

نایاب موتی کا یہ مجموعہ ۲ جلدوں میں ۸۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، اور مکتبہ الامین کتابستان سے شائع ہوکر منظر عام پر آچکا ہے۔

ملنے کا پتہ

الامین کتابستان دیوبند

Scanned by CamScanner

انسانیت کا سب سے بڑا دشمن

مجھ کو شیطانوں کی چھیڑوں سے بچا ● مجھ سے شیطاں کو رکھ دور اے خدا
ہو الٰہی تو مددگار و معین ● مجھ پر غالب ہو نہ جائے وہ لعین

انسانیت کا سب سے بڑا دشمن۔ نہایت ہی عمدہ اور بہترین کتاب ہے اس میں شیطان مردود کے انسانیت کو بہکانے کے لئے اس کے تمام مکر وفریب سے آگاہ کیا گیا ہے، تاکہ انسانیت کو یہ مجموعہ نصیحت کی صورت میں تجدید ایمان کا آئینہ دکھائے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: ﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾: آپ نصیحت کیا کیجئے کیونکہ نصیحت کرنا مومنوں کو نفع بخش ہے۔ تو اسی نصیحت کے مقصد کے تحت اس کی اشاعت کا مقصد ذہن میں آیا۔ شیطان تمام تر مومنوں کے لئے ازلی دشمن ہے، ایک ایسا ملعون ومردود دشمن جس نے بارگاہِ ایزدی میں یہ کہنے کی جرأت کی کہ اے اللہ تو مجھے اتنی مہلت دے کہ میں تیرے بندوں کو اپنے مکر وفریب سے بہکا کر دوزخ کی راہ پر لے آؤں۔ اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ کو متنبہ کرنے کے لئے اپنی کتاب قرآنِ مجید میں جابجا فرمایا کہ: ﴿عَدُوٌّ مبین﴾: کہ شیطان کھلا دشمن ہے، لہٰذا اب ضرورت تھی کہ کوئی ایسی کاوش جو لوگوں کے لئے شیطان کے مکر وفریب سے بچنے کا ذریعہ بنے منظر عام پر آئے۔ اور حضرت مولانا صفوان بن آدم صاحب پالن پوری کے قلم سے نہایت ہی عمدہ کتاب تخلیق ہوئی، اللہ تعالیٰ موصوف کو ثوابِ دارین عطا فرمائے۔ یہ مجموعہ ۲۸۰ صفحات پر مشتمل، نہایت عمدہ کاغذ وطباعت اور خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ مکتبہ الامین کتابستان سے منظر عام پر آچکا ہے۔

ملنے کا پتہ

الامین کتابستان دیوبند

Scanned by CamScanner



Pentone 9897869314

ہر قسم کے قرآن کریم اور دینی و درسی کتابیں ملنے کا پتہ

الامین کتابستان دیوبند

AL-AMEEN KITABISTAN

Shop No. 9, Madani Market, Deoband-247554 (U.P.) India

Ph:01336-221212 , 09412680528,09557515199,09027755527

website: www.alameenbooks.com e-mail: alameenkitabistan@gmail.com

Scanned by CamScanner